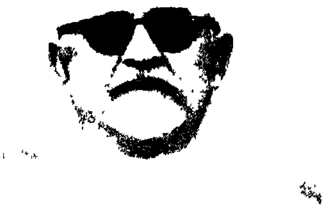
ادیب

جامعہ اردو، علی گڑھ



نواب احمد سعید خاں آف چھتاری
(سابق رئیس جامعہ)



ڈاکٹر ذاکر حسین
(سابق شیخ الجامعہ)



ڈاکٹر عبدالعلیم
(سابق اعزازی خازن)



الحاج محمد عبیدالرحمن خاں شروا
(سابق اعزازی خازن)

جامعہ اُردو کا ترجمان

ادیب

(جشنِ زرّیں نمبر)

مدیر

مرزا خلیل احمد بیگ

جامعۂ اُردو ○ علی گڑھ

۱۹۸۹ء

ادیب (جشنِ زرّیں نمبر)

جلد ۱۳	۱۹۸۹ء	شمارہ ۴

تعدادِ اشاعت ——— بیس ہزار
طابع وناشر ——— ایم۔ ایم خاں شروانی، جامعۂ اردو
مقامِ اشاعت ——— جامعۂ اردو، علی گڑھ
کتابت ——— سلطان احمد، علی گڑھ
مطبوعہ ——— زیرِ اہتمام، لیتھوکلر پرنٹرز، علی گڑھ
قیمت ——— پانچ روپے

خط وکتابت اور ترسیلِ زر کا پتا

دفتر رسالہ 'ادیب'

جامعۂ اردو، میڈیکل کالج روڈ، علی گڑھ

دفتر جامعۂ اردو میں رسالہ 'ادیب' کے پرانے شمارے بھی دستیاب ہیں

ترتیب

طالبانِ علم و حکمت

اعلان

ناگزیر حالات کی بنا پر جامعہ اُردو، علی گڑھ کے امتحانات امسال

۶ نومبر تا ۹ نومبر ۱۹۸۹ء

کے بجائے

۴ دسمبر تا ۷ دسمبر ۱۹۸۹ء

منعقد ہوں گے

رجسٹرار جامعہ اُردو، علی گڑھ

اداریہ

سالِ رواں جامعہ اُردو کا جشنِ زریں سال ہے۔ اس موقع پر شائع ہونے والا رسالہ ادیب کا خصوصی شمارہ "جشنِ زریں نمبر" پیشِ خدمت ہے۔ جامعہ اُردو کے قیام کو ۱۹۸۹ء میں پچاس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ یہ ادارہ آگرے کی ایک ادبی انجمن "بزمِ اقبال" کے تحت ۱۹۳۹ء میں قائم ہوا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں اسے علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک یہ اُردو کی ترویج و اشاعت کی بلند پایہ اور اہم بالشان خدمت انجام دیتا آرہا ہے۔ جامعہ کو شروع ہی سے ایسے سرپرست ملے جنھوں نے انتہائی صدقِ دل کے ساتھ اس کی توسیع و ترقی میں حصہ لیا۔ یہ انھیں کے جذبۂ صادق، عزم و استقلال اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جامعہ اُردو نے آج اتنی ترقی کرلی ہے۔

زیرِ نظر شمارے میں جامعہ اُردو کی گذشتہ پچاس سالہ تاریخ کی جھلک دکھائی دے گی۔ میں نے اس کے ماضی میں بھی جھانکا ہے، حال پر بھی نظر ڈالی ہے اور مستقبل کی جانب بھی جست لگائی ہے، نیز اعداد و شمار پیش کر کے اس کی ترقی کے مدارج کی نشان دہی کی ہے۔ میں نے ان محسنین کو بھی احساسِ ممنونیت کے ساتھ یاد کیا ہے جو گذشتہ نصف صدی کے دوران جامعہ اُردو کی بے لوث خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ میں نے اس شمارۂ خصوصی کو حتی الوسع دستاویزی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔

جامعہ اُردو اگرچہ ایک تعلیمی ادارہ ہے، اور اس کا اُردو تحریک سے براہِ راست

کوئی تعلق نہیں ہے، تاہم اس کے عناں گیر اُردو کے جائز و جمہوری حق کے لیے ہمیشہ لڑتے رہے ہیں۔ مولوی عبدالحق، سرتیج بہادر سپرو، پنڈت آنند نراین مُلّا، وغیرہ کو اُردو تحریک کے علم بردار کی حیثیت سے کون نہیں جانتا۔ اُردو کو یوپی، بہار اور دیگر ریاستوں میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کا مطالبہ بھی جامعہ کے عہدہ داران وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ۱۹۷۳ء کے جامعۂ اُردو کے خطبۂ صدارت میں اُردو کو مخصوص ریاستوں میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کا مطالبہ بڑی شد و مد کے ساتھ دہرایا تھا۔ پروفیسر مسعود حسین خاں پچھلے بیس۲۰ پچیس۲۵ سال سے اس موضوع پر بڑی بے باکی سے لکھتے رہے ہیں۔ ہماری زبان کے ان کے تحریر کردہ اداریے اور اُردو کا المیہ کے صفحات اس کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ ان کے حالیہ مضمون "اُردو اور الکشن" (مطبوعہ ہماری زبان، یکم اگست ۱۹۸۹ء) سے یہ اقتباس پیش کرنا بیجا نہ ہوگا جس میں انھوں نے کہا تھا کہ "ہمارا سیاسی پروگرام فی الحال صرف ایک ہونا چاہیے، یعنی اُردو زبان کو اس کا حق دلوانا، کہیں مراعات کی شکل میں اور کہیں دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے۔"

تمام اُردو والوں کے لیے یہ امر انتہائی باعث مسرت ہے کہ اُردو کو جو اس کا حق تھا مل گیا۔ آئینی اعتبار سے اُردو یوپی اور بہار کی دوسری سرکاری زبان بنادی گئی۔ اب یہ اُردو والوں کا فرض ہے کہ وہ اُردو کی اس آئینی حیثیت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ میری ناچیز رائے میں اُردو والوں کو جس چیز پر سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ہے اُردو کے تعلیمی نظام کی از سرِ نو شیرازہ بندی۔ اگر اس وقت اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی تو پھر پانی سر سے کافی اونچا ہو چکا ہوگا۔

مرزا خلیل احمد بیگ

○ مرزا خلیل احمد بیگ

جامعۂ اُردو
ماضی، حال، مستقبل

جامعۂ اُردو کا قیام اور دورِ آگرہ

جامعۂ اُردو کا قیام آج سے پچاس سال قبل آگرے کی ایک ادبی انجمن "بزمِ اقبال" کے تحت ۱۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو عمل میں آیا۔ اس کے پیشِ نظر اُردو کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کے نیک مقاصد تھے۔ چناں چہ اربابِ حل و عقد نے آغازِ کار ہی سے اِسے ایک تعلیمی و امتحانی ادارے کی حیثیت دے دی تھی۔ اُسی وقت یہ طے پا گیا تھا کہ اس کے تحت ہر سال اُردو کے تین امتحانات یعنی ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل منعقد ہوا کریں گے۔ چناں چہ یہ تینوں امتحانات ۱۶ مراکز پر پہلی بار نومبر ۱۹۲۹ء میں منعقد ہوئے اور کل ملا کر ۱۵۰ امیدواران ان امتحانات میں شریک ہوئے جن میں ادیب کے ۱۱۹، ادیب ماہر کے ۱۹ اور ادیب کامل کے ۲۰ امیدوار شامل تھے۔ ۱۵۰ اشرکائے امتحانات میں ۱۷ طالبات بھی تھیں جن مراکز پر یہ امتحانات منعقد ہوئے تھے ان میں آگرہ، اجمیر، الٰہ آباد، بریلی، بھوپال، ٹونک، جون پور، جے پور، علی گڑھ، کانپور، لکھنؤ اور مراد آباد خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

آج جب ہم پورے پچاس سال بعد اس ادارے پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کے شرکائے امتحانات کی تعداد انیس ۱۹ ہزار پاتے ہیں یہ نہ صرف ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں بلکہ بیرونِ ہند کے دوردراز علاقے پورٹ لوئس میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں جامعۂ اُردو کے صرف ۱۶ مراکزِ امتحانات تھے، لیکن آج اس کے امتحانی مراکز کی تعداد ڈھائی سو تک پہنچ چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک کی بعض یونیورسٹیاں بھی شرکائے امتحانات کی تعداد کے لحاظ سے جامعۂ اُردو سے بہت پیچھے ہیں۔ یہ اس ادارے کی روزافزوں ترقی کا بیّن ثبوت ہے۔ اس سے اس بات کا بھی بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ادارہ اُردو کے فروغ اور اس کی بقا و ترقی میں کتنا اہم اور موثر رول ادا کررہا ہے۔ اُردو کو گھر گھر، قریہ قریہ اور قصبہ قصبہ پہنچانے میں جو گراں قدر خدمت اس ادارے نے انجام دی ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے ادارے نے دی ہو۔ اور یہ سب کچھ نہایت خاموشی کے ساتھ اور بغیر کسی سرکاری یا نیم سرکاری امداد کے انجام پاتا رہا ہے۔

بانیِ جامعہ محمد طاہر فاروقی

اس ادارے کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اسے شروع ہی سے ایسے مربّی اور سرپرست ملے جنھوں نے خلوصِ دل کے ساتھ اس کی بے لوث خدمت انجام دی، اور ذاتی غرض، نام و نمود اور مفاد سے بالاتر ہوکر اس ادارے کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آگرے کی ایک مقتدر شخصیت محمد طاہر فاروقی کا نام ذہن میں آتا ہے جو اُردو کی محافظت کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ فاروقی صاحب "بزمِ اقبال"، آگرہ کے بھی روحِ رواں تھے اور اس کے معتمد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ لیکن "بزمِ اقبال" ایک ادبی انجمن تھی اور اس کی

سرگرمیاں ادبی جلسوں اور مشاعروں تک ہی محدود تھیں۔ فاروقی صاحب اس سے مطمئن نہ تھے۔ وہ اُردو کی ترویج و اشاعت کے لیے کوئی ٹھوس کام کرنا چاہتے تھے۔ ایسا کام جس سے اُردو جاننے اور لکھنے پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع ہو۔ فاروقی صاحب کے اس خیال سے اراکین "بزمِ اقبال" کو بھی اتفاق تھا۔ اس طرح "بزمِ اقبال"، آگرہ کی مجلسِ منتظمہ میں پیش کیے گئے ایک باقاعدہ ریزولیوشن کے ذریعہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء کو جامعۂ اُردو کا قیام عمل میں آگیا۔ اور محمد طاہر فاروقی صاحب اس کے پہلے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۳۹ء میں پہلی بار اس کے امتحانات منعقد ہوئے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

محمد طاہر فاروقی کے علاوہ ابتدائی دور (دورِ آگرہ) میں جن اکابرین کی سرپرستی جامعۂ اُردو کو حاصل رہی ان میں سر تیج بہادر سپرو، مولوی عبدالحق، خان بہادر اختر عادل اور پنڈت راج ناتھ کنزرو کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۰ء تک جامعۂ اُردو کے امیرِ جامعہ (چانسلر) رہے۔ اسی دوران مولوی عبدالحق نے اس کے نائب امیرِ جامعہ (پرو چانسلر) کے فرائض انجام دیے۔ ان دونوں بزرگوں کا جامعۂ اُردو کی ترقی میں نمایاں حصہ رہا ہے۔ کیوں کہ دونوں کو اردو سے سچی محبت اور جذباتی لگاؤ تھا۔

دورِ آگرہ میں الحاج مولوی ابوالحسن شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) اور خان بہادر اختر عادل نائب شیخ الجامعہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پنڈت راج ناتھ کنزرو جامعۂ اُردو کے خازن (ٹریژرر) کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔

جامعۂ اُردو کی علی گڑھ منتقلی

چند سال بعد حالات نے پلٹا کھایا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا۔ مولوی عبدالحق کی طرح محمد طاہر فاروقی بھی عازمِ پاکستان ہوئے۔ اور ۱۹۴۸ء میں جامعۂ اُردو

بے سروسامانی کے عالم میں آگرے سے علی گڑھ منتقل ہوگئی۔ یہاں اسے نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی (موجودہ رئیس جامعہ) جیسے مربی، ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے سرپرست، رشید احمد صدیقی جیسے ہمدرد اور سید ظہیر الدین علوی جیسے کارکن مل گئے جنھوں نے اس کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ جامعۂ اُردو جب علی گڑھ آئی تھی تو اسے سر چھپانے تک کو جگہ میسر نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا کل اثاثہ ایک صندوق میں بند تھا۔ نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی نے ازراہِ عنایت اپنی کوٹھی واقع نمائش روڈ میں جہاں پہلے جانسن کا مشہور کارخانہ تھا، چھ کمرے جامعۂ اُردو کے دفتر کے لیے بلا معاوضہ دیے۔ اگر جامعہ کو نواب صاحب جیسا مربی و سرپرست نہ ملتا تو یہ نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی۔ نواب صاحب کا یہ لطفِ خاص جامعۂ اُردو کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

سیّد ظہیر الدین علوی اور جامعۂ اُردو کے بڑھتے قدم

سیّد ظہیر الدین علوی نے بڑے نازک و نامساعد حالات میں جامعۂ اُردو کو سنبھالا دیا۔ یہ وہ دور تھا جب پورے شمالی ہندوستان میں اُردو کے خلاف محاذ آرائی جاری تھی۔ اسے پوری طرح مٹانے اور ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ دفتروں، تعلیم گاہوں اور سرکاری اداروں سے اس کا اخراج ہو رہا تھا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات اور بے یقینی کی فضا میں اُردو کے فروغ کے بارے میں سوچنا کتنا دشوار تھا۔ لیکن علوی صاحب کا عزم پختہ، حوصلہ بلند اور جذبہ صادق تھا۔ انھوں نے نہایت استقامت اور صبر و استقلال کے ساتھ تحفظ و بقائے اُردو کا بیڑا اٹھایا اور جامعۂ اُردو کی تعمیر و ترقی کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ چناں چہ یہ انھیں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جامعہ چل نکلی۔ وہ اپنے انتقال (۱۲؍جنوری ۱۹۶۴ء) تک اس ادارے کی دل و جان سے خدمت کرتے رہے۔ اُردو کی ترویج و اشاعت اور جامعۂ اُردو کی تعمیر و ترقی میں سیّد ظہیر الدین علوی کی خدمات کو کبھی فراموش

نہیں کیا جا سکتا۔ علوی صاحب یوں تو جامعۂ اُردو کے رجسٹرار کے عہدے پر فائز تھے لیکن جب کبھی وقت پڑتا وہ جامعہ کا چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں بھی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ علی گڑھ میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے انھیں امتحان کی کاپیوں کا بنڈل بناتے، مہر لگاتے اور انھیں سپرد ڈاک کرتے دیکھا ہے۔ ان کاموں میں وہ کبھی کبھی اپنے اہل کنبہ کو بھی شریک کر لیا کرتے تھے۔ علوی صاحب کے علاوہ اس ادارے کی آبیاری کرنے والوں میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین، نائب شیخ الجامعہ پروفیسر رشید احمد صدیقی اور خازن شفاء الملک حکیم عبداللطیف کے نام خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ جب کسی ادارے کو ایسی سچی لگن اور انتھک کوششوں سے کام کرنے والے مل جائیں تو اس ادارے کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ چناں چہ جیسا کہ جامعۂ اُردو کی ایک رپورٹ (۱۹۷۶ء) میں کہا گیا ہے "اپنے قیامِ علی گڑھ کے چند سال میں ہی اس ادارے کی ساکھ قائم ہو گئی اور اسے استقامت حاصل ہونے لگی۔ اس کا دائرۂ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ اس کے امتحانات میں شامل ہونے والے امیدواروں کی تعداد دہائی اور سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں کی منزل میں داخل ہو گئی۔ ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور بورڈوں نے اس کے امتحانات کو مختلف حیثیتوں میں تسلیم کر لیا۔ ملک کے طول و عرض میں اہلِ اُردو اور محبانِ اُردو اس طرف متوجہ ہونے لگے۔"

جامعۂ اُردو کے جلسۂ تقسیمِ اسناد بابت ۱۹۵۹ء میں سید ظہیر الدین علوی (رجسٹرار) نے ادارے کی جو روئدادِ کارگذاری پیش کی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گذشتہ بیس سال (۱۹۳۹ء تا ۱۹۵۹ء) کے دوران جامعۂ اُردو نے کتنی ترقی کر لی تھی۔ ۱۹۵۹ء میں اس کے ۱۲۷ مراکزِ امتحان تھے اور امتحان میں شریک ہونے والے امیدواروں کی کل تعداد ۵۲۰۹ تھی۔ بیس سال کے عرصے میں کل ملا کر ۳۵۲۷۵ امیدواران شریکِ امتحانات ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ اس وقت تک جامعۂ اُردو کا دائرۂ کار وعمل کافی وسیع ہو چکا تھا، لیکن اس ادارے کو ابھی وہ استحکام حاصل نہیں ہو سکا تھا جس کی اسے ضرورت تھی۔ جامعۂ اُردو کی اپنی کوئی عمارت بھی نہیں تھی۔ چناں چہ فراہمیٔ زر کی مہم شروع کی گئی اور عطیات اور دیگر ذرائع سے ایک کثیر رقم تعمیرِ عمارت کے لیے جمع کر لی گئی۔ تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دودھ پور کے علاقے میں سرسید نگر سے متصل موجودہ میڈیکل کالج کو جانے والی سڑک پر جامعۂ اردو کی اپنی ایک عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ حکومت کشمیر نے بھی اس کام میں تعاون دیا اور پچاس ہزار کی گراں قدر رقم عنایت کی جس سے ۱۹۶۳ء میں اس کی بالائی منزل پر ایک وسیع اور شاندار ہال کی تعمیر ممکن ہو سکی جس کا نام "کشمیر ہال" رکھا گیا۔ اس کے بعد جامعۂ اُردو کی عمارت میں ۱۹۷۶ء میں توسیع عمل میں آئی جب حکومت اتر پردیش نے جامعۂ اُردو کی "دیرینہ خدمات" کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے لیے ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم منظور کی۔ اتر پردیش کے وزیرِ اعلیٰ عزت مآب نرائن دت تیواری بہ نفسِ نفیس علی گڑھ تشریف لائے اور جامعۂ اُردو کے اس حصۂ عمارت کا ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کو سنگِ بنیاد رکھا۔ جامعۂ اُردو کی جب اپنی عمارت ہو گئی تو اس کا نظم ونسق بھی باقاعدہ قائم ہو گیا اور انتظامی امور کی نگہداشت اور دفتری کاموں کی دیکھ بھال کے لیے رجسٹرار کی نگرانی میں کارکنوں اور اہلِ کاروں کا ایک ایسا عملہ تیار ہو گیا جس نے جامعہ کی ترقی میں مثبت کردار ادا کیا۔

آج کی جامعہ

جیسے جیسے جامعۂ اُردو کو استحکام حاصل ہوتا گیا اور اس کا دائرۂ اثر پھیلتا گیا، اربابِ جامعہ اس کی توسیع وترقی کے نت نئے منصوبے بھی بناتے گئے جس کا نتیجہ ہے کہ آج جامعۂ اُردو کو متوازی جامعہ (PARALLEL UNIVERSITY) کا درجہ حاصل ہے۔ اس کا حلقۂ کارکردگی بھارت اور بیرونِ بھارت ہے۔

۱۔ **امتحانات کی اہمیت**: آج جامعۂ اردو کے امتحانات کو ان کی اہمیت کی وجہ سے مندرجہ ذیل یونیورسٹیاں، بورڈز اور مرکزی وریاستی حکومتیں تسلیم کر چکی ہیں:

(الف) **یونیورسٹیاں**: ۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۔ الٰہ آباد یونیورسٹی، ۳۔ اودے پور یونیورسٹی، ۴۔ جموں یونیورسٹی، ۵۔ کشمیر یونیورسٹی، ۶۔ راجستھان یونیورسٹی (جے پور)، ۷۔ لکھنؤ یونیورسٹی، ۸۔ وکرم یونیورسٹی (اُجین)، ۹۔ گورکھپور یونیورسٹی، ۱۰۔ سری وینکٹیسور یونیورسٹی (ترو پتی)، ۱۱۔ بنارس ہندو یونیورسٹی، ۱۲۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)، ۱۳۔ گرونانک یونیورسٹی (امرتسر)، ۱۴۔ پنجاب یونیورسٹی (چنڈی گڑھ)، ۱۵۔ مگدھ یونیورسٹی (بودھ گیا)، ۱۶۔ آگرہ یونیورسٹی، ۱۷۔ میرٹھ یونیورسٹی، ۱۸۔ کلکتہ یونیورسٹی، ۱۹۔ کاشی ودیا پیٹھ (وارانسی)۔

(ب) **ایجوکیشن بورڈز**: ۱۔ بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن، الٰہ آباد، ۲۔ بورڈ آف ہائر سکنڈری ایجوکیشن، دہلی، ۳۔ راجستھان بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن، جے پور، ۴۔ ڈائرکٹریٹ آف پبلک انسٹرکشن، مدراس، ۵۔ بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن، بھوپال۔

(ج) **مرکزی حکومت اور ریاستی سرکاریں**: ۱۔ مرکزی حکومت، ۲۔ دہلی ایڈمنسٹریشن، ۳۔ راجستھان سرکار، ۴۔ تمل ناڈو سرکار، ۵۔ کرناٹک سرکار، ۶۔ اتر پردیش سرکار۔

۲۔ **امتحانات**: جامعۂ اردو ہر سال ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تقریباً ڈھائی سو مراکز پر پانچ امتحانات منعقد کراتی ہے جن کے نام ہیں:

۱۔ ابتدائی، ۲۔ ادیب، ۳۔ ادیب ماہر، ۴۔ ادیب کامل، ۵۔ معلّم اردو۔ ۱۹۳۹ء میں جب جامعہ کی تشکیل عمل میں آئی اس وقت صرف تین امتحانات شروع کیے گئے تھے: ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل۔ ایک نئے امتحان "ابتدائی" کا اضافہ ۱۹۵۴ء میں کیا گیا۔ یہ جامعۂ اردو کا سب سے پہلا امتحان ہے اور اس کا معیار آٹھویں جماعت کے مساوی رکھا گیا ہے جن امیدواروں کی استعداد کم ہے یا جو کم عمر ہیں وہ

اس امتحان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ امتحان زبان وادب کی بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے اگلے امتحان میں بیٹھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ لٹریسی یا خواندگی کے فروغ میں بھی یہ امتحان بیحد مفید ثابت ہوا ہے۔ اسی طرح ۱۹۷۶ء سے ایک نیا امتحان "معلم اردو" شروع کیا گیا جو جامعۂ اُردو کا آخری امتحان ہے۔ اس کا مقصد امیدواروں کو اُردو زبان وادب کی تدریس کی پیشہ ورانہ تربیت (PROFESSIONAL TRAINING) دینا ہے۔ یہ امتحان اساتذۂ اُردو میں بیحد مقبول ہے۔ اس کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر دہلی انتظامیہ نے اسے بی۔ایڈ کے برابر تسلیم کرلیا ہے۔ حکومت اترپردیش نے بھی معلم اُردو پاس شدہ امیدوار کو ہائر سکنڈری درجات تک اُردو پڑھانے کا مجاز قرار دیا ہے۔ چوں کہ معلم اُردو کا تعلق براہِ راست حصولِ روزگار سے ہے اس لیے اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ادیب اور ادیب ماہر کے امتحانات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُردو زبان وادب اور قواعد وانشا کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہندی کی تعلیم بھی لازمی قرار دی گئی ہے۔ ابتدائی اور ادیب کامل میں بھی ہندی کا پرچہ شامل ہے لیکن اسے اختیاری رکھا گیا ہے۔ ادیب کامل میں ایک پرچہ خصوصی مطالعے کا بھی ہوتا ہے اور طالب علموں کو اُردو ناول، سرسید احمد خاں اور محمد اقبال میں سے کسی ایک موضوع کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل میں عربی، فارسی اور انگریزی کے پرچے اختیاری ہیں۔ اسی طرح ادیب میں معلوماتِ عامّہ اور اصولِ صحت اور ادیب ماہر میں معلوماتِ عامّہ اور علم خانہ داری اور ادیب کامل میں ثقافتِ اسلامی اور علم خانہ داری کے پرچے بھی اختیاری رکھے گئے ہیں۔ طالب علموں کو اختیاری مضامین میں سے دو کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔
معلم اُردو کے امتحان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے: نظری کام اور عملی کام۔ نظری کام میں ۴۰۰ نمبروں پر مشتمل چار پرچے شامل ہیں۔ عملی کام ۲۰۰ نمبروں پر مشتمل ہے جس میں سے تربیتی اسباق کے ۱۰۰ نمبر اور آخری امتحانی سبق (جو علی گڑھ میں آکر دینا ہوتا ہے) کے ۱۰۰ نمبر مقرر ہیں۔

۴۔ مراعات : جامعہ اُردو کا امتحان پاس کرنے والوں کو کئی مراعات حاصل ہیں۔ ادیب پاس شدہ امیدوار ہائی اسکول کا امتحان صرف انگریزی سے پاس کر سکتے ہیں۔ ادیب ماہر پاس شدہ امیدوار صرف انگریزی (یا پورے مضامین) میں ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد صرف انگریزی میں ہائر سکنڈری کا امتحان پاس کر سکتے ہیں۔ ادیب کامل پاس شدہ امیدوار صرف انگریزی (یا پورے مضامین) میں ہائر سکنڈری کا امتحان پاس کرنے کے بعد صرف انگریزی میں بی۔ اے کا امتحان پاس کر سکتے ہیں۔ ادیب کامل پاس شدہ امیدوار بی۔ یو۔ ایم۔ ایس میں بھی داخلے کے مجاز ہیں۔ اسی طرح ادیب کامل اور صرف انگریزی میں بی۔ اے پاس شدہ امیدوار ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کر سکتے ہیں۔ نیز ایسے امیدواروں کو انگریزی یا اُردو ایم۔ اے میں بھی داخلہ مل سکتا ہے۔ صرف ادیب کامل پاس شدہ امیدوار کو آگرہ یونیورسٹی اور میرٹھ یونیورسٹی میں براہِ راست ایم۔ اے اُردو میں داخلہ مل سکتا ہے۔ کیوں کہ ان دونوں یونیورسٹیوں نے ادیب کامل کو بی۔ اے کے مساوی تسلیم کر لیا ہے۔ دہلی انتظامیہ نے معلم اُردو کو بی۔ ایڈ کے مساوی تسلیم کر لیا ہے۔ نیز حکومت اتر پردیش نے معلم اُردو پاس شدہ کو ہائر سکنڈری درجات تک اُردو پڑھانے کا مجاز قرار دیا ہے۔ یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ جن یونیورسٹیوں، بورڈوں اور ریاستی سرکاروں نے جامعہ اُردو کے امتحانات کو تسلیم کر لیا ہے انھوں نے ان امتحانات کے پاس کرنے والوں کو کوئی نہ کوئی مراعات ضرور دی ہے جس سے ان امیدواروں کا مستقبل سنور سکتا ہے اور وہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جامعہ اُردو کے امتحانات پاس کرنے والوں میں سے بعض آج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں اور انھوں نے مختلف میدانوں اور شعبہ ہائے زندگی میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ان میں وزیر بھی ہیں اور وائس چانسلر بھی، پروفیسر بھی ہیں اور ریڈر اور لکچرر بھی، شاعر و ادیب بھی اور محقق بھی، صحافی بھی ہیں اور ناول و افسانہ نگار بھی۔

۴۔ **تمغات وانعامات** : جامعۂ اُردو کے ہر امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے امیدوار کو تمغات دیے جاتے ہیں۔ چکبست میڈل، غالب میڈل، شبلی میڈل، سرسید میڈل اور رشید احمد صدیقی میڈل علی الترتیب ابتدائی، ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل اور معلم اُردو میں اوّل آنے والے امیدواروں کو دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال ایک ہزار روپے کا "ڈاکٹر رفیق زکریا انعام" ادیب کامل میں اوّل آنے والے کو اور پانچ سو روپے کا "مالک رام انعام" معلم اردو میں اوّل آنے والے کو دیا جاتا ہے۔ ان دونوں انعامات کے لیے رقوم عالی جناب ڈاکٹر رفیق زکریا، چانسلر جامعۂ اُردو نے فراہم کی ہیں۔

۵۔ **سرسید بک ڈپو** : جامعۂ اُردو کے امتحانات میں شریک ہونے والے امیدواروں کو نصابی کتب کی فراہمی کے لیے اربابِ جامعہ نے ۱۹۵۰ء میں سرسید بک ڈپو کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا جو آج بھی موجود ہے۔ اس ادارے سے سال بہ سال ضرورت کے مطابق درسی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں جن کی قیمت نہایت مناسب ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ طلبا کو تمام کتابیں ایک ہی جگہ سے فراہم ہو جاتی ہیں۔ سرسید بک ڈپو کا اپنا عملہ ہے اور اس کا سالانہ بجٹ بھی علاحدہ تیار ہوتا ہے۔ جو رجسٹرار مقرر ہوتا ہے وہی سرسید بک ڈپو کا منیجر بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک تنخواہ یاب اسسٹنٹ منیجر ہوتا ہے جو اس کے نظم و نسق کو چلاتا ہے اور کتب کی خرید و فروخت، طباعت و اشاعت اور حسابات وغیرہ کا ذمّہ دار ہوتا ہے۔

۶۔ **رسالہ "ادیب"** : "ادیب" جامعۂ اُردو کا ایک موقر علمی، ادبی اور تدریسی مجلّہ ہے۔ یہ جامعۂ اُردو کا ایک طرح سے ترجمان بھی ہے۔ اس کا مقصد "جامعہ کے امتحانات کے سلسلے میں طلبہ کی رہنمائی کرنا اور انھیں اس ادارے کی سرگرمیوں نیز اس کے عام ضابطوں اور قاعدوں سے آگاہ رکھنا ہے"۔ آج اس رسالے کی تعدادِ اشاعت میں ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ اسے بجا طور پر "اُردو کا واحد

کثیرالاشاعت تدریسی مجلّہ" کہہ سکتے ہیں۔ یوں تو "ادیب" جامعۂ اُردو کا ایک قدیم رسالہ ہے جو یہاں سے ۱۹۵۳ء سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ لیکن پہلے اس کا نام "ادیب" کی بجائے "درس" تھا اور سید ظہیر الدین علوی اس کے بانی مدیر تھے۔ پھر اس کی ادارت کئی لوگوں کے ہاتھوں میں رہی۔ اگست ۱۹۵۷ء میں اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر قمر رئیس (موجودہ رکن مجلسِ عام) مقرر ہوئے۔ انھوں نے چند شمارے "درس" کے نام سے نکالے، پھر جنوری ۱۹۵۹ء سے اس کا نام "درس" سے بدل کر "ادیب" کر دیا گیا۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء سے ڈاکٹر ابنِ فرید اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ان دونوں ایڈیٹروں کے دور میں "ادیب" کی خوب ترقی ہوئی اور علمی و ادبی حلقوں میں یہ رسالہ بیحد مقبول ہو گیا، لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر اسے بند کر دینا پڑا۔ پروفیسر مسعود حسین خاں جب شیخ الجامعہ مقرر ہوئے تو ڈاکٹر عتیق احمد صدیقی (جو اس وقت نائب شیخ الجامعہ تھے) کی لائق ادارت میں ۱۹۷۷ء سے "ادیب" کا دوبارہ اجرا ہوا اور جب سے اب تک یہ رسالہ بدستور نکل رہا ہے۔ اس کا معیار پہلے سے بہت بہتر ہو گیا ہے۔ اپنی ظاہری و معنوی خوبیوں کے اعتبار سے یہ رسالہ اُردو کے معیاری رسائل کی صف میں آ گیا ہے۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۰ء کی مجلسِ عام کی میٹنگ (منعقدہ علی گڑھ) میں ڈاکٹر رفیق زکریا (چانسلر جامعۂ اُردو) نے اس رسالے کی تعریف کی اور اراکین نے بھی اس کے معیار کو سراہا اور اس کی ترتیب و پیش کش اور طباعت و اشاعت کو بہ نظرِ تحسین دیکھا۔ یہ رسالہ جامعۂ اُردو کے طلبا کی ضروریات کو تو پورا کرتا ہی ہے علاوہ ازیں ہر سال کثیر تعداد میں ایم۔ اے اور آئی اے ایس کے اُردو طلبہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ راقم الحروف کو رسالہ "ادیب" کے موجودہ مدیر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

۷۔ **مالیات**: یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جامعۂ اُردو ایک خود کفیل ادارہ ہے۔ اسے کسی بھی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے یا کسی اور ذرائع سے کوئی مالی امداد نہیں ملتی۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ طلبہ کی فیسیں ہیں۔ صرف اس کے سالانہ بجٹ

پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اس نے پچھلے چند دہوں کے دوران کتنی ترقی کی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب جامعہ آگرے سے منتقل ہو کر علی گڑھ آئی تھی تو اس کی کل آمدنی تین ہزار پانچ سو پانچ روپے تھی اور خرچ تین ہزار چار سو ستائیس روپے۔ مالی سال ۷۴-۱۹۷۳ء کے بجٹ کے مطابق آمدنی کا تخمینہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار سات سو روپے اور خرچ تخمیناً ایک لاکھ چھیالیس ہزار چار سو چون روپے تھا۔ پندرہ سال بعد ۹۰-۱۹۸۹ء کے بجٹ کے مطابق اس کی آمدنی کا تخمینہ تیرہ لاکھ گیارہ ہزار تین سو روپے اور خرچ کا تخمینہ دس لاکھ چھہتر ہزار روپے ہو گیا۔

۸۔ تعداد شرکائے امتحانات: جامعہ اردو کے امتحانات میں شریک ہونے والے امیدواروں کی تعداد میں بھی سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ۱۹۳۹ء میں جامعہ اردو کے تین امتحانات میں پہلی بار کل ملا کر ۱۵۸ امیدوار شریک ہوئے تھے۔ یہ امتحانات سولہ مراکز پر منعقد ہوئے تھے۔ ۱۹۴۸ء میں جب جامعہ منتقل ہو کر علی گڑھ آئی تو شرکائے امتحانات کی کل تعداد ۳۴۳ اور امتحانی مراکز کی کل تعداد ۲۳ تھی۔ ۱۹۵۸ء میں شرکائے امتحانات کی تعداد ۶۲۳۱، ۱۹۶۸ء میں ۹۹۵۶، ۱۹۷۸ء میں ۱۰.۵۹۵ اور ۱۹۸۸ء میں ۱۵.۰۷۴ تک پہنچ گئی۔ امسال شرکائے امتحانات کی تعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے۔ توقع ہے کہ ۴ر دسمبر ۱۹۸۹ء سے شروع ہونے والے جامعہ اردو کے امتحانات میں انیس ہزار اٹھتر امیدوار شریک ہوں گے اور یہ امتحانات ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے دو سو انچاس مراکز پر منعقد ہوں گے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جامعہ اردو کے امتحانات میں ۱۹۳۹ء سے ۱۹۸۸ء تک تین لاکھ سے زائد امیدوار شریک ہو چکے ہیں۔

۹۔ اردو بازار کی تعمیر: جامعہ اردو نے ۱۹۸۷ء میں اپنی آراضی پر ۱۴ دکانوں پر مشتمل ایک شاپنگ سنٹر تعمیر کروایا ہے۔ اس کی تعمیر کا سہرا صحیح معنوں میں پروفیسر مسعود حسین خاں (شیخ الجامعہ) کے سر ہے۔ اس کا نام "اردو بازار" بھی

مسعود صاحب کا ہی تجویز کردہ ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد ۲۳ر جنوری ۱۹۸۰ء کو پروفیسر مسعود حسین خاں نے رکھا اور افتتاح ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو ڈاکٹر رفیق زکریا (امیر جامعہ) کے ہاتھوں ہوا۔ اُردو بازار کی تعمیر میں تقریباً چار لاکھ روپے کی لاگت آئی ہے۔ اس کے کرایے سے جامعہ اُردو کو تقریباً پچاس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔

۱۰۔ **عہدہ داران و اراکینِ جامعہ** : جامعہ اُردو کے تمام عہدے بجز رجسٹرار کے عہدے کے اعزازی ہیں۔ جامعہ اُردو کا سب سے بڑا عہدہ رئیسِ جامعہ کا ہوتا ہے۔ اس عہدے پر آج کل عالی جناب نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی فائز ہیں۔ دورِ گذشتہ میں نواب محمد احمد سعید خاں آف چھتاری، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو اور بخشی غلام محمد بھی جامعہ اُردو کے رئیس جامعہ رہ چکے ہیں۔ رئیس جامعہ کے بعد امیرِ جامعہ، نائب امیرِ جامعہ، شیخ الجامعہ، نائب شیخ الجامعہ، خازن اور رجسٹرار کے عہدے بالترتیب ہوتے ہیں۔ اول الذکر پانچ عہدوں کے لیے انتخابات ہوتے ہیں اور ایک ٹرم کی مدت چار سال ہوتی ہے۔ رجسٹرار تنخواہ یاب ہوتا ہے اور اس کا تقرر ایک انتخابی کمیٹی کرتی ہے۔ سر تیج بہادر سپرو جامعہ اُردو کے پہلے امیرِ جامعہ (چانسلر) تھے اور مولوی عبدالحق پہلے نائب امیرِ جامعہ (پرو چانسلر)۔ سپرو کے بعد شانتی سروپ بھٹناگر، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو اور پنڈت راج ناتھ کنزرو امیرِ جامعہ ہوئے اور اب ۱۹۷۳ء سے ڈاکٹر رفیق زکریا جامعہ اُردو کے امیرِ جامعہ ہیں۔ نائب امیرِ جامعہ آجکل جناب مالک رام ہیں۔ ان سے پہلے پنڈت آنند نرائن مُلا نائب امیرِ جامعہ تھے۔ جامعہ اُردو کے شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) کے عہدے پر جو ممتاز ہستیاں فائز رہ چکی ہیں اُن میں ڈاکٹر ذاکر حسین، کرنل بشیر حسین زیدی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ رشید صاحب کے بعد ۱۹۷۲ء سے اس عہدے پر پروفیسر مسعود حسین خاں فائز ہیں۔ دورِ آگرہ میں اس کے نائب شیخ الجامعہ خان بہادر اختر عادل تھے۔ جب جامعہ

علی گڑھ آئی تو پروفیسر رشید احمد صدیقی اس کے نائب شیخ الجامعہ منتخب ہوئے۔ ان کے بعد نائب شیخ الجامعہ کے عہدے کے لیے جن لوگوں کا انتخاب عمل میں آیا ان میں پروفیسر عبدالعلیم، پروفیسر طاہر رضوی اور پروفیسر عتیق احمد صدیقی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۷ء سے پروفیسر مختار الدین احمد نائب شیخ الجامعہ کے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔ پنڈت راج ناتھ کنزرو جامعہ اُردو کے پہلے خازن تھے۔ اس کے بعد شفاء الملک حکیم عبداللطیف، پروفیسر عبدالعلیم، پروفیسر قمر الحسن فاروقی، پروفیسر نذیر احمد، عظیم الحق جنیدی اور الحاج محمد عبیدالرحمن خاں شروانی اس کے خازن منتخب ہوتے رہے۔ ۲۱ر مارچ ۱۹۸۶ء کو خازن کے عہدے پر راقم الحروف کا انتخاب عمل میں آیا اور آج بھی اسے یہ اعزاز حاصل ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے محمد طاہر فاروقی جامعہ اُردو کے پہلے رجسٹرار (بانی رجسٹرار) تھے۔ جامعہ کے علی گڑھ منتقل ہونے پر سید ظہیر الدین علوی اس کے رجسٹرار مقرر ہوئے اور جنوری ۱۹۶۴ء تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد جسٹرار کے عہدے پر نورالرحمن، سید احمد علی شاہ جعفری، حشمت حسین عثمانی، اشرف علی خاں اور محمد جمیل خاں فائز ہوئے۔ جامعہ اُردو کے موجودہ رجسٹرار ڈاکٹر محمد مشکور اللہ خاں شروانی ہیں۔

جامعہ اُردو کا نظم و نسق چلانے کے لیے مختلف مجالس قائم ہیں۔ جامعہ کی سب سے بڑی اور اعلیٰ اختیاراتی مجلس کا نام "مجلس عام" ہے۔ اس کے اراکین کی تعداد پچیس ۲۵ ہے۔ جن میں پانچ اعزازی عہدہ داران (امیر جامعہ، نائب امیر جامعہ، شیخ الجامعہ، نائب شیخ الجامعہ اور خازن) بھی شامل ہیں۔ مجلسِ عام میں ان پانچ عہدہ داروں کے علاوہ یونیورسٹیوں کے چھ اساتذۂ اُردو، چھ ممتاز اہلِ علم، تین اہلِ علم و ادب (نامزد امیر جامعہ) تین نمائندے "بزم اقبال" آگرہ کے اور دو نمائندے انجمن ترقی اُردو (ہند) اور ترقی اُردو بیورو کے شامل ہیں۔ مجلسِ عام کے بعد دوسری بڑی مجلس "مجلس منتظمہ" ہے۔ پھر دو اور مجالس، مجلسِ تعلیمی اور امتحان کمیٹی ہیں۔ مجلسِ منتظمہ دس، مجلس تعلیمی چھ اور امتحان کمیٹی

پانچ اراکین پر مشتمل ہے۔ ان تمام مجالس کے اراکین کے نام بہ اعتبار حروفِ تہجی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ پروفیسر آفاق احمد، (بھوپال)، ۲۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی (کلکتہ)، ۳۔ پروفیسر حکم چند نیّر (بنارس)، ۴۔ ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)، ۵۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی (دہلی)، ۶۔ ڈاکٹر سید تابش حسن رضوی (اودے پور)، (۷۔ جناب سید عبدالعزیز (آگرہ)، ۸۔ جناب سید منظم علی شاہ (آگرہ)، ۹۔ پروفیسر ظفر اوگانوی (کلکتہ)، ۱۰۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (دہلی)، ۱۱۔ پروفیسر عبدالمغنی (پٹنہ)، ۱۲۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی (علی گڑھ)، ۱۳۔ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم (دہلی)، ۱۴۔ پروفیسر قاضی عبدالستار (علی گڑھ)، ۱۵۔ پروفیسر قمر رئیس (دہلی)، ۱۶۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ (دہلی)، ۱۷۔ پروفیسر لطف الرحمٰن (بھاگل پور)، ۱۸۔ پروفیسر محمد ذاکر (دہلی)، ۱۹۔ پروفیسر مغنی تبسم (حیدرآباد)، ۲۰۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی (دہلی)۔

جامعہ اُردو اکابرین کی نظر میں

جامعہ اُردو کا قیام جن مقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اس ادارے نے پچھلے پچاس سال کے دوران غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس کا اندازہ اعداد و شمار اور جامعہ کی موجودہ صورتِ حال سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی روز افزوں ترقی اور کارکردگی کے بارے میں اکابرین و مشاہیر وقتاً فوقتاً اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ ذیل میں جامعہ اُردو کے بارے میں ایسی چند رائیں پیش کی جاتی ہیں:

- "جامعہ اُردو، علی گڑھ خدمت اُردو کے اداروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ادارہ خاموشی اور یک سوئی کے ساتھ اُردو کے امتحانوں کا سارے ملک میں نہایت باضابطگی اور دیانت سے اہتمام کر کے اور ان کے معیار کو بلند سطح پر قائم رکھ کر اُردو کی ایک اہم خدمت

انجام دے رہا ہے۔"

(ڈاکٹر ذاکر حسین)

● "جامعہ اُردو نے .... جو غیر معمولی خدمات زبان و ملک کی انجام دی ہیں وہ ہمارے شکریہ سے بالاتر ہیں۔ وہ خدمات انتھک، بے لوث، مفید اور جاذب ہیں کہ انھوں نے خود بہ خود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ اُردو طبقہ خاص طور پر جس قدر بھی جامعہ اُردو کا ممنونِ احسان ہو وہ کم ہے۔"

(ڈاکٹر سیّد محمود)

● "جامعہ اُردو، علی گڑھ نے .... جس سرعت اور تیزی کے ساتھ ترقی کی ہے وہ موجودہ زمانے کے اداروں کی رفتار کے مقابلے میں حیرت زا بھی ہے اور انتہائی شادمانی و مسرت کا باعث بھی۔"

(مولانا محمد حفظ الرحمٰن)

● "ہمارے ملک میں مختلف ادارے اور سوسائٹیاں ہیں جو اُردو زبان کی خدمت انجام دے رہی ہیں اور اس لیے قابلِ قدر ہیں، لیکن ________ جامعہ اُردو نے ...... اُردو کی جو خاموش مگر نہایت مفید اور ٹھوس خدمت انجام دی ہے وہ کسی ادارے سے نہیں ہو سکی۔"

(مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

● "جامعہ اُردو کی خدمات اس قدر اظہر من الشمس ہیں کہ ان کو بتانا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ اُردو کے بارے میں اس کی خدمات تعلیم گاہوں سے بڑھ کر ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ اُردو تعلیم گاہوں سے نکالی جا رہی ہے، اس کی تعلیم کو جامعہ اُردو ہی زندہ کیے ہوئے ہے۔"

(مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی)

● "ایک ادارے کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ وہ علم و ادب کی اشاعت میں اس طرح سرگرم رہے۔"

(سید احتشام حسین)

● "جامعۂ اُردُو جو مفید اور ضروری کام کر رہا ہے اس کا اعتراف نہ کرنا ناحق شناسی ہوگی۔"

(قاضی عبدالغفار)

● "جامعۂ اُردُو تاریخِ زبانِ اُردُو کا ایک اہم ورق ہے .... باوجود بے شمار رکاوٹوں کے ...... جامعۂ اُردُو کا اس قدر ترقی کر جانا کوششِ پیہم اور اخلاصِ عمل کا شاندار کارنامہ ہے۔"

(محمد طاہر فاروقی)

مستقبل کے منصوبے

جامعۂ اُردُو شب و روز ترقی کی جانب گامزن ہے۔ اس کے بڑھتے قدم اس کی آئندہ ترقی کے ضامن ہیں۔ گذشتہ پچاس سال کے دوران اس ادارے نے جو ترقی کی ہے وہ قابلِ اطمینان ہی نہیں بلکہ دوسرے اداروں کے لیے قابلِ رشک بھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کے سرپرستوں کا خلوص، سچی لگن اور بے لوث خدمت کا جذبہ ہے۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ جامعہ کو آئندہ کیسے عناں گیر نصیب ہوں گے اور اس کی سمتِ سفر کیا ہوگی۔ تاہم اس کی آئندہ ترقی اور مستقبل کے روشن امکانات کے بارے میں چند باتیں ضرور کہی جا سکتی ہیں:

● یوپی اور بہار کی لسانی صورتِ حال میں حالیہ تبدیلی کی وجہ سے آئندہ سالوں میں جامعۂ اُردُو کے امتحانات میں شریک ہونے والوں کی تعداد میں زبردست اضافہ متوقع ہے۔ ان ریاستوں میں اُردُو کے دوسری سرکاری زبان بننے کی وجہ سے ایک طرف تو تعلیمی سطح پر اُردُو کے قدم جمنے لگیں گے اور دوسری طرف اُردُو پڑھنے

والوں کو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں گے۔ اُردو تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ جامعۂ اُردو کے امتحانات کی اہمیت و افادیت میں بھی اضافہ ہوگا اور لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریکِ امتحان ہوا کریں گے۔ جیسے جیسے اُردو تعلیم کا پھیلاؤ ہوگا، اُردو تربیت یافتہ معلمین کی بھی ضرورت بڑھے گی۔ اس طرح جامعۂ اُردو کے "معلّم اُردو" امتحان پاس شدہ امیدواروں کو روزگار کے مواقع تیزی سے ملا کریں گے۔ نتیجتاً معلّم اُردو کے شرکائے امتحان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا۔

● جامعۂ اُردو کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کے کیمپس میں اس کا اپنا ایک اُردو میڈیم اسکول ہو جہاں تمام مضامین کی تعلیم اُردو کے ذریعے دی جاتی ہو۔ ایسے اسکول کی جامعۂ اُردو کو اس لیے بھی ضرورت ہے کہ معلّم اُردو کے عملی کام یعنی تربیتی اسباق اور آخری امتحانی سبق کے لیے دوسرے اسکولوں کا دستِ نگر رہنا پڑتا ہے۔ وہاں بعض اوقات انتظامات مناسب نہیں ہو پاتے اور بعض دوسری انتظامی دشواریاں بھی سامنے آتی ہیں۔ یہ بات خوش آئند ہے کہ معلّم اُردو کے امتحان میں شریک ہونے والوں کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جب پورے صوبے میں اُردو تعلیم کا جال بچھ جائے گا تو معلّم اُردو کے سند یافتگان کو روزگار ملنے میں بھی سہولت ہوگی۔ اس طرح معلّم اُردو کے امتحان کی اہمیت اور بڑھ جائے گی۔ علی گڑھ کے دوسرے اسکول معلّم اُردو کے شرکائے امتحان کی بڑھتی ہوئی تعداد کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر جامعہ کا اپنا اسکول ہو تو اس کے تربیتی اسباق اور آخری امتحانی سبق کا انتظام بہ حسن و خوبی کیا جا سکتا ہے۔ جشنِ زرّیں کے موقع پر ایک اُردو میڈیم اسکول کھولنے کی تجویز شیخ الجامعہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے انتہائی خلوصِ دل کے ساتھ پیش کی تھی لیکن بعض مشکلات کی وجہ سے اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔ تاہم مستقبل میں اس پر دوبارہ غور کیا جا سکتا ہے کہ ایک اُردو میڈیم اسکول کا قیام جامعۂ اُردو کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ اسکول ابتدائی مراحل میں پرائمری اور مڈل

جماعتوں تک محدود ہوگا لیکن آئندہ ہائی اسکول بھی بن سکتا ہے اور ترقی کرکے کالج کی شکل بھی اختیار کرسکتا ہے۔ اسی کو پھر آگے چل کر اُردُو یونیورسٹی کا روپ دیا جاسکتا ہے۔ اُردُو یونیورسٹی کا تصور ممکن ہے آج ایک مبہم خواب سے زیادہ نہ ہو لیکن کیا خبر کہ ہماری آئندہ نسلیں جب جامعۂ اُردُو کا صد سالہ جشن منائیں تو یہ خواب ایک حقیقت بن چکا ہو۔

● جامعۂ اُردُو کے زیرِ اہتمام ایک "اُردو دانی" کورس کے آغاز کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔ یہ کورس ان لوگوں کے لیے ہوگا جو اُردُو رسمِ خط سے نابلد ہیں۔ اس میں داخلے کے لیے نہ تو عمر کی کوئی قید ہوگی اور نہ پیشے کی ہر عمر کے لوگ خواہ وہ کسی بھی پیشے سے تعلق رکھتے ہوں اس کورس میں داخلے کے مجاز ہوں گے۔ اس کی کلاسیز بالعموم شام کو ہوا کریں گی۔ اگر اس تجویز کو عملی جامہ پہنا دیا گیا تو اُردُو کی ترویج و اشاعت میں یہ ایک اہم اور مثبت قدم ہوگا۔

● اُردُو کو گھر گھر اور قریہ قریہ پہنچانے اور اس کی ترویج و اشاعت کو بڑے پیمانے پر عام کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُردُو مراسلتی کورس شروع کیا جائے۔ یہ کورس اُردو بولنے والوں میں شرحِ خواندگی کو بڑھانے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ جامعۂ اُردو کے امتحان ابتدائی اور ادیب کے لیے بنیاد بھی فراہم کرسکتا ہے۔ اربابِ جامعہ کو اُردو مراسلتی کورس کے انعقاد پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

● جامعۂ اُردُو کی روز افزوں ترقی اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی عمارات میں بھی توسیع کی جائے۔ موجودہ عمارت ہر لحاظ سے ناکافی ہے۔ کام کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ انتظامی عملہ بھی بڑھتا جارہا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ آئندہ چند سالوں میں تعمیرات کی طرف بھی توجہ دی جائے اور جامعہ کی اراضی پر نئے بلاکس بنائے جائیں۔

میں ان لوگوں میں ہوں جو اُردُو کے مستقبل سے مایوس نہیں۔ اُردو کا مستقبل

روشن ہے۔ اگر اُردو والے چاہیں تو اسے اور بھی زیادہ روشن اور تابناک بنا سکتے ہیں۔ آزادی کے بیالیس (۴۲) سال بعد پہلی بار ایسا موقع آیا ہے کہ ملک کی سیکولر، جمہوری اور غیر فرقہ پرست تنظیموں نے کھل کر اُردو کی حمایت کی ہے اور حکمراں جماعت نے اس کا جائز اور جمہوری حق بحال کرتے ہوئے اسے یوپی اور بہار میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے۔ اب یہ اُردو والوں کا فرض ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پورے صوبے میں اُردو تعلیم کا جال بچھا دیا جائے۔ تعلیمی سطح پر اُردو کو فروغ دے کر ہی اُردو کے مستقبل کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ یہ کام ہندوستان گیر پیمانے پر جامعہ اُردو پچھلے پچاس سال سے کرتی آرہی ہے۔ اگر دوسرے ادارے بھی اُردو کے فروغ اور ترویج و اشاعت کی یہ ذمّہ داری قبول کرلیں تو ہمارے مستقبل کے سارے خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتے ہیں۔

بقیہ "صدارتی خطبات" (صفحہ ۵۲ سے مسلسل):

سے بھی اہم ہے کہ اسے خدمات حاصل ہیں مخلص کارکنوں کی ایک اچھی خاصی جماعت کی جو کسی لالچ یا تحریص کے بل بوتے پر کام نہیں کرتی بلکہ اُردو زبان کی محبت اور اس کی اشاعت کے جذبے سے متاثر ہے۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ اُردو زبان ہمارے ملک کی ادبی اور تمدنی ترقی میں ایک قابلِ قدر حصّہ لے سکتی ہے اور لے گی۔ ہمیں اس کے مستقبل سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُردو اور ہندی کا جو غیر ضروری اور ناگوار جھگڑا کچھ عرصے چل رہا ہے اس کی بہت سی وجہیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ لیکن اس اختلاف سے مرعوب ہوکر ہمیں اپنے ذہنی توازن اور احساسِ تناسب کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔ آخر اس جنگ کی نوعیت ایک خانگی جھگڑے کی سی ہے کوئی بین الاقوامی جنگ تو نہیں؛ جب ایک ہی خاندان کے دو افراد میں لڑائی ہوتی ہے تو اس میں

(باقی صفحہ ۱۰۷ پر)

جامعۂ اُردو

[پندرہ روزہ ہماری زبان (دہلی) کی ۱۶ر مارچ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں "جامعہ اُردو" کے عنوان سے ایک اداریہ شائع ہوا تھا۔ جامعۂ اُردو (جو اس وقت آگرے میں تھی) کے بارے میں یہ ایک قدیم تحریر ہے، جو قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں شائع کی جارہی ہے۔ (مدیر)]

کوئی دو سال ہوئے آگرے کے چند ارباب ذوق نے علامہ اقبال مرحوم کی یادگار کے طور پر ایک انجمن "بزمِ اقبال، آگرہ" کے نام سے قایم کی تھی۔ اقبال مرحوم کی بہت سی یادگاریں ملک میں جابجا قائم ہوئیں۔ بہت سے "یومِ اقبال" منائے گئے اور ان کی یاد بہت دنوں قایم رہے گی۔ ان کی سب سے بڑی نشانی تو خود ان کا لافانی کلام ہے۔ لیکن جس طرح اقبالؔ نے اُردو شاعری میں ایک نئی روح پھونک کر اس کو جاوداں بنادیا۔ اسی طرح اقبالؔ کی اس یادگار" یعنی "بزمِ اقبال، آگرہ" نے اُردو کی ایک ایسی خدمت انجام دی ہے جس کی بدولت امید ہے کہ اُردو زبان کو بڑی قوت اور پائداری حاصل ہوگی۔ اُردو یوں تو ہندوستان کی سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے، اس کی ابتدا ضرورت کی بنا پر ہندوستان میں ہوئی اور جب تک وہ ضرورت باقی رہے گی اُردو کبھی فنا ہونے والی نہیں۔ ہندوستان ایسے بڑے ملک کی زبان ہونے کی حیثیت سے اُردو میں ادب کا ایک

بہت بڑا ذخیرہ بھی فراہم ہو چکا ہے، لیکن اس کی مزید ترقی کے لیے اس کی ضرورت تھی کہ پڑھی اور لکھی جانے والی زبان کی حیثیت سے بھی اس کے معیار قائم ہو جائیں۔ "بزم اقبال" آگرہ نے جامعۂ اردو کی بنا ڈال کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس سے قبل پنجاب میں اردو کے امتحانات ہوتے تھے جن میں دوسرے صوبوں کے لوگ شریک ہو کر اردو دانی کے مختلف معیاروں کی سندیں حاصل کر سکتے تھے۔ دوسری یونیورسٹیوں میں اردو کی بی،اے اور ایم،اے کی سندیں بھی دی جاتی ہیں اور جامعہ عثمانیہ میں اردو کو سب سے زیادہ ممتاز جگہ ملی ہے۔ لیکن خالص اردو کی ایک جامعہ پھر بھی ضروری تھی جواب قایم ہو گئی ہے" بزم اقبال" کے کارکنوں میں جناب خان بہادر محمد اختر عادل صاحب صدر، ڈاکٹر عبدالجبار صاحب فاروقی اور عابد حسن صاحب فریدی (نائب صدر) مولوی محمد طاہر صاحب فاروقی، صدر شعبۂ فارسی، آگرہ کالج (معتمد) اور دیگر اراکین مجلس منتظمہ اس اقدام کے لیے سارے اردو والوں کے شکریے اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جامعۂ اردو میں فی الوقت تین امتحانات رکھے گئے ہیں:

۱۔ ادیب

۲۔ ادیب ماہر

۳۔ ادیب کامل

جامعہ کے یہ امتحان سب سے پہلے نومبر ۱۹۳۹ء میں منعقد ہوئے اور ان میں شریک ہونے والوں کی تعداد حسب ذیل تھی:

ادیب ـــــ ۱۰۷ طلبہ اور ۱۲ طالبات

ادیب ماہر ـــــ ۱۷ طلبہ اور ۲ طالبات

ادیب کامل ـــــ ۱۷ طلبہ اور ۳ طالبات

جامعہ اردو ایسے جدید اور غیر سرکاری ادارے کے لیے ابتدائی کوشش میں اتنی کامیابی بھی بہت حوصلہ افزا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے جامعہ کے

۱۹۴۰-۴۱ء کے قواعد وضوابط اور نصاب امتحان ہیں۔ امتحانات کی فیس علی الترتیب تین روپے، چار روپے، اور پانچ روپے رکھی گئی ہے اور پہلی مرتبہ امتحان میں شرکت کے لیے داخلے کی فیس دو روپے مزید مقرر کی گئی ہے۔ ادیب یا ادیب ماہر میں اول درجے کے کامیاب طلبہ کے ساتھ یہ رعایت ہے کہ بالائی امتحان کی فیس ان سے نہ لی جائے گی۔ یہ تو گویا درجہ اولی کامیابی کا انعام ہوا۔ لیکن ایک عجیب رعایت ارباب جامعہ نے یہ رکھی ہے کہ لڑکیوں کو امتحان کی فیس سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے ان سے صرف دو روپے اندراج کے نام سے فیس لی جائے گی۔ خواتین کی حوصلہ افزائی کا یہ طریقہ ہمارے نزدیک کچھ زیادہ موزوں نہیں ہے۔ رقمی رعایتوں کے لیے معیار قائم کرتے وقت جنس کی بجائے امیدواروں کی مالی حالت کو پیش نظر رکھا جاتا تو بے شک مناسب تھا۔ اس لیے کہ یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ ہندوستان کے مرد زیادہ مفلس ہیں یا عورتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ صنف لطیف کے ساتھ یہ رعایت "نوازش ہائے بیجا" میں نہ شمار کی جائے۔ جامعہ کے امتحانات میں شرکت کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہاں پر ایک مشورہ یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ جب ارباب جامعہ فیس میں رعایت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس رعایت کا معیار عمر کو بھی قرار دے سکتے ہیں۔ امتحانوں میں شرکت کے لیے مقررہ فارم داخلہ کی خانہ پری ضرور ہوگی جو رجسٹرار کے دفتر سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور ان پر کسی کالج، اسکول یا مدرسہ فارسی و عربی کے صدر مدرس یا کسی ذمہ دار سرکاری افسر کی تصدیق ضروری ہوگی۔ ادیب اور ادیب ماہر کے امتحانوں میں شرکت کے لیے کسی خاص معیار قابلیت کی ضرورت نہیں رکھی گئی ہے۔ صرف ادیب کامل میں وہ امیدوار شریک ہو سکیں گے جنھوں نے ادیب ماہر اردو اعلیٰ قابلیت ہائی پرافیشینسی یا آنرز ان اردو (پنجاب) کامل، دبیر کامل، منشی فاضل، فاضل (الہ آباد یا لکھنؤ)، بی۔ اے (فارسی یا اردو) کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرلی ہو۔ ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کے لیے علاحدہ علاحدہ نصاب مقرر کر دیے گئے ہیں جو تجربے کے بعد تبدیل بھی کیے جاتے

رہیں گے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس جامعہ کو اور زیادہ منظم بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ادیب کے امتحان میں شرکت کے لیے بھی کسی مسلّمہ تعلیمی ادارے کے اعلیٰ عہدہ دار کی کم سے کم غیر رسمی تصدیق ضروری قرار دی جائے اور ساتھ ہی ان مدارس یا اداروں کی ایک فہرست بھی قواعد و ضوابطِ امتحانات میں بطورِ ضمیمہ شامل کر دی جائے یا ان کا ایک معیار قائم کر دیا جائے جن کی تصدیق داخلے کے فارم پر لازمی رکھی گئی ہے۔ اس اصلاح کا اثر نتائج پر بھی اچھا پڑے گا اور جامعۂ اُردو کے امتحانات کو دوسرے سرکاری یا جامعاتی امتحانوں کے مساوی درجہ پر لے آئے گا۔

نصاب اور ضروری قواعد و ضوابط نیز مزید تفصیلات رجسٹرار صاحب جامعۂ اُردو آگرہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

ہمیں یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ جامعۂ اُردو کے اربابِ اقتدار میں ملک کی بعض مشہور ہستیاں شامل ہیں۔ جامعہ کی مجلسِ عاملہ میں پنڈت راج ناتھ کنزرو (آگرہ)، پروفیسر رشید احمد صدیقی (علی گڑھ)، پروفیسر مسعود حسن رضوی (لکھنؤ)، پروفیسر ضامن علی (الٰہ آباد)، پروفیسر مہیش پرشاد (بنارس)، پروفیسر حامد حسن قادری (آگرہ)، ڈاکٹر ذاکر حسین (جامعہ ملیہ)، پنڈت منوہر لال زتشی اور پنڈت کشن پرشاد کول ایسے حضرات شامل ہیں۔ امیر جامعہ رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو ہیں اور نائب امیر جامعہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) ہیں۔ نائب شیخ الجامعہ خان بہادر اختر عادل صاحب اور رجسٹرار پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب ایم۔ اے (صدرِ شعبۂ فارسی آگرہ یونیورسٹی) ہیں۔

(مرسلہ: محمد شناء اللہ خاں رام پوری، خدا بخش فیلو، پٹنہ)

بقیہ "صدارتی خطبات" (صفحہ ۱۷ سے مسلسل):

نہ گجراتی نہ مرہٹی، نہ تلگو، نہ ملیالم، نہ کنڑی۔ اس لیے اُردو والوں کے لیے اس نئی صورتِ حال سے فائدہ اٹھانا مقابلتہً آسان ہے۔"

(خطبۂ صدارت ۱۹۵۴ء)

جامعۂ اُردُو

مشاہیر کی نظر میں

ڈاکٹر ذاکر حسین

○ "جامعۂ اُردُو علی گڑھ خدمتِ اُردُو کے اداروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ادارہ خاموشی اور یک سوئی کے ساتھ اُردو کے امتحانوں کا سارے ملک میں نہایت باضابطگی اور دیانت سے اہتمام کر کے اور ان کے معیار کو بلند سطح پر قائم رکھ کر اُردُو کی ایک اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ .... مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ خدمتِ اُردُو کی تعمیری کوششوں میں جامعۂ اُردو ایک نہایت قابلِ قدر اور مستحقِ ستائش کوشش ہے۔"

('پیام' سے اقتباس)۔

ڈاکٹر سیّد محمود

○ جامعۂ اُردُو نے ..... جو غیر معمولی خدمات زبان و ملک کی انجام دی ہیں، وہ ہمارے شکریے سے بالاتر ہیں۔ وہ خدمات انتھک، بے لوث، مفید اور جاذب ہیں کہ انھوں نے خود بہ خود لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ اُردُو طبقہ خاص طور پر جس قدر

سبھی جامعہ اُردو کا ممنونِ احسان ہو وہ کم ہے۔

("پیغام" سے اقتباس)

پروفیسر رشید احمد صدیقی

○ "جامعہ اُردو ۱۹۳۹ء میں آگرہ میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ منتقل ہوئی۔ یہ زمانہ بڑی یاس و ہراس کا تھا۔ اُردو ______ کے بڑے بڑے ایوان گرنے اور شبستاں بے چراغ ہونے لگے تھے لیکن اس کا علی گڑھ آجانا بہت کامیاب رہا۔ یونیورسٹی کے اساتذہ اور اصحاب کرم اس کی دستگیری کے لیے مل گئے۔ اس سے جامعہ کی ساکھ قائم ہوئی اور اس کی شہرت وسیع تر اور محکم تر ہوتی گئی۔"

("خطبہ" سے اقتباس)

مولانا محمد حفظ الرحمٰن

○ "جامعہ اُردو علی گڑھ نے ...... جس سرعت اور تیزی کے ساتھ ترقی کی ہے وہ موجودہ زمانے کے اداروں کی رفتار کے مقابلے میں حیرت زا بھی ہے اور انتہائی شادمانی و مسرت کا باعث بھی ...... نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ہند تک اس کی شاخوں کا قیام، تعلیمی معیار کی بلندی اور باضابطہ امتحانات کا سلسلہ اور اس میں کامیاب طلبہ کا مختلف یونیورسٹیوں میں قبول کیا جانا بلاشبہ اُردو کے درخشاں مستقبل کا ایک بہترین نشان ہے۔"

("پیغام" سے اقتباس)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

○ "ہمارے ملک میں مختلف ادارے اور سوسائٹیاں ہیں جو اُردو زبان کی خدمت

کسی نہ کسی طرح انجام دے رہے ہیں اس لیے قابلِ قدر ہیں، لیکن جامعۂ اُردو نے . . . .
. . . . اُردو کی جو خاموش مگر نہایت مفید اور ٹھوس خدمت انجام دی ہے وہ کسی ادارے سے نہیں ہوسکی۔ اس ادارے کے امتحانات کے سینٹروں کا جال ملک کے اطراف واکناف میں پھیلا ہوا ہے اور ہر طبقے اور ہر مذہب کے ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں ان امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے اپنی زندگیاں بنا اور سنوار رہے ہیں۔ جس طرح یہ ادارہ اُردو زبان وادب کا مذاق عام کر کے ایک اہم لسانی وادبی خدمت انجام دے رہا ہے، اسی طرح ایک اہم قومی اور وطنی خدمت بھی سجا لا رہا ہے۔ کیوں کہ اس کی کوششوں سے جہالت اور ناخواندگی کا تناسب کم ہورہا ہے۔"

('پیغام' سے اقتباس)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

○ "جامعۂ اُردو کی خدمات اس قدر اظہر من الشمس ہیں کہ ان کو بتانا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ اُردو کے بارے میں اس کی خدمات تعلیم گاہوں سے بڑھ کر ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ اُردو تعلیم گاہوں سے نکالی جارہی ہے، اس کی تعلیم کو جامعۂ اُردو ہی زندہ کیے ہوئے ہے . . . . آئندہ چل کر اُردو کی بقا کا سہرا جن اداروں کے سر ہوگا ان میں جامعۂ اُردو کا ایک ممتاز مقام ہوگا۔"

('پیغام' سے اقتباس)

سید احتشام حسین

○ "ایک ادارے کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ وہ علم وادب کی اشاعت میں اس طرح سرگرم رہے۔"

('پیغام' سے اقتباس)

قاضی عبدالغفار

○ " جامعۂ اُردُو جو مفید اور ضروری کام کر رہا ہے اس کا اعتراف نہ کرنا نا حق شناسی ہوگی۔"

("خط" سے اقتباس)

محمد طاہر فاروقی

○ " جامعۂ اُردُو تاریخِ زبانِ اُردُو کا ایک اہم ورق ہے ..... باوجود بے شمار رکاوٹوں کے .... جامعہ کا اس قدر ترقی کر جانا کوشش پیہم اور اخلاصِ عمل کا شاندار کارنامہ ہے۔"

("پیغام" سے اقتباس)

سیّد سجاد ظہیر

○ " ... جامعۂ اُردُو کی تحریک کی بنیاد رکھنے اور اسے جاری رکھنے اور ترقی دینے والے تمام اراکین اور کارکنوں کو دلی مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اور بالکل غیر سرکاری طور پر اُردُو کی تعلیم کا اتنا اچھا اور وسیع بندوبست کیا جو سال بہ سال روبہ ترقی ہے۔"

("خطبہ" سے اقتباس)

بقیہ " ایک یادگار تقریر" (صفحہ ۴۰ سے مسلسل) :

نہیں ہو جاتا اسی صورت میں ہم بھی اس کو کر پائیں گے۔ اور تبھی ہم آپ کی اور لوگوں کی اس بارے میں مدد کرسکیں گے۔"

(اقتباس)

اربابِ جامعہ
اور
اُردو زبان

پروفیسر رشید احمد صدیقی

○ "...... ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ایک مقتدر اقلیت کی مادری، مذہبی، علمی اور تہذیبی زبان کو جو قطعاً اور کلیتہً ہندوستانی نژاد ہے، حکومت کی طویل ناانصافی اور بے توجہی سے جو شدید نقصان پہنچا اور اقلیتِ مذکور کے گراں قدر ورثے کی جیسی بے وقعتی اور تاراجی ہوئی ہے، حکومت اس کی جلد از جلد تلافی کرے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ معلوم و مخصوص ریاستوں میں ہندی کے ساتھ اُردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے اور ابتدائی درجوں سے لے کر یونیورسٹی کے مدارج تک وہ تمام سہولتیں منظور و فراہم کی جائیں جو معاصر زبانوں کو اتر پردیش اور بعض دوسری ریاستوں میں حاصل ہیں۔"

(خطبہ ۱۹۷۳ء)

پنڈت راج ناتھ کنزرو

○ " اُردو زبان، اپنے مزاج کے اعتبار سے ہندوستان کی بدلتی ہوئی زندگی کا ساتھ دینے کی جیسی صلاحیت رکھتی ہے اس میں جس قدر قوتِ جاذبہ موجود ہے اس میں ہر علم و فن کی خیال کی اصطلاحیں وضع کرنے کی جیسی بے مثال قدرت ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ بات بآسانی کہی جاسکتی ہے کہ اگر نئی نسل کے نوجوانوں میں اسی طرح اُردو کی لگن برقرار رہی تو ہر مخالفت کے باوجود حکومت اُردو کو علاقائی زبان کا درجہ دینے پر مجبور ہو جائے گی۔ اُردو کا مطالبہ ہندوستان کی تہذیب کا فطری مطالبہ ہے .... فطرت اپنا حق منوا کر رہے گی اور اُردو کو علاقائی زبان کا درجہ مل کر رہے گا۔"

(خطبہ ۱۹۵۷ء)

پنڈت آنند نراین مُلّا

○ " ..... آج سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ ہے کہ محبانِ اُردو متفق اور منظم ہو کر مخالف قوتوں کا مقابلہ کریں، کیوں کہ اگر اس وقت یہ لڑائی نہ لڑی گئی تو سمجھو کبھی نہ لڑی جاسکے گی .... جب کسی گروہ میں ہمت اور غیرت باقی نہیں رہتی اس وقت اس کا مضبوط سے مضبوط اور جائز سے جائز حق بھی آسانی سے ٹھکرایا جاسکتا ہے، کیوں کہ دنیا صرف زندہ انسانوں کے حقوق کی پاس داری کرتی ہے اور مُردوں کا صرف دو گز زمین میں دفن ہونے کے علاوہ اور کوئی حق نہیں ہوتا۔"

(خطبہ ۱۹۶۴ء)

ڈاکٹر رفیق زکریا

○ " اُردو دنیا کو عام طور پر اور جو لوگ اس زبان و ادب کی زندگی، حفاظت

اور آبیاری میں مصروف ہیں انھیں خاص طور پر یہ علم اور احساس ہے کہ پچھلے آٹھ سال میں سیکڑوں مشکلات کے باوجود اُردو کے لیے جتنا کچھ سرکاری پیمانے پر ہوا ہے اتنا پہلے ...... نہیں ہوا تھا۔ یہ سوال جو تقسیم ہند سے پہلے فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر گیا تھا اب اسے قومی پیمانے پر حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

(تقریر ۲۱ مارچ ۱۹۷۴ء)

جناب مالک رام

○ "ملک کی تقسیم غلط بنیاد پر ہوئی، لیکن ایک اور افسوسناک بات یہ ہوئی کہ اس ہیجانی دور میں جب کہ جذبات سخت مشتعل ہو چکے تھے صریح اور واضح حقیقتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اُردو کو محض اپنے رسم الخط کی بنا پر مسلمانوں کی زبان ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بات سب بھول گئے کہ یہ زبان ہندوؤں نے بنائی تھی، مسلمان اسے باہر سے ساتھ نہیں لائے تھے۔ یہ حقیقت بھی نظرانداز کر دی گئی کہ اس زبان کے علم و ادب کی رونق اور رنگینی میں ہندو مصنفوں اور شاعروں کا بھی اتنا ہی خون شامل ہے جتنا مسلمانوں کا۔"

(خطبہ ۱۹۶۶ء)

پروفیسر مسعود حسین خاں

○ "ہمارا سیاسی پروگرام فی الحال صرف ایک ہونا چاہیے، یعنی اس زبان کو اس کا حق دلوانا، کہیں مراعات کی شکل میں اور کہیں دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے۔ ہمارے بعض دوست دوسری سرکاری زبان کی مانگ سے سراسیمہ رہتے ہیں ...... آخر بہار میں اسے دوسری سرکاری زبان بنانے کے بعد آسمان تو نہیں ٹوٹ پڑا کہ اُتر پردیش میں اس کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے پر ہندی کے لیے خطرہ لاحق ہو جائے گا۔"

("اُردو اور الکشن" سے اقتباس)

○ "۔۔ غرض کہ ہندوستان میں اُردو زوال کی راہ پر بھرپور قدم رکھ چکی ہے۔ اس راہ سے بازگشت کے لیے زبردست تنظیم، عمل اور جذبۂ ایثار کی ضرورت ہے، اس ایقان کے ساتھ کہ مُردہ زبانیں بھی زندہ ہو جاتی ہیں، اس پیمان کے ساتھ کہ اُردو کو بعض ریاستوں میں ہم اس کا سرکاری حق دلا کر دم لیں گے، اس ایمان کے ساتھ کہ مادری زبان ہمارا پیدائشی حق ہے۔"

(اُردو کا المیہ، ص ۴ – ۱۳۲)

○ "۔۔۔۔۔ اُردو کو اتر پردیش، بہار، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، میسور اور دہلی میں دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔۔۔۔۔ ثانوی سرکاری زبان تسلیم ہو جانے کے بعد ہی ہم ان ریاستوں میں اُردو کے متوازی نظام تعلیم کی قانونی مانگ پیش کر سکتے ہیں۔"

(اُردو کا المیہ، ص ۶ – ۱۴۵)

○ "۔۔۔۔۔۔ کوئی زبان مشاعرے اور فلم کے بل بوتے پر زیادہ دور یا دیر تک نہیں چل سکتی، اور نہ کوئی زبان بولی کی سطح پر زندہ رہ کر زبان ہونے کی دعویدار ہو سکتی۔ برج بھاشا، اودھی، ہریانی اور دکنی آج بھی زندہ بولیاں ہیں لیکن ان میں سے کسی پر زبان کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ ان کا اعلیٰ سطح پر استعمال مفقود ہو چکا ہے۔ اُردو کو زبان کے منصب پر فائز رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نظامِ تعلیم کی ابتدائی مدارج سے یونیورسٹی کی سطح تک تنظیم کی جائے۔"

(اُردو کا المیہ، ص ۶۷ و ۶۸)

○ "میں نے ۔۔۔۔ اُردو سے متعلق جو مضامین لکھے ان میں بار بار کہا کہ تاریخ کے بعض ادوار میں زبان، عقیدے سے بھی زیادہ کسی جماعت کے تشخص اور بقا کے لیے اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود اُردو والے اپنے لیے اس کو ایک 'قدر' تسلیم کریں۔ جب یہ ان کے لیے 'قدر' کا حکم رکھے گی تو اس کی تعلیم و ترویج ان کا وظیفہ بن جائے گا۔ اُردو کے زوال کی ذمہ داری کچھ اغیار پر ہے،

(باقی صفحہ ۷۶ پر)

اردو کے بارے میں

ایک یادگار تقریر

۲ر مارچ ۱۹۷۴ء کو دہلی میں منعقدہ ایک خصوصی جلسۂ تقسیم اسناد میں آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی (وزیرِ اعظم ہند) کو جامعۂ اُردو کی جانب سے "دکتورِ ادب" کی اعزازی ڈگری پیش کی گئی۔ اس موقع پر انھوں نے جو تقریر کی اس کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔ (مدیر)

"..... اُردو ہندوستان کی ایک اہم زبان ہے۔ اور اس زبان نے ہمارے ملک کے آئین اور عوام کے دلوں میں عزت کا مقام پایا ہے۔ مجھے اُردو سے لگاؤ ہے ..... ہماری تہذیب میں علاقائی، سماجی اور لسانی رجحانات کو اپنے اندر سمونے کا مادّہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب کے پھیلاؤ کی نمائندگی، اُردو دوسری زبانوں سے زیادہ کرتی ہے۔ اُردو صرف ایک حصّے کی ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی زبان ہے۔ یہ ملک کے بہت سے حصّوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اُردو الفاظ ہماری دوسری زبانوں میں بہت زیادہ تو ہیں ہی، اُردو میں دوسری زبانوں خاص طور سے فارسی اور عربی کے بھی کافی الفاظ ہیں جو فرقہ پرست اُردو کو مسلمانوں کی زبان بتاتے ہیں وہ اس سے بڑی ناانصافی کرتے ہیں۔ اُردو ہندوستان

کے سیکولرزم کی زبان ہے۔ ہندوستان کی ہر زبان میں مذہبی موضوعات پر بہت کچھ کہا گیا ہے اور اُردو ادب بھی اس سے مالامال ہے لیکن اُردو ادیبوں نے سیکولرزم کی طرف خاص دھیان دیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس خوش اسلوبی کے ساتھ اُردو نے اس طرز کو نبھایا ہے اور جس خوب صورتی اور محاورے کے ساتھ اس نے اس موضوع کو اپنایا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اُردو ہمیشہ سے ہی ایک شائستہ، پُراثر اور رنگین زبان رہی ہے۔ یہ زبان درباروں کی گود میں نہیں پلی بلکہ اس نے عام لوگوں کی بولی کی شکل میں بازاروں اور چھاؤنیوں میں پرورش پائی۔ جب تک اُردو عام لوگوں سے اپنا رشتہ قائم رکھے گی اس کا مستقبل ہمیشہ محفوظ ہے۔

اُردو کے لیے تھوڑی بہت خدمت کرنے کی کوشش ہم سب کر رہے ہیں لیکن اگر آپ سمجھیں کہ صرف جو میں کرسکتی ہوں یا بھارت سرکار کرسکتی ہے یا گجرال صاحب کرسکتے ہیں یا دوسرے جو بزرگ یہاں بیٹھے ہیں وہ کرسکتے ہیں تو یہ سچ نہ ہوگا۔ کچھ قانون بن جائیں یا یہاں سے کچھ ہدایات بھیجی جائیں وہ ایک شروعات ضرور ہے اور ایک اچھی شروعات ہے لیکن اس سے کام ختم نہیں ہوتا عمل کیا ہوگا یہ پورے طور سے ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کتنے ہی زور سے ہم اعلان کریں یا کتنی ہی کوشش کریں اور یہ بات صرف اُردو ہی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کوئی بھی پروگرام جو ہوتا ہے اس پر عمل لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں جو وہاں رہتے ہیں اگر ہر وقت وہ اس کام کو آگے بڑھانے میں لگے رہیں تبھی جاکر کوئی کام بڑھ سکتا ہے۔ یہ ذمّہ داری ہماری ضرور ہے۔ بہت بڑی ذمّہ داری ہے۔ ہماری ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کی بھی ذمّہ داری ہے، ہماری پارٹی کی ذمّہ داری ہے لیکن اتنی بڑی ذمّہ داری عوام کی ہے۔ عوام جب سوچتے ہیں کہ دوسرا کوئی کام کرے گا تب وہ کام کبھی پورا نہیں ہوتا۔ جب ان کو یہ خیال آئے گا کہ یہ کام ہم کو کرنا ہے اور ہم کو اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھنا ہے جب تک کہ یہ پورا

(بقیہ صفحہ ۴۳ پر)

صدارتی خطبات

(جامعۂ اردو)

چند اقتباسات

پروفیسر رشید احمد صدیقی

○ "..... اردو کو علی گڑھ سے علاحدہ نہ رکھتا ہوں نہ چاہتا ہوں۔ دونوں میں ایک واضح تاریخی، تہذیبی اور جذباتی ربط محسوس کرتا ہوں جن کو مسخ کر دینے یا مٹا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے ..... اردو تنہا وہ زبان ہے جس نے تمام علاقائی موانع سے باہر اور بے نیاز ہو کر تاریخ میں پہلی بار ہندوستان کو لسانی اتحاد، جغرافیائی وحدت اور بیرون ملکی رشتہ سے آشنا کیا۔ یہ اس کے جمہوری نژاد ہونے کا فیضان ہے کہ آج وہ ان موانع اور محرومیوں کے باوجود جو اس پر تقریباً چوتھائی صدی سے عائد ہیں صرف اپنی خدمات اور خوبیوں کی بنا پر ہر طرف مقبول و محترم ہے۔

.... ایک مدت تک کسی مخالفت کے بغیر اردو ہر سطح پر ہر مذہب و ملت کی تحریک و تنظیم کی اشاعت میں تصانیف، رسائل اور اخبارات کے ذریعہ معین ہوتی رہی۔ آج بھی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر مسلم مذاہب کی ترویج و

اشاعت کی جو خدمات اُردو نے انجام دی ہیں وہ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں سے کسی ایک کے بھی حصے میں نہیں آئیں۔ اُردو کے اس طویل سفر میں جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہیں کوئی قابلِ لحاظ مزاحمت پیش نہیں آئی تھی بلکہ یہ شمالی ہند کی سب سے مقبول اور کارآمد زبان مانی جاتی تھی۔ انگریزی کے ساتھ سرکاری زبان بھی مانی جاتی تھی۔

...... کیسے وقت اور کس عالم میں سرسید نے آج سے بہت پہلے اس اندیشہ کو ظاہر کیا تھا کہ اُردو ہندی کا مناقشہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے نامبارک ثابت ہوگا اور ایک دوسرے سے مشتبہ و منحرف رہنے کی خلیج بن جائے گا۔ کیسی محرومی اور بدنصیبی ہے کہ انسانیت اور آزادی کے دور میں یہ خلیج ختم ہو جانے کے بجائے وسیع ہوتی جا رہی ہے اور کیسی عبرتناک ہے یہ صورتِ حال کہ اس خلیج کو جوں کا توں رکھنے پر بعض سماج دشمن عناصر و عوامل اپنی سیاسی اہمیت باقی و برقرار رکھنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

.... اُردو کی تائید و توصیف یا تعزیت میں سیاست کے سقراط یا سکندر جو کلمات ارشاد فرماتے رہتے ہیں وہ سر آنکھوں پر، لیکن اس طفل تسلی یا تضییعِ اوقات کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اُردو کو دوسری زبان کی حیثیت ایسی ریاستوں میں نہیں دی جاتی جہاں اُردو سے کام لینے والوں کی کثیر اور قابلِ لحاظ تعداد پائی جاتی ہے۔ اس کے بغیر نہ اُردو محفوظ ہے نہ ترقی کر سکتی ہے۔ نہ ان لوگوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہے جو اس سے فائدہ اٹھانے کے پورے طور پر مستحق ہیں۔

..... آج اپنی لڑکیوں کو مشورہ ہی نہیں دوں گا ان سے مطالبہ کروں گا کہ وہ موجودہ رسم خط کو اپنائیں جو رسم خط ہی نہیں مصوری اور نقش گری کا بڑا دلکش تاریخی اور مبارک تحفہ ہے اور ایسی اچھی اور بڑی باتوں کی یاد دلاتا رہتا ہے جن کے طفیل ہم نے تاریخ میں نیک نامی اور ناموری حاصل کی ہے۔ لڑکیوں کو خوش خطی کی مشق بہم پہنچانی چاہیے اس لیے کہ ان کا خط بالعموم کچا ہوتا ہے۔

یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ لڑکیوں کا خط عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے، ایسا کیوں نہیں کہ بالعموم اچھا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک لڑکیوں کے لیے خوش خط ہونا سامانِ آرائش وزیبائش ہی نہیں، ایک گراں قدر ہنر بھی ہے۔ خدا کی دی ہوئی نعمت (حسن) پر اس کا شکر گزار ہونا چاہیے، لیکن حاصل کیے ہوئے ہنر مثلاً خوش نویسی پر فخر کرنا بھی "عالمے دارد"۔ اپنے رسم خط کو میں اپنی لڑکیوں کی امانت اور حفاظت میں دینا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ مادری زبان کی مانند رسم خط کا تحفظ اور احترام بھی ان کی ذمہ داری ہے جس کو وہ سب سے بہتر طور پر انجام دے سکتی ہیں۔

..... آخر میں ایک بڑے اہم مسئلے کی طرف اپنی لڑکیوں کی توجہ مائل کرانا چاہتا ہوں .... وہ مسئلہ ہے اُردو کو مادری زبان کی حیثیت سے محفوظ رکھنے اور ترقی دینے کا فریضہ تمام ماؤں کی ذمہ داری ہے .... مادری زبان سے متعلق ماؤں کا جو رول ازل سے چلا آرہا ہے جب معلم بھی موجود نہ تھے۔ چاہتا ہوں کہ مائیں اس کا لحاظ رکھیں۔ بچے کو مکان سے باہر جتنی زبانیں، علوم اور ہنر سیکھنے پڑیں، گھر کے اندر ماں کے سایۂ شفقت میں اُردو ان کو اس طرح سیکھنی پڑے گی جیسا کہ سیکھنے کا حق ہے۔"

(خطبۂ صدارت ۱۹۷۲ء)

سید سجاد ظہیر

○ "...... ہندوستانی قوم نے برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کی جدوجہد اسی لیے جاری کی تھی تاکہ ہم اس شدید استحصال سے نجات پا سکیں جس کے نتیجے کے طور پر ہم بحیثیت مجموعی مفلسی، جہالت اور پس ماندگی کا شکار ہو گئے تھے اور جس کے اثر سے ہماری مخصوص قومی تہذیب و ثقافت کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ غلامی کے اس استحصالی نظام کی جگہ ہندوستانی آزادی کے بعد ایک ایسا نظامِ حیات قائم کرنا چاہتے تھے جس میں جمہوریت اور مساوات

ہو۔ حکمرانی عوام کے ہاتھوں میں اور ان کی رائے اور مرضی کے مطابق ہو۔ نسل، ذات پات اور فرقہ پرستی کی بنا پر انسانوں میں تفریق نہ کی جائے۔ زرگری اور سرمایہ داری کے ذریعے سے ایک انسان دوسرے انسان کی قوت و محنت کا استحصال نہ کر سکے، قومی دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ اور نظامِ معیشت، منصوبہ بندی اور جدید سائنس اور ٹکنالوجی کے وسائل و ذرائع کو استعمال میں لاکر انفرادی نفع اندوزی کے لیے نہیں بلکہ محنت کش عوام کی بھلائی کے لیے ہو۔ لیکن آپ اور میں سب یہ جانتے ہیں کہ آزادی کے ۲۵ برس میں معاشرے کے بہت سے شعبوں میں ترقی کے باوجود ہندوستان کے لوگ ابھی تک اپنی اس منزلِ مقصود سے بہت دور ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں اُردو والوں کی حق تلفی یعنی سرکار کی طرف سے اُردو کی تعلیم، ترویج اور ترقی کا مناسب انتظام نہ ہونا اور اس طرح سے یہاں کی آبادی کے معتدبہ حصّہ کو اس کے ایک بنیادی حق سے محروم رکھنا دراصل ہماری سیاست اور ہماری معاشرت کی اس وسیع تر خامی اور خرابی کا ایک جزو ہے جس کے سبب سے ہماری قوم کا ایک بہت بڑا حصّہ عسرت اور فلاکت کے ماحول میں زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوانوں کی بڑی تعداد بے روزگاری کا شکار ہے۔ ہماری معیشت پر بداخلاق اور ضمیر باختہ لالچی منافع خوروں کا غلبہ ہے اور خود غرضی اور نفسی نفسی کی اس پُر آشوب اور الم ناک فضا میں تہذیب، شرافت اور انسانیت کی بہترین اقدار کا قلع قمع ہو رہا ہے۔

.... میں نے تقریر کے شروع میں آپ سے یہ عرض کیا تھا کہ ہمارے ملک میں اُردو زبان کی بقا اور اس کی تعلیم، ترویج اور ترقی کا مسئلہ ہمارے وسیع تر سیاسی اور معاشرتی مسائل سے علاحدہ کرکے نہ دیکھا اور نہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اسے ان مسائل سے علاحدہ کرکے حل کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے بہت بڑا مسئلہ ان کے روزگار کا ہے۔ ظاہر ہے

ظاہر ہے کہ ہر ہندوستانی نوجوان کو، خاص طور پر اگر وہ تعلیم یافتہ ہے نظام معیشت میں اس کی صلاحیت کے مطابق کام ملنا چاہیے۔ اور ان کے ساتھ کسی قسم کی ناجائز تفریق برتی نہ جانی چاہیے۔ لیکن پورے طور پر یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری معیشت کا ڈھانچا سرمایہ دارانہ استحصالی ڈھانچہ کو ترک کر کے صحیح طور پر عوامی اور جمہوری بنایا جائے۔ یہ ایک خوش آئند حقیقت ہے کہ گذشتہ دو تین برسوں میں ان فرقہ وارانہ اور رجعی قوتوں کو کسی قدر پسپا ہونا پڑا ہے جو بربنائے تعصب اُردو کی مخاصمت پر آمادہ رہتی تھیں۔ حال میں حکومت ہند اور بعض ریاستی حکومتوں نے اُردو کے سلسلے میں چند ایسے قدم بھی اٹھائے ہیں جن سے اُردو کو فائدہ پہنچا ہے۔

.... لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ابھی تک اُردو کے لیے جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے وہ ناکافی ہے۔ یہ سیدھا سادا جمہوری مطالبہ کہ اُردو بولنے والوں کے بچوں کے لیے بغیر کسی رکاوٹ کے اُردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا سرکاری طور پر بندوبست ہو اور اُردو میں اعلیٰ تعلیم کی راہیں اسی طور سے کھولی جائیں جیسے کہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے لیے کھولی جا رہی ہیں۔ ابھی تک صاف طور سے اُردو کے خاص علاقوں میں نہ یہ منظور ہوا ہے اور نہ اس کے پورا کرنے کے لیے تمام ضروری قدم اٹھائے گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں ان مطالبات کو حل کرنے کی جد و جہد مسلسل جاری رکھنی چاہیے کہ اُردو کے مطالبے کی حمایت ہندوستان کے تمام غیر اُردو جمہوری عوام، گروہ اور افراد سبھی کریں۔

.... آخر میں جامعۂ اُردو کی تحریک کی بنیاد رکھنے والوں اور اسے جاری اور ترقی دینے والے تمام اراکین اور کارکنوں کو اپنی دلی مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ انھوں نے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اور بالکل غیر سرکاری طور پر اُردو کی تعلیم کا اتنا اچھا اور وسیع بندوبست کیا جو سال بہ سال روبہ ترقی ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اپنے مخلص محسنوں کی مدد کریں۔ ان کے ضروری کاموں

میں ان کا ہاتھ بٹائیں ۔ زبانِ اُردو کی ترویج ہمیں بتاتی ہے کہ اُردو اس ملک میں سرکاری مدد اور سرپرستی کے بغیر پیدا ہوئی، باقی رہی اور ہندوستانی عوام میں مقبول ہوئی ۔ موجودہ جمہوری دور میں اُردو کو وہ تمام سرکاری امداد ضرور ملنی چاہیے جس کی وہ حق دار ہے ۔ لیکن یہ مدد ملے یا نہ ملے ۔ ہم اُردو والے اپنے اجتماعی اور انفرادی فرض سے اسی وقت سبکدوش ہو سکتے ہیں جب کہ ہم خود اپنے فرائض بھی عملی طور سے پورے کریں اور اُردو کی بقا اور ترقی کے لیے مسلسل کوشاں رہیں "

(خطبۂ صدارت ۱۹۷۲ء)

ڈاکٹر سیّد عابد حسین

○ ..... اُردو کے لیے دراصل اس کا کوئی بڑا خطرہ نہیں ہے کہ وہ بول چال اور شعر و ادب کی زبان کی حیثیت سے مٹ جائے گی اور جتنا خطرہ ہے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے اُردو کے تعلیمی ادارے جن میں جامعہ اُردو نمایاں مقام رکھتی ہے بہت کافی ہیں ۔ بھیانک خطرہ دراصل یہ ہے کہ جب اُردو زبان اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ نہیں رہا اور اس میں اونچی سطح کی علمی کتابوں کا لکھنا قریب قریب ختم ہو گیا ہے تو اس کی علمی حیثیت جو کچھ باقی ہے وہ بھی روز بروز گرتی جائے گی اور اسی حیثیت سے اہلِ اُردو کی ذہنی سطح پست ہوتی چلی جائے گی ۔ اس درگت سے بچنے کے لیے اربابِ نظر اُردو یونیورسٹی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں ۔ یہ سوال اس وقت سے اور بھی اہم ہو گیا ہے جب کہ قریب قریب سارے ملک نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی طرح اعلیٰ تعلیم بھی ہر علاقے کے لوگوں کو ان کی زبان میں دی جائے اور یہ بھی طے ہو گیا ہے کہ پبلک سروس کمیشنوں کے امتحان رفتہ رفتہ انگریزی کے بجائے ان ہندوستانی زبانوں میں ہوا کریں گے جن کا ہمارے آئین کے ضمیمے میں ذکر ہے ۔ اہلِ اُردو کو یہ سوچنا ہے کہ جب تک

اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ انگریزی تھی جو سب ہندوستانیوں کے لیے غیر زبان کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے ذہنی سطح پر جو نقصانات بھی پہنچتے ہوں عملی سطح پر اہلِ اُردو کو یہ آسانی تھی کہ وہ تعلیم میں، علمی پیشوں میں، سرکاری ملازمتوں کے امتحانوں میں دوسروں کے ساتھ برابری سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن آئندہ چند سال میں جب دوسری زبانوں کے لوگ اپنی اپنی مادری زبانوں کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گے اور اس کے ذریعہ مقابلے کے امتحانات دیں گے تو اُردو بولنے والے ان کے سامنے کیسے ٹھہر سکیں گے۔

.... غرض اب اہلِ اُردو کے اس طبقہ کے لیے جو اعلیٰ تعلیم پانا، اونچی سرکاری ملازمتیں حاصل کرنا، یا علمی پیشے اختیار کرنا چاہتا ہے اُردو یونیورسٹی کا قائم ہونا محض ذہنی اور تہذیبی ضرورت نہیں رہا بلکہ تعلیمی اور معاشی ضرورت بن گیا ہے اور ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے کہ اس کے قایم کرنے کے لیے کیا قدم اٹھائے جائیں....''

(خطبۂ صدارت ۱۹۷۱ء)

جناب حیات اللہ انصاری

○ ''.... جامعۂ اُردو کی چڑھتی ہوئی جوانی دیکھ کر اُردو کی طرف سے کون مایوس ہو سکتا ہے۔ جامعۂ اُردو کے امتحانوں میں شریک ہونے والوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ نئے نئے مرکز کھلتے چلے آرہے ہیں۔ ان کی وجہ سے نصابی کتابوں کی مانگ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ امتحانوں کے لیے کوچنگ کرنے والے ٹیچروں کا بھی۔ جو لوگ اس ادارے کے امتحانوں میں کامیاب ہوتے ہیں ان میں سے کچھ لوگوں کو کتابوں اور اخباروں کا شوق ہوتا جاتا ہے۔ اس طرح اُردو کی دنیا وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

.... میں اُردو کی ترقی کی طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوا ہوں۔ البتہ جو

لوگ اُردو کی طرف سے مایوسی کی باتیں کرتے ہیں ان کی طرف سے ضرور مایوس ہو جاتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم کو حکومت نے وہ حقوق نہیں دیے جن کے ہم مستحق تھے۔ اس وجہ سے ہماری راہ کی رکاوٹوں کا کچھ قدر بڑھ گیا اور کچھ نئی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں لیکن یہ رکاوٹیں نہ تو اتنی بڑی ہیں اور نہ اتنی زیادہ ہیں جتنی دیکھنے میں نظر آتی ہیں۔ اب دیکھیے کہ آج کتابیں پہلے سے زیادہ چھپتی ہیں اور زائد بکتی ہیں۔ یہی حال اخباروں کا ہے ان کی حالت بھی ہر لحاظ سے پہلے سے اچھی ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ پہلے جتنے طالب علم اُردو لے کر ہائی اسکول میں بیٹھتے تھے اب ان کی تعداد دگنی تگنی ہو گئی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ تناسب کے لحاظ سے اگر پہلے وہ تیس چالیس فی صدی ہوتے تھے تو اب دس فی صدی یا اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ یعنی تعلیم کا جو بے پناہ اضافہ ہوا ہے اس میں سے ہم کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ یہ ایک رکاوٹ ضرور ہے اور بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو یقین ہے کہ جمہوریت سوشلزم اور سیکیولرزم زمانے کی ایسی مانگیں ہیں جن سے مفر نہیں۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ان زبردست طاقتوں کا ملک پر ضرور تسلط ہو جائے گا اور یہ اپنے ساتھ جو یقین لے کر آئیں گی ان میں سے ایک یہ بھی ہو گی کہ لسانی تعصب ختم ہو جائے گا۔

..... ہندوستان میں دو ریاستیں ایسی ہیں جن میں سے ایک کی سرکاری زبان اُردو ہے اور دوسری میں اُردو کی تعلیم لازمی ہے۔ پہلی ہے ریاستِ کشمیر اور دوسری ہے ہماچل پردیش۔ ان دونوں ریاستوں کے اندر چھ چھ اور سات سات زبانیں بولی جاتی ہیں صرف اُردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو مشترکہ زبان کا کام دیتی ہے۔ اس وجہ سے اُردو کا مقام کچھ ایسا ہے کہ اس کو گھٹانا ممکن نہیں البتہ ایک بات ضرور ایسی ہے جس کا تذکرہ کرنا اس جگہ ضروری ہے وہ یہ کہ اُردو زبان اور ادب کا حلقہ اس کے رسم خط سے بہت زیادہ بڑا ہے۔ ایسے لوگ بے حد ہیں جو اُردو بولتے ہیں اور اُردو اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہیں مگر

اردو رسم خط سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ جب بھی اُردو کی ترقی کا سوال اٹھے تو ہم کو اس طبقے کو نہ بھلانا چاہیے اور ان لوگوں کو اُردو کی محفل کا اہم حصہ سمجھتے رہنا چاہیے اور ان کے لیے اُردو کی عام فہم اور دلچسپ کتابوں کو دیوناگری میں شائع کرنا چاہیے۔

..... ابھی تک اُردو کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا اس کو صرف مراعات اور سہولتوں پر ٹرخایا جارہا ہے اور وہ عملی طور پر نہیں ملی ہیں۔ اسکولوں میں اردو پڑھنے والوں کو بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

..... بہت سے اسکولوں نے اُردو طالب علموں کے مطالبوں کے باوجود اُردو ٹیچر نہیں رکھا اور ان کی اُردو تعلیم کا بندوبست نہیں کیا۔ اُردو میں درخواست لے کر اگر کسی محکمے میں جاؤ تو عام طور سے بے دلی سے اس کو قبول کیا جاتا ہے جہاں معاملہ عام طور سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اُردو کا سہارا لوگے تو ڈوب جاؤ گے۔

..... یہ ہیں وہ حالات جن کے خلاف ہم کو لڑنا ہے لیکن لڑنے وہی لوگ ہیں جو دل میں یقین اور خود اعتمادی اور قربانی لے کر چلتے ہیں۔ نہ کہ وہ لوگ، جو دل میں مایوسی اور لبوں پر آہیں اور آنکھوں میں آنسو لے کر میدان میں اترتے ہیں اُردو والوں کے لیے لڑنے کے دو میدان ہیں۔ ایک میدان تو ہے حکومت سے اپنے جائز حقوق کا مسلسل مطالبہ کرنا اور دوسرا میدان یہ ہے کہ جس طرح کی تعمیری جدوجہد جامعہ اُردو کر رہا ہے اس طرح کی جدوجہد متعدد میدانوں میں شروع کی جائے اور اُردو کو مضبوط سے مضبوط تر اور مقبول سے مقبول تر بنایا جائے۔"

(خطبہ صدارت ۱۹۷۰ء)

جناب محمد یونس سلیم

○ ..... کوئی زبان محض شعر و افسانے کے بل بوتے پر وقعت اور عزت

حاصل نہیں کر سکتی۔ زبان کے وقار میں اضافہ صرف علم وفن اور سائنس اور ٹکنالوجی کی کتابوں کی بدولت ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے جہاں تک ہماری زبان کا تعلق ہے گذشتہ بیس برس کے زمانے میں بھی سنجیدہ موضوعات تصنیف و تالیف نمایاں طور پر نظر انداز ہوئے ہیں۔ بلامبالغہ علم وفن کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں انقلاب نہ آیا ہو۔ ایک ایک موضوع کئی کئی شاخوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور آج ان میں سے ہر ایک کی شاخ کو اپنی جگہ ایک مستقل علم وفن کا مقام حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن افسوس اور حسرت کا محل ہے کہ ہمیں ان علوم سے متعلق اُردو میں کوئی معلومات نہیں مل سکتیں۔ اگر ہم اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہیں تو ہمیں مغربی زبانوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ انجمن ترقی اُردو نے آزادی سے قبل بہت متنوع اور گوناگوں موضوعات سے متعلق کتابیں شائع کی تھیں لیکن اس نئے دور میں اس کی توجہ بھی زیادہ تر شعر و ادب ہی پر مرکوز رہی ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں سے بھی کوئی قابلِ ذکر علمی کتاب شائع نہیں ہوئی۔

۔۔۔۔ جامعۂ اُردو نے اُردو کا پرچم بلند رکھنے میں بہت ہی مفید اور قابلِ قدر و لائقِ ستائش کام کیا ہے۔ اس جامعہ نے ہمارے لاکھوں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے دل میں اُردو پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کر دیا ہے۔ ہر سال ہزاروں طلبہ اس کے امتحانوں میں بیٹھتے ہیں اور جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں انھیں سندیں دی جاتی ہیں، لیکن وقت آگیا ہے کہ اب جامعہ اپنی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کرے اور محض امتحانوں ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ درس و تدریس کے کام کی ذمّہ داری قبول کرے۔

۔۔۔۔ اُردو والے صرف یہ چاہیں کہ جس طرح بنگالی، گجراتی، تامل، تلنگی، مرہٹی، پنجابی اور دوسری علاقائی زبانوں کی تعلیم و تدریس اور ترقی و ترویج کے راستے میں کوئی روڑا نہیں اٹکایا جاتا۔ اسی طرح کا سلوک اس کے ساتھ

بھی کیا جائے اور اس کی ترقی و ترویج کی راہیں مسدود کرنے کے لیے جو ناپاک کوششیں ایک سوچے اور سمجھے ہوئے منصوبے سے ساتھ کی جاتی ہیں ان سے گریز کیا جائے۔ ہر انصاف پسند حکومت کا فرض ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی اُردو کی تعلیم اور ترقی میں کوئی رکاوٹ پیش آئے حکومت اُسے دور کرنے میں مدد دے اور ایسے تمام ملک و قوم دشمن عناصر کا پوری قوت کے ساتھ استیصال کرے جو اپنے تعصب اور تنگ نظری کے جنون میں مبتلا ہو کر اتحاد و اتفاق اور قومی یک جہتی کی بنیادوں کو ہلا دینے پر تلی ہوئی ہوں لیکن افسوس ہے کہ بعض ریاستوں میں اس کے بالکل خلاف ہو رہا ہے۔"

(خطبۂ صدارت ۱۹۶۹ء)

سید مسعود حسن رضوی ادیب

○ ..... ہندوستان مختلف نسلوں، قوموں، مذہبوں اور تہذیبوں کا سنگم ہے۔ یہاں کسی ایسی تہذیب کو جو کسی ایک جماعت سے مخصوص ہو دوسری جماعتوں پر ان کی مرضی کے خلاف عائد کرنا بدگمانیوں اور نزاعوں کا باعث ہے اور متحدہ قومیت کا ارتقا ایک ایسی مشترک تہذیب کے بغیر ممکن نہیں جو مختلف تہذیبوں کے عناصر سے مرکب ہو۔ ایسی مخلوط تہذیب ہندوستانیوں، عربوں، ترکوں اور ایرانیوں کے مدت دراز کے میل جول سے وجود میں آچکی ہے اور اُردو اسی مخلوط تہذیب کی پیداوار اور اسی کی روایتوں کی حامل ہے۔ اس کا یہی تہذیبی پس منظر اس کا مقتضی تھا کہ اس میں ہندی لفظوں کے ساتھ عربی، فارسی، ترکی الفاظ ملے جلے ہوں۔ مختلف قوموں کے لفظوں کی یہ آمیزش تاریخی اسباب کے ماتحت فطری طور پر عمل میں آئی تھی۔ اب ملک کی زبان سے تمام غیر ملکی الفاظ کا نکالنا تاریخ کو جھٹلانے کی کوشش کرنا ہے۔"

(خطبۂ صدارت ۱۹۶۵ء)

جناب بی. گوپال ریڈی

○ ..... ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ اُردو کا وہ مقام جو آزادی سے پہلے تھا اب نہیں رہا۔ آج سے کوئی بیس سال پہلے دہلی، پنجاب، اتر پردیش اور بہار میں تقریباً ہر مہذب شخص اُردو سے واقف تھا تعلیم کی خاطر خواہ سہولتیں نہ ہونے کے باعث اس نسل کے بہت کم لوگ فارسی لپی میں اُردو پڑھ رہے ہیں۔ پنجاب میں پچھلی نسل کے تقریباً تمام مرد چاہے سکھ ہوں یا ہندو اُردو پڑھتے تھے لیکن اب کوئی تین فی صدی طلبہ پنجاب میں اُردو میٹرک کرتے ہیں۔ اس حساب سے اُردو کا مقام اب سے ۲۰ سال بعد کیا ہوگا؟ ایک غور طلب مسئلہ ہے۔

(خطبہ صدارت ۱۹۶۱ء)

مولانا حفظ الرحمٰن

○ "... اب ملک میں اُردو کے حق میں فضا ہموار ہو چکی ہے۔ کل تک جو لوگ اس زبان کے وجود تک کے منکر تھے۔ وہ آج اس کی محبوبیت اور ہمہ گیری کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہ اس تعمیری اور مثبت جد و جہد کا نتیجہ ہے جو اُردو کے حامی گذشتہ دس سال سے کر رہے ہیں۔ جد و جہد کی یہی خصوصیت ہے جس نے اُردو کو مقبول بنایا ہے اور اس کے کاز کو آگے بڑھایا ہے۔ ہمیں اُردو کے مسئلے پر تعمیری، ٹھوس اور عملی اندازِ فکر سے غور کرنا چاہیے۔

..... ہمیں کامل یقین ہے کہ اُردو کے ساتھ انصاف ہو کر رہے گا اور وہ دن دور نہیں جب اس کو دلّی، یوپی، بہار، پنجاب اور آندھرا کی علاقائی زبان تسلیم کر لیا جائے گا۔

جامعہ اُردو آج ہندوستان میں اُردو کی سب سے زیادہ ٹھوس خدمت

کر رہا ہے۔ اس ادارے نے اُردو کی مقبولیت کے حلقوں کو نہ صرف وسیع کیا ہے بلکہ فکر و عمل کی ایک نئی مضبوط اور تعمیری راہ تخلیق کی ہے۔"

(خطبہ صدارت ۱۹۵۹ء)

ڈاکٹر سید محمود

○ "... میں بلا خوفِ تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ جامعۂ اُردو کے طریقۂ کار اور اس کے اصول نہ صرف اُردو کے لیے مفید اور صحت مند ہیں بلکہ ملک کی ہر زبان کے لیے مفید ہیں کیوں کہ خاموش تعمیر، مخلص انداز اور بے لوث خدمت سے کہیں بھی کام لیا جائے، کسی زبان کے ارتقا و فروغ کے لیے مصروفِ جدوجہد ہوا جائے، اس کا صحت مند ردِّ عمل سبھی پر ہوتا ہے۔ آج جو لوگ یہ کہتے ہیں" اُردو کے لیے ٹھوس اور بنیادی کام نہیں ہو رہا ہے اور تمام جدوجہد صرف شور و غل تک محدود ہے وہ جامعۂ اُردو کی جانب متوجہ ہوں اور وہ یہ بھی اس طرف دیکھیں جو غلط جذبات اور نظریات کی رو میں اُردو والوں پر ہندی کی مخالفت کا الزام لگا رہے ہیں۔"

(خطبۂ صدارت ۱۹۵۸ء)

خواجہ غلام السیدین

○ میری نظر میں اس ادارے کی خاص اہمیت ہے۔ یہ ادارہ اہم ہے اپنے مقصد کے لحاظ سے کیوں کہ یہ ایک ایسی زبان کی ترقی اور اشاعت کے لیے قائم کیا گیا ہے جو مشترک تہذیب میں ایک گوہرِ تابندہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ خدمت اس وقت خاص طور پر قابلِ تعریف ہے جب کہ افتادِ زمانہ کی وجہ سے اس پر ایک آزمائش کا دور گذر رہا ہے۔ یہ ادارہ اہم ہے اس وجہ سے کہ علی گڑھ کی تاریخی سرزمین سے وابستہ ہے جہاں اب سے اسّی سال پہلے ایک زبردست تعلیمی تحریک نے جنم لیا تھا جس کے اثرات ہماری قومی زندگی کے تانے بانے میں پیوست ہیں۔ یہ ادارہ اس وجہ

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

○ عبدالسلام انصاری، جامعۂ اردو، علی گڑھ

بانیِ جامعۂ اُردو

محمد طاہر فاروقی

کی یاد میں

دنیا میں کچھ ہستیاں اپنے مثالی حسنِ سلوک، اعلیٰ کردار و اخلاق اور اپنے بے پایاں علم و ہنر کے باعث ایسے اَن مِٹ نقوش اور نہ بھلائے جانے والے تاثرات چھوڑ جاتی ہیں جن کی یاد تا دیر قائم رہتی ہے۔ ان کی خدمات اَمر ہو جاتی ہیں اور ان کا علم ایک عالم کو روشن کر جاتا ہے۔

ایسی ہی ہستیوں میں ایک باغ و بہار ہستی پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب کی تھی۔ فاروقی صاحب کا آبائی وطن بچھرایوں ضلع مراد آباد ہے۔ لیکن آپ کے والد مولوی محمد محسن فاروقی صاحب کا قیام اکثر رام پور میں بھی رہا۔ آپ ۴ار ستمبر ۱۹۰۵ء کو رام پور کے ایک محلے کھنڈسار کہنہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا کچھ زمانہ یہاں گذرا۔ اوّل گھر پر قرآنِ پاک کی تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران آپ کے والد نے بچھرایوں میں علاقے کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے "مسلم اسکول" کے نام سے ایک تعلیمی

ادارہ قائم کیا۔ آپ نے بھی اسی اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کان پور چلے گئے۔ یہاں آپ نے حلیم مسلم ہائی اسکول اور مدرسہ دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا ثاقب کانپوری جیسے جیّد عالم و شاعر آپ کے ہم مکتب تھے۔ آپ کے والد اس زمانے میں کناڈین مشن کالج اندور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ ۱۹۱۳ء میں جب پشاور میں اسلامیہ کالج قائم ہوا تو آغاز ہی سے مولوی محمد محسن فاروقی صاحب کا تقرر بحیثیت پروفیسر عربی یہاں ہو گیا۔ لہٰذا آپ بھی والد صاحب کے ساتھ پشاور آ گئے۔ اس زمانے میں علامہ عبدالعزیز میمن بھی ان کے والد کے رفیق کار تھے۔ چناں چہ طاہر فاروقی صاحب کو میمن صاحب کے پاس عربی پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کا امتحان دیا اور تمام یونیورسٹی میں اوّل آئے اور انعام و اعزاز حاصل کیا۔

آپ کے برادران عم زاد مولوی عابد حسن صاحب فریدی اور مولانا حامد حسن صاحب قادری سینٹ جانس کالج آگرہ میں فارسی و اُردو کے پروفیسر تھے اس لیے آپ کو بھی تحصیلِ علم کے لیے آگرہ بھیج دیا گیا۔ یہاں آپ نے کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آگرہ کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ عالیہ کے اساتذۂ کرام جناب مولوی سعادت اللہ صاحب اسرائیلی، جناب مولانا حبیب اللہ خاں صاحب، جناب مولانا فضلِ کریم صاحب اور مفتی نثار احمد صاحب جیسے جیّد علما و فضلا سے درس نظامیہ اور فقہ و حدیث کی تحصیل مکمل کی۔

۱۹۲۴ء میں آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے کیا اور فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ اسی سال آپ کا تقرر بحیثیتِ صدر شعبۂ فارسی، آگرہ کالج میں ہو گیا۔

آپ نے ۲ر مئی ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کی یاد میں آگرہ میں "بزمِ اقبال" کے نام سے ایک ادبی انجمن کی بنیاد رکھی۔ اس کے قیام کا مقصد اُردو زبان و ادب

کی خدمت اور پیام و کلامِ اقبالؔ کی ترویج و اشاعت تھا۔ آپ ہی کی تحریک و تجویز اور کوشش و کاوش سے ۱۹۳۹ء میں ایک باقاعدہ آئین کے تحت "جامعۂ اُردو" قائم کی گئی، آپ ہی اس کے موسس تھے اور آپ ہی کو بالاتفاق رائے اس کا رجسٹرار مقرر کیا گیا۔ آٹھ نو سال کے عرصے میں آپ نے اس ادارے کو پختہ بنیادوں پر استوار کر دیا۔

۱۹۴۴ء میں آپ نے اُردو میں ایم۔ اے کیا اور اس میں بھی فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں آپ نے آگرہ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے لیے پروفیسر عابد حسن صاحب فریدی کی نگرانی میں کام شروع کیا۔ یہ دور بڑی افراتفری کا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا اور جب ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان جانے لگے تو آپ نے جامعۂ اُردو کو علی گڑھ منتقل کرایا اور ظہیر الدین علوی صاحب استاد شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو آپ نے اس کا رجسٹرار مقرر کرایا جن کی رہنمائی میں اس ادارے نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور اب یہ ادارہ ایک اُردو جامعہ (یونیورسٹی) کی حیثیت رکھتا ہے جس کی اپنی عالیشان عمارت اور کثیر عملہ ہے۔ حکومتِ ہند، صوبائی سرکاروں، یونیورسٹیوں اور امتحانی بورڈوں نے اس کے امتحانات کو باقاعدہ تسلیم کر رکھا ہے۔ فاروقی صاحب کے اس چشمۂ علم سے اب تک لاکھوں تشنگانِ علم سیراب ہو چکے ہیں اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ بلاشبہ یہ ظاہر فاروقی صاحب کا فیضِ جاریہ ہے۔

فاروقی صاحب سینٹ جانس کالج اور آگرہ کالج میں ۱۹۴۸ء تک نہایت کامیابی اور وقار کے ساتھ تدریسی خدمت انجام دیتے ہوئے جب پاکستان پہنچے تو پنجاب یونیورسٹی میں اُردو کے لکچرار ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد ہی پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں تقرر ہو گیا۔ وہاں چند سال رہ کر ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو میں ریڈر ہو کر چلے گئے اور تقریباً دو تین سال بڑے کامیاب گذارے اور جب اُردو

کا مستقبل ان کو تاریک نظر آیا تو پھر مغربی پاکستان واپس آ گئے اور شعبۂ اُردو پشاور یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے اور کئی سال بعد پروفیسر و صدرِ شعبہ مقرر ہوئے۔

پشاور یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ انقرہ یونیورسٹی (ترکی) میں شعبۂ اُردو و مطالعۂ پاکستان کے سربراہ ہو گئے اور وہاں نہایت کامیابی سے تین سال گذارے اور اس شعبہ کی صحیح معنوں میں تنظیم کی اور اُردو کا معقول ماحول انقرہ میں پیدا کر دیا۔ اس طرح وہ تقریباً نصف صدی تک تعلیمی و تدریسی اور علمی و ادبی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۱ ستمبر ۱۹۷۸ء کو پشاور میں انتقال فرما گئے۔

فاروقی صاحب نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بیس سال کی عمر سے ہی شروع کر دیا تھا جو تا دمِ مرگ جاری رہا۔ متعدد تصانیف ان کی یادگار ہیں جن میں نصابی کتب کے علاوہ "سیرتِ سرکارِ دو عالم ؐ"، "سیرتِ امیر ملت"، "سیرتِ محمد علی جوہر"، "سیرتِ اقبال"، "بزمِ اقبال"، "خیابانِ اقبال"، "اقبال اور محبتِ رسول ؐ" اور "تاریخِ فارسی ادب" وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

فاروقی صاحب کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں جامعۂ اُردو علی گڑھ نے آپ کو پہلی "دکتورِ ادب" کی اعزازی سند پیش کرنے کے لیے مدعو کیا۔ "دکتورِ ادب" کا یہ اعزاز حاصل کرنے والوں میں فاروقی صاحب کا نام سرِ فہرست ہے۔

ڈاکٹر طاہر فاروقی صاحب ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن جامعۂ اُردو کا قیام ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس سے آئندہ نسلیں مسلسل فیض یاب ہوتی رہیں گی۔

جن سے منسوب ہے اعزازِ رئیسِ جامعہ

جامعۂ اُردو کے آئین میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ "مجلس عام کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسے معزز و مقتدر حضرات جو زبانِ اُردو اور جامعۂ اُردو کی سرپرستی فرمانا منظور کریں، انھیں "رئیسِ جامعہ" کا اعزاز منسوب کرے"۔ جامعۂ اُردو کے دورِ آگرہ تک رئیسِ جامعہ کا عہدہ قائم نہیں ہوا تھا۔ پہلی بار یہ عہدہ ۱۹۵۰ء میں قائم ہوا اور عالی جناب نواب احمد سعید خاں صاحب آف چھتاری اس عہدے پر فائز ہوئے۔ اس طرح وہ جامعۂ اُردو کے پہلے رئیسِ جامعہ تھے۔

نواب احمد سعید خاں صاحب آف چھتاری (جو نواب چھتاری کے نام سے جانے جاتے تھے)، علی گڑھ کے قریب ایک ریاست چھتاری کے والیِ ریاست تھے۔ آپ صوبۂ ممالک متحدہ (موجودہ یو۔ پی) کے دو بار گورنر رہ چکے تھے۔ اس کے علاوہ آپ سابق ریاستِ حیدر آباد کے چیف منسٹر کے عہدے پر بھی فائز رہ چکے تھے۔ ایک طویل مدت تک آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پرو چانسلر اور چانسلر بھی رہے۔ جامعۂ اُردو کے رئیسِ جامعہ کا اعزاز آپ نے ۱۹۵۰ء میں قبول کیا اور ۱۹۸۱ء تک یہ اعزاز آپ سے منسوب رہا۔ اس طرح تین دہائی کے طویل عرصے

تک آپ جامعۂ اُردو کی سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ کا انتقال ۶؍ جنوری ۱۹۸۲ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ آپ اپنی ریاست چھتاری میں آسودۂ خاک ہیں۔

عالی جناب نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی آف بھیکم پور، جامعۂ اُردو کے دوسرے اور موجودہ رئیس جامعہ ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۷ء میں یہ اعزاز قبول فرمایا۔ اس وقت سے لے کر اب تک یہ اعزاز آپ سے منسوب ہے۔ آپ سرسید کے ہم عصر نواب مزمل اللہ خاں صاحب شروانی مرحوم کے صاحبزادے ہیں جنھوں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم۔ اے۔ او کالج) کی تعمیر و ترقی میں سرسید کے شانہ بشانہ کام کیا تھا۔ نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی کا شمار اہل علم و ادب میں ہوتا ہے۔ فارسی اور اُردو ادب کا آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ آپ کی ذاتی لائبریری میں ہزاروں کی تعداد میں علمی نوادرات موجود ہیں۔ اُردو کی ترویج و اشاعت اور اس کے فروغ کے کاموں سے آپ کو ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے۔ جامعۂ اُردو سے بھی آپ کی دلچسپی بہت قدیم ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جامعۂ اُردو آگرے سے منتقل ہو کر علی گڑھ آئی تو آپ نے سر چھپانے کے لیے اسے اپنی عمارت میں بلامعاوضہ جگہ دی اور اس کی ترقی کے کاموں میں برابر دلچسپی لیتے رہے۔ آج بھی جامعۂ اُردو سے آپ کو اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا پہلے کبھی تھا۔ اس ادارے کی سرگرمیوں سے آپ پوری طرح باخبر رہتے ہیں۔ اسے ہر طرح سے اپنا تعاون دیتے ہیں، اس کی سرپرستی فرماتے ہیں اور اس کے جلسوں میں وقتاً فوقتاً شریک ہوتے رہتے ہیں۔ آپ جامعۂ اُردو کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایک جلسے کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ "میری دعا ہے کہ جامعۂ اُردو ترقی کر کے ایک یونیورسٹی بن جائے۔" خدا کرے نواب صاحب کی سرپرستی اس ادارے کو اسی طرح ہمیشہ حاصل رہے اور آپ کے زیر سایہ اس کے قدم ترقی کی جانب مسلسل بڑھتے رہیں۔

۱۹۶۴ء میں جامعۂ اُردو کے رئیس جامعہ کا اعزاز عالی جناب بخشی غلام محمد صاحب، سابق وزیر اعلیٰ جموں وکشمیر کو حاصل ہوا۔ آپ ۱۹۷۲ء تک رئیس جامعہ رہے۔ آپ جامعۂ اُردو کے تیسرے رئیس جامعہ تھے۔ آپ نے اپنی ریاستی حکومت کی جانب سے ایک خطیر رقم جامعۂ اُردو کو عطا کی جس سے اس کی بالائی منزل میں ایک وسیع وعریض "کشمیر ہال" کی تعمیر ممکن ہو سکی۔ یہ کشادہ، خوبصورت اور پرشکوہ ہال آج بھی ہمیں بخشی صاحب کی یاد دلاتا ہے۔

عالی جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو ۱۹۷۲ء میں رئیس جامعہ کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۸۰ء تک اس ادارے کی سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ اُردو کے ایک سچے عاشق اور شیدائی تھے۔ اُردو کو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی علامت تصوّر کرتے تھے اور اس کی ترویج واشاعت کے لیے برابر کوشاں رہتے تھے۔ آپ آگرے کے ممتاز شہری تھے۔ برسوں راجیہ سبھا کے ایم پی بھی رہے اور جب بھی ضرورت ہوتی اُردو کے حق میں آواز بلند کرتے۔

ذیل میں جامعۂ اُردو کے چاروں رئیس جامعہ کے اسمائے گرامی تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں:

(۱) عالی جناب نواب احمد سعید خاں صاحب آف چھتاری (۱۹۵۰ء تا ۱۹۸۲ء)

(۲) عالی جناب نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی آف بھیکم پور (۱۹۵۷ء تا حال)۔

(۳) عالی جناب بخشی غلام محمد صاحب، سابق وزیر اعلیٰ ریاست جموں وکشمیر (۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۲ء)۔

(۴) عالی جناب پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صاحب، ایم، پی (۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۰ء)۔

(مدیر)

گذشتہ پچاس ۵۰ سال کے دوران منتخب ہونے والے

جامعۂ اُردو کے عہدہ داران

(۱۹۳۹ء تا ۱۹۸۸ء)

(الف) تاریخ وار ترتیب

دورِ آگرہ

۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء

○ امیر جامعہ	ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو
○ نائب امیر جامعہ	ڈاکٹر مولوی عبدالحق
○ شیخ الجامعہ	الحاج مولوی ابوالحسن
○ نائب شیخ الجامعہ	جناب اختر عادل
○ خازن	پنڈت راج ناتھ کنزرو

دورِ علی گڑھ

۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۵ء

امیر جامعہ	ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر
نائب امیر جامعہ	پنڈت راج ناتھ کنزرو
شیخ الجامعہ	ڈاکٹر ذاکر حسین
نائب شیخ الجامعہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی
خازن	شفاء الملک حکیم عبداللطیف

۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء

امیر جامعہ	پنڈت ہردے ناتھ کنزرو
نائب امیر جامعہ	پنڈت راج ناتھ کنزرو
شیخ الجامعہ	کرنل بشیر حسین زیدی
نائب شیخ الجامعہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی
خازن	ڈاکٹر عبدالعلیم

۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء

امیر جامعہ	پنڈت راج ناتھ کنزرو
نائب امیر جامعہ	پنڈت ہردے ناتھ کنزرو
شیخ الجامعہ	ڈاکٹر یوسف حسین خاں
نائب شیخ الجامعہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی

- خازن — ڈاکٹر عبدالعلیم

۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء

- امیر جامعہ — پنڈت راج ناتھ کنزرو
- نائب امیر جامعہ — پنڈت آنند نراین مُلّا
- شیخ الجامعہ — پروفیسر رشید احمد صدیقی
- نائب شیخ الجامعہ — ڈاکٹر عبدالعلیم
- خازن — پروفیسر قمر الحسن فاروقی (۱۷؍ستمبر ۱۹۶۸ء تک)

۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۲ء

- امیر جامعہ — پنڈت راج ناتھ کنزرو
- نائب امیر جامعہ — پنڈت آنند نراین مُلّا
- شیخ الجامعہ — پروفیسر رشید احمد صدیقی
- نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر سید محمد طاہر رضوی
- خازن — پروفیسر نذیر احمد

۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۴ء

- امیر جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا
- نائب امیر جامعہ — پنڈت آنند نراین مُلّا
- شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں
- نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر نذیر احمد
- خازن — عظیم الحق جنیدی (۲۷؍اپریل ۱۹۷۴ء تک)

۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۷ء

- امیر جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا
- نائب امیر جامعہ — پنڈت آنند نراین ملا
- شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں
- نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر عتیق احمد صدیقی
- خازن — الحاج عبدالرحمن خاں شروانی

۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء

- امیر جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا
- نائب امیر جامعہ — جناب مالک رام
- شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں
- نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر عتیق احمد صدیقی
- خازن — الحاج عبدالرحمن خاں شروانی

۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۳ء

- امیر جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا
- نائب امیر جامعہ — جناب مالک رام
- شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں
- نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر عبدالعظیم
- خازن — الحاج عبدالرحمن خاں شروانی

۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۸ء

○ امیرِ جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا

○ نائب امیرِ جامعہ — جناب مالک رام

○ شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں

○ نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر عبدالعظیم (۱۹۸۶ء تک)
پروفیسر مختار الدین احمد (۲۷ ستمبر ۱۹۸۷ء سے)

○ خازن — الحاج عبیدالرحمٰن خاں شروانی (۱۹۸۵ء تک)
ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (۱۳ مارچ ۱۹۸۶ء سے)

۱۹۸۸ء تا حال

○ امیرِ جامعہ — ڈاکٹر رفیق زکریا

○ نائب امیرِ جامعہ — جناب مالک رام

○ شیخ الجامعہ — پروفیسر مسعود حسین خاں

○ نائب شیخ الجامعہ — پروفیسر مختار الدین احمد

○ خازن — ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ

(ب) عہدہ وار ترتیب

امیرِ جامعہ

○ ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء)

○ ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر (۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۵ء)

○ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء)

- پنڈت راج ناتھ کنزرو (۱۹۶۱ء تا ۱۹۷۲ء)
- ڈاکٹر رفیق زکریا (۱۹۷۳ء تا حال)

نائب امیر جامعہ

- مولوی عبدالحق (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء)
- پنڈت راج ناتھ کنزرو (۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۱ء)
- پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء)
- پنڈت آنند نراین مُلاّ (۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۷ء)
- جناب مالک رام (۱۹۷۷ء تا حال)

شیخ الجامعہ

- الحاج مولوی ابوالحسن (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء)
- ڈاکٹر ذاکر حسین (۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۵ء)
- کرنل بشیر حسین زیدی (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۱ء)
- ڈاکٹر یوسف حسین خاں (۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۶ء)
- پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۲ء)
- پروفیسر مسعود حسین خاں (۱۹۷۳ء تا حال)

نائب شیخ الجامعہ

- جناب اختر عادل (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء)
- پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۶ء)

- پروفیسر عبدالحلیم (۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء)
- پروفیسر سید محمد طاہر رضوی (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۳ء)
- پروفیسر نذیر احمد (۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۴ء)
- پروفیسر عتیق احمد صدیقی (۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۰ء)
- پروفیسر عبدالعظیم (۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۶ء)
- پروفیسر مختار الدین احمد (۲۷ر ستمبر ۱۹۸۷ء تا حال)

خازن

- پنڈت راج ناتھ کنزرو (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء)
- شفاء الملک حکیم عبداللطیف (۱۹۴۰ء تا ۵۵ء)
- پروفیسر عبدالعلیم (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۶ء)
- پروفیسر قمر الحسن فاروقی (۱۹۶۶ء تا ۸ر ستمبر ۱۹۶۸ء
- پروفیسر نذیر احمد (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۲ء)
- عظیم الحق جنیدی (۱۹۷۳ء تا ۲۷ر اپریل ۱۹۷۴ء)
- الحاج محمد عبیدالرحمٰن خاں شروانی (۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۵ء)
- ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (۱۳ر مارچ ۱۹۸۶ء تا حال)

بقیہ "ارباب جامعہ اور اُردو زبان" (صفحہ ۳۸ سے مسلسل):

لیکن تھوڑی بہت خود اُردو بولنے والوں پر بھی ہے جس کی انجمنیں، بیورو اور اکادمیاں فروعی کاموں کو اصل کام سمجھتی ہیں۔"

("اُردو کا مسئلہ" سے)

موجودہ

اعزازی عہدہ داران و اراکینِ جامعہ

جامعہ اُردو کی مجلسِ عام کا ایک جلسہ ۱۰ اگست ۱۹۸۸ء کو زیرِ صدارت عالی جناب ڈاکٹر رفیق زکریا (امیرِ جامعہ)، انڈیا انٹرنیشنل سنٹر، نئی دہلی میں منعقد ہوا جس میں حسبِ ذیل عہدہ داران و اراکینِ جامعہ کا انتخاب آئندہ چار سال کے لیے عمل میں آیا۔

● اعزازی عہدہ داران

۱۔ ڈاکٹر رفیق زکریا، امیرِ جامعہ (چانسلر)۔
۲۔ جناب مالک رام (نائب امیرِ جامعہ (پرو چانسلر)۔
۳۔ پروفیسر مسعود حسین خاں، شیخ الجامعہ (وائس چانسلر)۔
۴۔ پروفیسر مختار الدین احمد، نائب شیخ الجامعہ (پرو چانسلر)
۵۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ، خازن (ٹریژرر)۔

● اراکینِ مجلسِ عام

نمبر (الف) اعزازی عہدہ داران :

با اعتبارِ عہدہ

۱۔ ڈاکٹر رفیق زکریا (امیرِ جامعہ)

۲۔ جناب مالک رام (نائب امیرِ جامعہ)

۳۔ پروفیسر مسعود حسین خاں (شیخ الجامعہ)

۴۔ پروفیسر مختار الدین احمد (نائب شیخ الجامعہ)

۵۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (اعزازی خازن)

نمبر (ب) یونیورسٹیوں کے چھے اساتذۂ اردو :

۶۔ پروفیسر حکم چند نیّر، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

۷۔ ڈاکٹر سید ثاقب حسن رضوی، اودے پور یونیورسٹی، اودے پور

۸۔ پروفیسر ظفر اوگانوی، کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ

۹۔ پروفیسر قاضی عبدالستار، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۰۔ پروفیسر محمد ذاکر، جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۱۱۔ پروفیسر مغنی تبسم، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد

نمبر (ج) چھے ممتاز اہلِ علم :

۱۲۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، دہلی

۱۳۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، دہلی

۱۴۔ پروفیسر عبدالمغنی، پٹنہ

۱۵۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی، علی گڑھ

۱۶۔ پروفیسر قمر رئیس، دہلی

۱۷۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ، دہلی

زمرہ (د) تین اہلِ علم وادب (نامزد امیرِ جامعہ):

۱۸۔ پروفیسر آفاق احمد، بھوپال

۱۹۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی، کلکتہ

۲۰۔ پروفیسر لطف الرحمن، بھاگل پور

زمرہ (ہ) تین نمائندے "بزمِ اقبال"، آگرہ

۲۱۔ جناب سیّد عبدالعزیز

۲۲۔ جناب سیّد منظم علی شاہ

۲۳۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی

زمرہ (و) دو نمائندے حسبِ ذیل اداروں کے:

۲۴۔ ڈاکٹر خلیق انجم، انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی

۲۵۔ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم، ترقیِ اُردو بیورو، نئی دہلی

● اراکینِ مجلسِ منتظمہ

۱۔ پروفیسر مسعود حسین خاں (بہ اعتبارِ عہدہ)

۲۔ پروفیسر مختار الدین احمد (بہ اعتبارِ عہدہ)

۳۔ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (بہ اعتبارِ عہدہ)

۴۔ پروفیسر حکم چند نیّر

۵۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

۶۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

۷۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی

۸۔ پروفیسر قمر رئیس

۹۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ

۱۰۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی

● اراکینِ تعلیمی کمیٹی

۱۔ پروفیسر مسعود حسین خاں } بہ اعتبارِ عہدہ
۲۔ پروفیسر مختار الدین احمد }
۳۔ ڈاکٹر خلیق انجم
۴۔ پروفیسر ظفر اوگانوی
۵۔ ڈاکٹر عبد المغنی
۶۔ خالی

● اراکینِ امتحان کمیٹی

۱۔ پروفیسر مسعود حسین خاں } بہ اعتبارِ عہدہ
۲۔ پروفیسر مختار الدین احمد }
۳۔ پروفیسر آفاق احمد
۴۔ جناب سید معظم علی شاہ
۵۔ پروفیسر قاضی عبد الستار

(نوٹ: مختلف مجالس اور زمروں میں ناموں کی ترتیب بہ اعتبارِ حروفِ تہجی رکھی گئی ہے)

بقیہ "صدارتی خطبات" (صفحہ ۲۶ سے مسلسل):

کبھی کبھی کافی تلخی پیدا ہو جاتی ہے لیکن بعد میں وہ شریفوں کی طرح صلح بھی کر لیتے ہیں۔ ہندی کو ہمارے ملک کی سرکاری زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اس سے اُردو والوں کو مطلق دل گیر نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ باوجود وقتی اختلاف کے ہندوستان کی کوئی دوسری زبان ہندی سے اس قدر قریب نہیں جس قدر اُردو۔ نہ بنگالی

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

جامعۂ اُردو کے رجسٹرار

(۱۹۳۹ء تا حال)

جامعۂ اُردو کا قیام ۱۹۳۹ء میں آگرے میں عمل میں آیا۔ اس کے سب سے پہلے رجسٹرار محمد طاہر فاروقی صاحب مقرر ہوئے جو ۱۹۴۸ء تک اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں وہ ہجرت کرکے پاکستان چلے گئے اور وہیں پشاور میں ۲۱ر ستمبر ۱۹۷۰ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ۱۹۴۸ء میں جامعہ جب منتقل ہوکر علی گڑھ آگئی تو رجسٹرار کے عہدے پر سید ظہیر الدین علوی صاحب کا تقرر عمل میں آیا۔ تقریبًا پندرہ سال تک بحیثیت رجسٹرار جامعۂ اُردو کی خدمات انجام دینے کے بعد وہ ۱۲ر جنوری ۱۹۶۴ء کو رحلت فرما گئے۔ علوی صاحب کے بعد ایک مختصر سی مدت کے لیے ۱۹۶۴ء میں نور الرحمٰن صاحب رجسٹرار مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں سید احمد علی شاہ جعفری صاحب رجسٹرار مقرر ہوئے جو ۱۹۷۱ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ آگرے کے ایک متصوفانہ خانوادے کے فرد میکش اکبرآبادی کے برادرِ خورد تھے۔ ریاستِ راجستھان میں سول سروسز اور عدلیہ میں ملازمت کرنے کے بعد وہ علی گڑھ آگئے تھے۔ آپ کا انتقال ۱۰ر جون ۱۹۸۸ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ جعفری صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد حشمت حسین عثمانی صاحب

چارسال (۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء) کے لیے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ جب وہ بھی ریٹائر ہو گئے تو اشرف علی خاں صاحب جو ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے، رجسٹرار مقرر ہوئے۔ خاں صاحب ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۸۲ء تک رجسٹرار رہے۔ افسوس کہ ان کا ۱۷ر فروری ۱۹۸۶ء کو دہلی میں سڑک کے ایک المناک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ موصوف اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ۱۹۸۳ء میں محمد جمیل خاں صاحب رجسٹرار مقرر ہوئے جو بلند شہر (یوپی) کے رہنے والے تھے، اور ایک انٹرمیڈیٹ کالج کے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہو کر علی گڑھ آ گئے تھے۔ جمیل خاں صاحب جولائی ۱۹۸۸ء تک جامعہ اُردو کے رجسٹرار رہے اور اب جنوری ۱۹۸۹ء سے ڈاکٹر محمد مشکور اللہ خاں شروانی جامعہ اُردو کے رجسٹرار کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ذیل میں تمام رجسٹراروں کے اسمائے گرامی تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں:

(۱) محمد طاہر فاروقی (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۸ء)
(۲) سید ظہیر الدین علوی (۱۹۴۸ء تا جنوری ۱۹۶۴ء)
(۳)* نور الرحمٰن (۱۹۶۴ء)
(۴) سید احمد علی شاہ جعفری (۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء)
(۵) حشمت حسین عثمانی (۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء)
(۶) اشرف علی خاں (۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۲ء)
(۷) محمد جمیل خاں (۱۹۸۳ء تا جولائی ۱۹۸۸ء)
(۸) ڈاکٹر محمد مشکور اللہ خاں شروانی (جنوری ۱۹۸۹ء تا حال)

(مدیر)

گذشتہ پچاس ۵

میڈل حاصل کرنے

۱۹۳۹ء تا

(۳)	(۲)	(۱)
نائب شیخ الجامعہ میڈل	رجسٹرار میڈل	سنہ
ادیب	ابتدائی	عیسوی
خالد حسن قادری، آگرہ	-	۱۹۳۹ء
محمد قاسم، الٰہ آباد	-	۱۹۴۰ء
آسیہ خاتون فریدی، آگرہ	-	۱۹۴۱ء
ابوالحسن خاں، سکان پور	-	۱۹۴۲ء
سیّد محی حسنین نقوی، الٰہ آباد	-	۱۹۴۳ء
مطلوب احمد خاں، آگرہ	-	۱۹۴۴ء
صدیقہ بیگم، پرتاب گڑھ	-	۱۹۴۵ء
محمد عبدالقیوم صدیقی، فتح پور	-	۱۹۴۶ء
عزیزالحسن خاں، اترولہ	-	۱۹۴۷ء

سال کے دوران

والے طلبہ و طالبات

(۱۹۸۸ء)

۴	۵	۶
شیخ الجامعہ میڈل	امیر جامعہ میڈل	رشید احمد صدیقی میڈل
ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو
غوث الاعظم قادری، کان پور	واحد حسین خاں، بریلی	-
سلطان احمد صدیقی، علی گڑھ	غوث الاعظم قادری، کان پور	-
محمد قاسم، الٰہ آباد	شیخ محمد ایوب صدیقی، الٰہ آباد	-
رافعہ خاتون، آگرہ	ہربنس سنگھ تیاگی، میرٹھ	-
سید ساجد حسن، آگرہ	اوم پرکاش سکسینہ، بریلی	-
سید محمد حفیظ زیدی، ٹانڈہ	ظہور الحسن، علی گڑھ	-
کاظم عباس نقوی، علی گڑھ	سید طہیر حیدر عابدی، علی گڑھ	-
شیخ محمد محبوب صدیقی، فتح پور	خلیل احمد پیرزادہ، علی گڑھ	-
شیام کشور شریواستو، پرتاپ گڑھ	شیخ محمد محبوب صدیقی، الٰہ آباد	-

(۳)	(۲)	(۱)
نائب شیخ الجامعہ میڈل	رجسٹرار میڈل	سنہ
ادیب	ابتدائی	عیسوی
سید مشہود حسین، شاہ جہاں پور	-	۱۹۴۸ء
شریف احمد ، امروہہ	-	۱۹۴۹ء
عبدالرؤف ، مئوائمہ	-	۱۹۵۰ء
عزیز فاطمہ نشاط ، کانپور	-	۱۹۵۱ء
محمد امین خاں ، علی گڑھ	-	۱۹۵۲ء
محمد رفاقت علی خاں، شیخوپور	-	۱۹۵۳ء
سعید فاطمہ بیگم مسرور ، گونڈا	محمد صابر اللہ ، علی گڑھ	۱۹۵۴ء
قدسیہ خاتون ، دہلی	نسیم النسار صدیقی ، گونڈا	۱۹۵۵ء

(۳)	(۲)	(۱)
غالب میڈل	چکبست میڈل	سنہ
ادیب	ابتدائی	عیسوی
رفعت افزا بیگم ، امین	محمد یعقوب ، بلند شہر	۱۹۵۶ء
اختر سلطانہ ، الہ آباد	محمد عارف خاں ، علی گڑھ	۱۹۵۷ء
رشیدہ خاتون رضوی، بھوپال	نعیم اللہ خاں شروانی، علی گڑھ	۱۹۵۸ء
شیام سروپ شرما، پورٹ بلیر	عبدالرقیب ، پٹنہ	۱۹۵۹ء
حبیب جاوید ، فیروز آباد	تاج محمد سید رام پورہ (ایم پی)	۱۹۶۰ء
محمد انور صامون ، سرینگر کشمیر	امداد امام ، الہ آباد	۱۹۶۱ء
بلقیس بانو ، ناگپور	زرینہ بیگم ، بہرائچ	۱۹۶۲ء

۴	۵	۶
شیخ الجامعہ میڈل	امیر جامعہ میڈل	رشید احمد صدیقی میڈل
ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو
شہناز ہاشمی، علی گڑھ	غلام حسین نحوی، علی گڑھ	-
محمد یوسف خاں، پرتاب گڑھ	شیام کشور شریواستو، پرتاب گڑھ	-
صغیر احسن، پرتاب گڑھ	زبیدہ سلطان، بھوپال	-
مشتاق احمد، پرتاب گڑھ	صغیر احسن، پرتاب گڑھ	-
نثار احمد فاروقی، دہلی	شیخ فرید، برہان پور	-
عبدالعظیم، علی گڑھ	نثار احمد فاروقی، دہلی	-
شاہد مہدی، علی گڑھ	محمد یٰسین، علی گڑھ	-
سرور جہاں، کانپور	قمر آرا خانم، میرٹھ	-

۴	۵	۶
شبلی میڈل	سرسید میڈل	رشید احمد صدیقی میڈل
ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو
صالحہ علوی، علی گڑھ	مبارک علی بیگ، ٹونک	-
محمد، مئوناتھ بھنجن	عبدالحی شمیم ایوبی، جے پور	-
اختر سلطانہ، بھوپال	اعجاز حسین، پوربندر	-
اشتیاق باتو زبیری، ایٹہ	نسیم سحر، بریلی	-
سروری، بھوپال	مہرالنساء، برہان پور	-
عابدہ بیگم، شاہ جہاں پور	سعید محمد خاں، مظفر نگر	-
محمد بشیر، خیرآباد	محمد مبشر علی، بریلی	-

(۱)	(۲)	(۳)
سنہ	چکبست میڈل	غالب میڈل
عیسوی	ابتدائی	ادیب
۱۹۶۳ء	سید شجاع الدین علوی، علی گڑھ	اوصاف علی خاں، کورائی (ایم پی)
۱۹۶۴ء	کاشی پرشاد ، موہا	افشاں فاطمہ ، بچھراؤں
۱۹۶۵ء	محمد خالد ، بلعقرا روڈ	قاضی مسعود الحسن ، امیٹھی
۱۹۶۶ء	اصغر علی ، کاس گنج	محمد محسن رضا عابدی، محمد آباد گوہنہ
۱۹۶۷ء	قمر نظامی ، ہردہ (ایم پی)	محمد طیب خاں، غازی پور
۱۹۶۸ء	مشتاق احمد قریشی، رتلام (ایم پی)	نکہت عمر فاطمی، کوڑا جہاں آباد
۱۹۶۹ء	فرزانہ عفیفہ شیروانی، علی گڑھ	ہارون رشید ، کوندہ گھنی
۱۹۷۰ء	ساجد علی، فرید پور	رانی پروین ، نان پارہ
۱۹۷۱ء	مس پروین علی ، مارشیس	رئیس احمد، فتح گڑھ
۱۹۷۲ء	شہناز فاطمہ ، نینی تال	اقبال جہاں، نان پارہ
۱۹۷۳ء	نسیم بانو ، اودے پور	محمد صالحین ، رسڑا (بلیا)
۱۹۷۴ء	فوزیہ حبیب انصاری، کاکوری	فرحت علی خاں ، بہاسو
۱۹۷۵ء	کنیز فاطمہ ، مرزا پور	محمد عمر، ٹونک
۱۹۷۶ء	ماہ تنویر ، موانہ	محمد ظفر مومن ، مرادآباد
۱۹۷۷ء	امام الدین ، چھپرہ	نگار بانو ، گورکھپور
۱۹۷۸ء	وکیلہ خاتون ، چوروالا	اشرف کمال انصاری، رسڑا
۱۹۷۹ء	ناصر حسین ، رسڑا (بلیا)	عفت رعنا ، چالی سلان بستی
۱۹۸۰ء	مس تش عالم، ٹانڈہ	عمرانہ خاتون، مبارک پور
۱۹۸۱ء	ندیم ظفر جیلانی، کشن گنج	مس تش عالم، ٹانڈہ

۴	۵	۶
شبلی میڈل	سرسید میڈل	رشید احمد صدیقی میڈل
ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو
حسن جعفری، لشکری، گوالیار	محمد ابراہیم، کدورہ	—
عبدالرؤف، جودھپور	سید احمد، چاندپور	—
صبیحہ خاتون، ٹانڈہ	محمد اسمٰعیل، کانپور	—
قاضی مسعود الحسن، امیٹھی	عبدالشکور، لکھنؤ	—
محمد ثقلین زاہد، بسکھاری	غلام حسین، ناگور	—
ضیاء الرحمٰن عباسی، اعظم گڑھ	ریاست علی، پپلیڑہ	—
خاں احمد خاں، سرونج (ایم پی)	وزیر محمد خاں، ناگور (راجستھان)	—
اعجاز احمد، امروہہ	احمد فہیم، سکندرپور	—
تاج الدین، کھتولی	نسیم انور، مودھا	—
محمد احمد، مرادآباد	احترام الحق صدیقی، کھاتولی	—
محمد نسیم، گورکھپور	ذکاء اللہ، برآمدپور، اعظم گڑھ	—
رشیدہ، بھوپال	شیخ احمد، بھوپال	—
معراج فاطمہ، نجیب آباد	عبدالحفیظ انصاری، رسول آباد	—
امت الحسین، جعفرآباد (دہلی)	شفیع امام، گوپال گنج	قمر بانو، کانپور
خورشید انور صدیقی، کھتولی	مسرت فاطمہ عثمانی، دہلی	محمد اختر، اٹاوہ
محمد عبدالرحمٰن، بیلی بھیت	خورشید انور صدیقی، کھتولی	قیام الدین، علی گڑھ
محمد قائم اعظمی، برآمدپور (اعظم گڑھ)	آمنہ سلطانہ، بانسی	فرقان الٰہی، مرادآباد
شبیہ الحسن، ٹانڈہ	نجمہ خاتون، لگرالہ (بدایوں)	فاخرہ بیگم، اٹاوہ
ساجد علی، کاس گنج	محمد شہاب [illegible]، کانپور	صدرالحق، مظفرنگر

(۱)	(۲)	(۳)
سنہ	چکبست میڈل	غالب میڈل
عیسوی	ابتدائی	ادیب
۱۹۸۲ء	کنک لتا سبھارگو، نینی تال	ریحانہ خاتون، مظفر پور
۱۹۸۳ء	مسیح الرحمٰن، کشن گنج	صبیحہ خانم، رفیع گنج
۱۹۸۴ء	محمد آفتاب عالم، کشن گنج	قاری ذکراللہ، جاجمئو (کانپور)
۱۹۸۵ء	محمد صدیق، آنند نگر	محمد عزیز احمد، دربھنگہ
۱۹۸۶ء	عبدالدیان، آنند نگر	محمد شفیع حرکھاری، (دمیرپور)
۱۹۸۷ء	شبانہ پروین، سکندر پور	ریاض الدین، نہٹور
۱۹۸۸ء	محمد عارف، مالیر کوٹلہ	محمد حسین، بستی

جامعۂ اُردو کے پہلے نائب امیر جامعہ
(۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۰ء)
بابائے اُردو
مولوی عبدالحق
کی ایک نادر تصویر



(۶)	(۵)	(۴)
رشید احمد صدیقی میڈل	سرسید میڈل	شبلی میڈل
معلمِ اردو	ادیب کامل	ادیب ماہر
راضیہ بانو ، لکھنؤ قمرالاسلام قاسمی ، میرٹھ سید محتشم علی ، اٹاوہ محمد رضوان ، الٰہ آباد نوشابہ ، اورئی (جالون) مہرالنسار ، اورئی (جالون) رابعہ سعید ، الٰہ آباد	خورشید اقبال زبیری ، سہر گین محمد منیم الدین ، سانحہ (بہار) اشرف جمال فہمی ، سکندر پور ریاض احمد ، دوستپور (سلطان پور) محمد شہاب فاروقی (دربھنگہ) عاصم مسعود ، بشن پور محمد سعید الرحمٰن ، نام نگر نیپٹولیا	فریدہ پاشا ، مظفر نگر محمد سلیم خاں ، جاجمؤ (کانپور) اکرام الدین ، دیوبند صوفیہ بانو ، دربھنگہ فرحت آرا بیگم ، بہانی (ہردوئی) ظہیر الدین ، بہاور شکیلہ ، ناگلوئی (نئی دہلی)

بقیہ "کوائفِ جامعہ" (صفحہ ۱۹ سے مسلسل):

۴۔ محمد سعید الرحمٰن (نام نگر نیپٹولیہ) ، ادیب کامل
۵۔ رابعہ سعید (الہ آباد) ، معلمِ اردو

یہ امیدوار علی الترتیب جلیبت میڈل ، غالب میڈل ، شبلی میڈل ، سرسید میڈل اور رشید احمد صدیقی میڈل کے مستحق قرار دیے گئے۔ چوں کہ محمد سعید الرحمٰن نے ادیب کامل میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے اس لیے انھیں ڈاکٹر رفیق زکریا انعام کا بھی مستحق قرار دیا گیا جو ایک ہزار روپے نقد اور توصیفی سرٹیفکٹ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح رابعہ سعید کو معلمِ اردو میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے پر مالک رام انعام کا مستحق قرار دیا گیا جو ۵۰۰ روپے نقد اور توصیفی سرٹیفکٹ پر مشتمل ہے۔

گذشتہ پچاس ۵۰ سال کے دوران

شرکائے امتحاناتِ جامعۂ اُردو

(۱۹۳۹ء تا ۱۹۸۸ء)

(۱) سنہ	(۲) ابتدائی	(۳) ادیب	(۴) ادیب ماہر	(۵) ادیب کامل	(۶) معلّم اُردو	(۷) میزان
۱۹۳۹ء	-	۱۱۹	۱۹	۲۰	-	۱۵۸
۱۹۴۰ء	-	۷۶	۴۴	۷	-	۱۳۷
۱۹۴۱ء	-	۵۴	۶۶	۳۱	-	۱۵۱
۱۹۴۲ء	-	۵۵	۷۲	۳۰	-	۱۵۷
۱۹۴۳ء	-	۹۹	۶۶	۳۶	-	۲۰۱
۱۹۴۴ء	-	۱۱۴	۴۴	۴۳	-	۲۰۱
۱۹۴۵ء	-	۱۱۹	۹۷	۴۸	-	۳۴۱
۱۹۴۶ء	-	۲۱۹	۱۶۱	۵۳	-	۴۳۳
۱۹۴۷ء	-	۲۱۲	۱۱۲	۴۹	-	۳۷۳
۱۹۴۸ء	-	۱۸۴	۱۲۷	۳۲	-	۳۴۳

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)
سنہء	ابتدائی	ادیب	ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو	میزان
۱۹۴۹ء	-	۲۰۵	۱۲۵	۲۶	-	۳۵۶
۱۹۵۰ء	-	۲۶۹	۲۰۱	۶۶	-	۵۳۶
۱۹۵۱ء	-	۴۷۲	۵۰۱	۱۰۹	-	۱۰۸۲
۱۹۵۲ء	-	۳۲۵	۴۷۶	۱۶۱	-	۹۶۲
۱۹۵۳ء	-	۵۰۵	۶۲۰	۲۰۷	-	۱۳۳۲
۱۹۵۴ء	۳۸۷	۹۷۷	۱۲۳۱	۲۹۵	-	۲۸۹۰
۱۹۵۵ء	۷۵۹	۲۳۲۷	۱۰۴۰	۸۲۲	-	۴۹۴۸
۱۹۵۶ء	۱۰۷۷	۳۳۹۷	۱۲۳۱	۷۹۷	-	۶۵۰۲
۱۹۵۷ء	۱۰۸۵	۳۰۸۳	۱۴۸۴	۷۹۳	-	۶۴۴۵
۱۹۵۸ء	۱۰۶۷	۲۹۱۴	۱۳۷۹	۸۷۱	-	۶۲۳۱
۱۹۵۹ء	۹۳۷	۲۴۰۶	۱۱۹۹	۷۴۷	-	۵۲۸۹
۱۹۶۰ء	۸۷۲	۲۲۱۷	۱۰۷۹	۷۷۵	-	۴۹۴۳
۱۹۶۱ء	۹۹۵	۲۷۸۲	۱۳۴۱	۸۱۱	-	۵۹۲۹
۱۹۶۲ء	۱۰۰۶	۳۱۱۳	۱۸۲۲	۹۱۷	-	۶۸۵۸
۱۹۶۳ء	۹۷۴	۲۹۸۵	۱۹۰۹	۱۱۱۷	-	۶۹۸۵
۱۹۶۴ء	۹۸۵	۳۰۱۱	۲۰۳۷	۱۳۶۴	-	۷۳۹۷
۱۹۶۵ء	۱۱۵۳	۳۳۲۹	۲۲۱۸	۱۴۷۳	-	۸۱۷۳
۱۹۶۶ء	۱۲۷۰	۴۰۳۵	۲۶۱۸	۱۶۳۹	-	۹۵۶۲
۱۹۶۷ء	۱۲۵۰	۴۱۷۴	۳۱۴۹	۱۷۷۲	-	۱۰۳۴۵
۱۹۶۸ء	۱۲۶۰	۳۸۴۴	۳۰۰۰	۱۸۵۰	-	۹۹۵۶

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)
سنہ ء	ابتدائی	ادیب	ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو	میزان
۱۹۶۹ء	۱۳۱۹	۳۶۸۸	۲۹۸۳	۲۱۷۵	-	۱۰۱۶۵
۱۹۷۰ء	۱۵۳۳	۳۸۹۵	۲۹۹۳	۲۱۰۴	-	۱۰۵۲۵
۱۹۷۱ء	۱۴۸۸	۳۹۲۶	۲۵۵۶	۲۲۲۶	-	۱۰۱۹۶
۱۹۷۲ء	۸۱۰	۲۹۰۱	۲۰۹۸	۱۶۶۶	-	۷۴۷۵
۱۹۷۳ء	۱۵۲۳	۵۵۵۷	۳۴۵۲	۲۳۱۴	-	۱۲۸۴۵
۱۹۷۴ء	۱۳۱۱	۴۸۱۵	۳۲۹۳	۲۱۳۹	-	۱۱۵۵۸
۱۹۷۵ء	۱۱۷۶	۴۴۲۵	۳۰۸۷	۲۳۴۵	-	۱۱۰۳۳
۱۹۷۶ء	۱۳۰۴	۳۰۵۰	۲۸۶۱	۲۳۶۴	۲۵۵	۹۸۳۴
۱۹۷۷ء	۱۲۲۲	۳۷۲۳	۲۴۸۶	۲۰۷۱	۱۵۴	۹۶۵۶
۱۹۷۸ء	۱۴۸۴	۳۹۵۷	۲۷۵۵	۲۱۲۸	۲۷۱	۱۰۵۹۵
۱۹۷۹ء	۱۲۰۷	۳۵۶۰	۲۴۱۰	۱۸۷۳	۲۳۸	۹۲۸۸
۱۹۸۰ء	۹۲۱	۳۵۰۵	۲۵۸۸	۱۹۴۱	۱۴۸	۹۱۰۳
۱۹۸۱ء	۱۰۷۹	۴۲۱۸	۳۰۸۱	۲۴۷۱	۳۵۲	۱۱۲۰۱
۱۹۸۲ء	۱۰۳۸	۴۵۶۱	۳۵۹۶	۳۰۱۶	۳۴۱	۱۲۵۵۲
۱۹۸۳ء	۸۸۴	۳۸۳۲	۳۲۸۱	۳۲۲۴	۲۹۳	۱۱۵۱۴
۱۹۸۴ء	۹۳۳	۴۲۴۲	۳۲۸۰	۳۶۰۱	۳۵۱	۱۲۴۰۷
۱۹۸۵ء	۶۹۹	۴۴۵۶	۴۰۲۳	۳۷۶۱	۵۹۴	۱۳۵۳۳
۱۹۸۶ء	۵۵۱	۴۵۴۴	۴۱۳۳	۳۶۵۲	۵۷۱	۱۳۴۵۱
۱۹۸۷ء	۷۵۷	۴۷۷۲	۴۱۱۸	۳۸۰۷	۶۰۳	۱۴۰۵۷
۱۹۸۸ء	۷۰۸	۴۹۵۴	۴۴۳۰	۴۱۹۹	۷۸۳	۱۵۰۷۴

صوبہ وار تعداد شرکائے امتحانات

(برائے سال ۱۹۸۸ء)

نمبر شمار	صوبے	تعداد مراکز	تعداد شرکائے امتحانات
۱	اتر پردیش	۱۲۵	۸ر۸۹۱
۲	راجستھان	۳۴	۱۰ر۸۳۹
۳	مدھیہ پردیش	۱۹	۱۰ر۲۹۴
۴	مغربی بنگال	۱۳	۹۲۵
۵	بہار	۲۰	۸۹۱
۶	دہلی	۷	۴۳۶
۷	جموں و کشمیر	۷	۴۳۲
۸	مہاراشٹر	۲	۸۹
۹	ہریانہ	۲	۶۱
۱۰	آندھرا پردیش	۱	۴۶
۱۱	تمل ناڈو	۱	۳۱

نمبر شمار	صوبے	تعداد مراکز	تعداد شرکائے امتحانات
١٢	گجرات	١	٢٦
١٣	پنجاب	١	٢٣
١٤	بیرونِ ہند (پورٹ لوئس)	١	٩٠
	میزان	٢٤٤	١٥،٠٧٤

قارئین کے خطوط

مدیر کے نام

(۱)

مکرم و محترم بیگ صاحب، سلام مسنون

دو ایک روز ہوئے، رسالہ "ادیب" کا اقبال نمبر ملا۔ فوراً ہی شروع سے آخر تک دیکھ ڈالا، خوب بلکہ بہت خوب ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ ان طلبہ کے لیے جو خصوصی طور پر اقبال کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، یہ خصوصی شمارہ بہت مفید ہوگا، بالخصوص آپ کا مضمون: "مطالعۂ اقبالیات (ایک تنقیدی جائزہ)" نہ صرف طلبہ کے لیے بلکہ عام قاری کے لیے بہت مفید اور کارآمد ہے۔ اس کامیاب نمبر کے لیے مبارک باد قبول فرمائیے۔

—— عبداللطیف اعظمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

(۲)

برادرم بیگ صاحب، تسلیم

خدا کرے "ادیب" کا جشنِ سیمیں نمبر ہر لحاظ سے ایک دستاویز کی حیثیت

میں شائع ہو۔ آپ کی سلیقہ مندی کا قائل ہوں۔ یقین ہے کہ آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا یہ خصوصی شمارہ حُسنِ باطن وحسنِ ظاہر دونوں میں یکتا ہوگا۔

—— (پروفیسر) آفاق احمد، عیدگاہ ہلز، بھوپال

(۳)

مکرمی جناب خلیل احمد صاحب، تسلیم

یہ بات میرے لیے باعثِ مسرت اور قابلِ فخر ہے کہ جامعہ اُردو اپنی گولڈن جبلی منا رہی ہے، اور اس سے زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ اس موقع پر "ادیب" ایک خصوصی نمبر شائع کرے گا۔ میرا جامعہ اور "ادیب" ...... سے طالب علمانہ تعلق ہمیشہ سے ہے۔ اس رسالہ کو پڑھ کر ادیب، ماہر اور کامل کے امتحانات کے بغیر کسی استاد کی مدد کے پاس کیے اور ایم۔ اے میں امتیازی حیثیت اس کے شماروں میں شائع مضامین کو نوٹس کے طور پر ذہن میں محفوظ کیا۔ اور آج بھی طلبہ وطالبات کے لیے مستفیض ہوتا رہتا ہوں ...... میری نیک خواہشات "ادیب" کے ساتھ ہیں۔

—— (ڈاکٹر) ظہیر علی صدیقی، رام پور (یو، پی)

(۴)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب، السلام علیکم

..... پرچہ "ادیب" کا "اقبال نمبر" ایک ساتھی کے ذریعہ نظر نواز ہوا۔ اس میں کچھ مواد ہمارے سلیبس کے موافق ہے لہٰذا ہمیں بھی ایک کاپی "اقبال (نمبر)" کی ..... روانہ فرما کر مشکور کریں ..... اس پرچہ کی جلد اور کتابت و مضامین اتنی جاذب ہے کہ قاری کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اللہ اس پرچے کو ..... ترقی سے نوازے، آمین!

—— شکیل احمد، منل پورہ، پٹنہ سٹی

کوائفِ جامعہ

● ڈاکٹر رفیق زکریا (امیر جامعہ) کا مشہور تاریخی ناول رضیہ جو پہلی بار انگریزی میں شائع ہوا تھا، اب اردو قالب میں سرسید بک ڈپو، علی گڑھ سے شائع ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ ممتاز شاعر اور ادیب علی سردار جعفری صاحب نے کیا ہے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا کی ایک اور کتاب TRIAL OF BENAZIR BHUTTO) ________ (بے نظیر بھٹو کا مقدمہ) ابھی حال میں شائع ہوئی ہے۔

● پروفیسر مسعود حسین خاں (شیخ الجامعہ) نے ساہتیہ اکادمی (نئی دہلی) کے لیے محمد قلی قطب شاہ پر ایک مونوگراف تیار کیا تھا جو پچھلے دنوں شائع ہو گیا ہے۔ اس کتاب میں محمد قلی قطب شاہ کی سیرت و شخصیت اور تاریخی پس منظر کے علاوہ کلیاتِ قلی قطب شاہ کی بازیافت اور اس کے قلمی نسخوں، نیز زبان اور قرأتِ کلام سے بھی بحث کی گئی ہے۔ آخر میں انتخابِ کلام بھی شامل ہے۔ محمد قلی قطب شاہ پر یہ ایک مختصر مگر مستند دستاویز ہے۔

پروفیسر مسعود حسین خاں نے انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام ۲۱ ر اور ۲۲ ر ستمبر ۱۹۸۹ء کو "اردو کے مسائل" پر منعقدہ سیمینار میں شرکت کی اور مقالہ پیش کیا۔ مسعود صاحب نے ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی۔ اس کے علاوہ مسعود صاحب نے بہار اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام ۲۴ ر اور ۲۵ ر ستمبر کو پٹنہ میں منعقدہ سیمینار "قاضی

عبدالودود کی حیات اور کارنامے" میں بھی شرکت کی اور ایک نشست کی صدارت کی۔ انھوں نے اس سیمنار میں "قاضی عبدالودود کا تحقیقاتی اسلوب" کے عنوان سے ایک مقالہ بھی پیش کیا۔

● بہار اُردو اکادمی نے اُردو زبان وادب کی مجموعی خدمات کے اعتراف کے طور پر پروفیسر مختارالدین احمد (نائب شیخ الجامعہ) کو پانچ ہزار روپے کا ایوارڈ دینا منظور کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختارالدین صاحب نے بہار اُردو اکادمی کے قاضی عبدالودو سیمنار (منعقدہ ۲۴ اور ۲۵ ستمبر ۱۹۸۹ء) میں بھی شرکت کی اور بعنوان "قاضی عبدالودود اور مرزا غالب" مقالہ پڑھا۔ آپ نے اس سیمنار کے ایک جلسے کی صدارت بھی فرمائی۔

● پروفیسر گوپی چند نارنگ (رکن مجلس عام مجالس منتظمہ) پچھلے دنوں جشن عالی میں شرکت کے لیے ابوظبی تشریف لے گئے۔ نارنگ صاحب نے وہاں عالی صاحب کے فن پر پر مغز مقالہ پڑھا۔ انھوں نے سیمنار میں نظامت کے فرائض بھی انجام دیے۔ جشن عالی سے واپسی پر نارنگ صاحب پاکستان گئے اور انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کے زیر اہتمام نیپا آڈیٹوریم میں ساختیات کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔ علامہ نیاز فتح پوری کی برسی کے سلسلے میں غالب لائبریری (ناظم آباد) میں جو جلسہ ہوا اس میں نارنگ صاحب نے اسلوبیات پر ایک مقالہ پڑھا۔ پچھلے دنوں نارنگ صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب "اسلوبیات اور ادبی تنقید" دہلی سے شائع ہوئی۔

● اراکین جامعہ پروفیسر مغنی تبسم (حیدرآباد)، پروفیسر عبدالمغنی (پٹنہ) اور پروفیسر لطف الرحمٰن (بھاگل پور) نے علی گڑھ میں ۲۴ تا ۲۶ ستمبر ۱۹۸۹ء "مولانا ابوالکلام آزاد اور قومی تحریک" پر منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمنار میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے۔ یہ سیمنار حکومت ہند کے مالی تعاون سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور قومی کمیٹی برائے مولانا ابوالکلام آزاد صدی تقریبات کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا۔ سیمنار کے ڈائرکٹر پروفیسر قاضی عبدالستار تھے۔

● ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (اعزازی خازن) کی کتاب پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ پچھلے دنوں ساہتیہ اکادمی (نئی دہلی) کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں پنڈت کیفیؔ کی حیات و شخصیت اور ان کے لسانی کارناموں نیز علمی و ادبی خدمات کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ نے جون، جولائی ۱۹۸۹ء کے دوران پاکستان کا بھی سفر کیا۔ انجمن ترقی اُردو (پاکستان) اور ادارۂ یادگارِ غالب، غالب لائبریری (ناظم آباد) نے انھیں استقبالیہ دیا۔ فکشن گروپ (کراچی) نے ان کے اعزاز میں جلسہ کیا اور کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کے ایک خصوصی جلسے میں انھوں نے "ادب کی تخلیق میں زبان کا حصہ" پر مقالہ پڑھا۔ جلسے کی صدارت پروفیسر ابواللیث صدیقی، پروفیسر ایمے رٹیس، کراچی یونیورسٹی نے فرمائی۔ ڈاکٹر بیگ لاہور اور ملتان بھی گئے اور وہاں کے ادبی جلسوں میں شرکت کی۔

● شیخ الجامعہ پروفیسر مسعود حسین خاں نے یوپی میں اُردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے پر شری راجیو گاندھی (وزیر اعظم ہند)، شری نراین دت تواری (وزیر اعلیٰ اُتر پردیش) اور شری عمار رضوی (وزیر برائے پارلیمانی امور، یوپی) کو شکریے کے تار روانہ کیے جس کا متن یہ تھا:

"اُتر پردیش میں اُردو کے ساتھ انصاف کیے جانے کے لیے
جامعۂ اُردو، علی گڑھ کی جانب سے امتنانِ تشکر۔"

(ترجمہ)

● جامعۂ اُردو کے ۱۹۸۸ء کے امتحانات میں حسب ذیل امیدواروں نے پہلی پوزیشن حاصل کی:

۱۔ محمد عارف (مالیر کوٹلہ)، ابتدائی
۲۔ محمد حسین (بستی)، ادیب
۳۔ شکیلہ (ناگلوئی)، ادیب ماہر

(باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

○ پروفیسر مسعود حسین خاں، شیخ الجامعہ

اُردو دوسری سرکاری زبان

"یہ بالکل غیر ممکن نہیں ہے کہ موجودہ کلبی اور 'ووٹ زدہ' آفندا کی کھلواڑ میں اُردو کو کسی نہ کسی دن ایک علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ایسا کرنا اس ملک کے مفاد کے حق میں نہیں ہوگا کیوں کہ اُردو کی حیثیت ایک غیر سیکولر عنصر کی ہے جس میں نہایت قوی مذہبی میلانات موجود ہیں جو سیکولر یک جہتی کے منافی ہیں۔"

ان الفاظ پر پریم چند کے سپوت اور ہندی کے مشہور ادیب شری امرت رائے کی ۱۹۸۴ء میں شائع شدہ فاضلانہ تصنیف "گھر بٹوارہ" (A HOUSE DIVIDED) کا خاتمہ ہوتا ہے!

وہ "روزِ سیاہ" جس کا امرت لال کو اندیشہ تھا آج آ گیا ہے۔ اُتر پردیش میں اُردو دوسری سرکاری زبان بنا دی گئی ہے۔ اس کے لیے بدایوں میں خون کا نذرانہ بھی دے دیا گیا ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اُردو کا کاروبار جزوی مراعات سے چلایا جا سکے گا آج انگشت بدنداں ہیں۔ کسی زبان کی قانونی حیثیت ہی وہ منبع و سرچشمہ ہوتی ہے جس سے تمام مراعات جاری ہوتی ہیں۔

اب اس قانونی حیثیت کو مراعات میں تبدیل کرانے کی ذمہ داری خود اُردو بولنے والوں کے سر ہے۔ اس کے لیے:

● سب سے پہلے انھیں جدوجہد کا آغاز اپنے 'آنگن' سے کرنا ہوگا۔ پچھلے بیالیس سال کی مدت میں تعصب اور تساہل دونوں نے مل کر اُردو کا نظامِ تعلیم اُتر پردیش میں تہس نہس کر دیا ہے، اس طرح کہ آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تین اسکولوں کو چھوڑ کر آپ اور کہیں اُردو کے ذریعے اپنے بچوں کو ہائی اسکول نہیں کرا سکتے۔ آج اُتر پردیش میں کوئی سرکاری ابتدائی، ثانوی یا اعلیٰ ثانوی تعلیم کا ادارہ موجود نہیں۔ لہٰذا اُردو والوں کی 'آنگن' کی لڑائی کا آغاز اس یقین سے ہونا چاہیئے کہ اُردو ان کی ایک تاریخی اور تہذیبی قدر و ضرورت ہے۔ مادری زبان کی تعلیم کے بغیر لسانی گروہ گونگے بہرے ہو جاتے ہیں۔ ان کے تصوّراتِ زندگی بدل جاتے ہیں۔ اُن کے تخلیقیہ میں خلل اندازی آجاتی ہے۔ بچوں کے دماغوں میں علم کے چراغ صرف مادری زبان میں تعلیم دینے سے روشن کیے جا سکتے ہیں۔ ہم اپنے تعلیمی اداروں سے طوطے نہیں پیدا کرنا چاہتے، طوطی پیدا کرنا چاہتے ہیں جن کا بول بالا ہوتا ہے۔ اُردو میں یقین کو استوار کرنے کے بعد ہی (جس میں اقرار باللسان کے ساتھ ساتھ تصدیق بالقلب بھی ضروری ہے) ہم اُردو کے احیاء کا کوئی بامعنی پروگرام مرتب کر سکتے ہیں۔

● اُردو کی نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر ہمیں اس کے انتظامیہ اور عدلیہ میں چلن پر بھی نظر رکھنی چاہیے لیکن سب سے اہم پروگرام اس کے نظامِ تعلیم کی از سرِ نو تنظیم کا ہے:

جس گاؤں میں اُردو پڑھنے والے سو بچے بھی ہوں وہاں ایک سرکاری پرائمری اسکول کی مانگ کی جائے۔ یہ سرکاری اسکول متوازی کلاسوں کی شکل میں نہ ہو بلکہ علاحدہ عمارت میں اُردو جاننے والوں کے زیرِ نگرانی ہو تاکہ اس میں کسی جانب سے بے جا مداخلت نہ ہو سکے۔ پرائمری سطح پر اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان نہ

سکھائی جائے۔

● جس بڑے گاؤں یا قصبوں کے محلوں میں ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے اُردو بچوں کی تعداد سَو سے دو سَو تک ہو وہاں سرکاری ثانوی اسکولوں کا قیام ہندی اسکولوں سے ایک اور چھ کے تناسب سے عمل میں لانے کی مانگ کی جائے۔ ثانوی سطح پر پہلے ہندی اور اس کے بعد انگریزی لازمی طور سے پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ لیکن ذریعۂ تعلیم تمام مضامین کا اُردو ہی رہے۔ ان اسکولوں کا انتظام بھی اُردو والے کریں۔ اس لیے کہ ابھی تک ہندی والوں کا ذہن بالعموم اُردو کی جانب سے صاف نہیں ہے ؎

میں سادہ دل تھا کہ دامن پہ اُن کے رو بھی دیا
مگر گلوں کے دلوں میں ابھی غبار سا ہے

● اعلیٰ ثانوی مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کا عام انداز سائنس کی طرف ہو جب کہ اس سطح کی ہندی کا عام رُخ 'ادبی' نہیں انتظامیہ اور عدلیہ اور دفاتر میں استعمال کی جانے والی ہندی کی جانب ہو۔ ذریعۂ تعلیم اُردو رہے لیکن سائنس کی بین الاقوامی اصطلاحات سے طالب علم کو روشناس کرانا ضروری ہے۔

● جہاں تک کالج کی سطح کی تعلیم کا سوال ہے اس ضمن میں بھی ایسے شہروں اور اضلاع میں جہاں اُردو بولنے والی آبادی کا جماؤ ہے، اُردو میڈیم کے سرکاری کالجوں کا ایک اور چھ کے تناسب سے قیام ضروری ہے۔ سائنس کے مضامین کی تعلیم میں ہم وہی کریں گے جو ہندی میڈیم کے سرکاری کالج کر رہے ہیں، یعنی اصطلاحات بین الاقوامی لیکن زبان اور تشریحات اپنی۔ جوں جوں ہندی میڈیم کے کالجوں میں انگریزی کا چلن کم اور ہندی کا بڑھتا جائے گا، اُردو کالجوں میں یہی صورت اختیار کرنا ہوگی۔ البتہ اُردو میں اصطلاحاتِ علمیہ کی جانب خاص طور پر توجہ دینا ہوگی۔ اس لیے کہ ہندی میں ایسی اصطلاحات 'اچھی بری' اپنالی گئی ہیں جب کہ اُردو اصطلاحات سازی، جامعۂ عثمانیہ کی سطح پر آکر رک سی گئی ہے۔ یہ کام

بعض مرکزی ادارے کر سکتے ہیں اس لیے کہ ان کی ضرورت بہار اور دیگر ریاستوں میں بھی اُردو کو اعلیٰ تعلیم کی سطح پر لانے کے لیے پڑے گی۔

اس سلسلے میں ترقیٔ اُردو بیورو (نئی دہلی) اور مختلف ریاستی اکادمیوں کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

● میں برابر لکھتا رہا ہوں کہ اُردو کا حق نہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ادا کیا ہے اور نہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی نے۔ اس کے بہت کچھ ذمہ دار تو حالات ہیں، لیکن کچھ کم ذمہ داری ان اداروں کے سربراہوں اور اساتذہ کی بھی نہیں ہے۔ کوئی سربراہ اس بات پر زور دیتا رہا کہ آئی۔ اے۔ ایس اور آئی۔ ایف۔ ایس پیدا کرنے میں ملّت کی نجات ہے۔ حالاں کہ اس سے ایک فی صد بھی فرزندانِ ملّت فیضیاب نہیں ہوتے۔ ملّت کا جمِ غفیر تو رکشا چلانے والوں، تانگا بنانے والوں، کرگھے کا کام کرنے اور ٹھیلے کی تجارت میں مصروف لوگوں کا ہے۔ ان کی روزی روٹی انھیں پیشوں سے متعلق ہے۔ انھیں انگریزی یا مقابلے کے امتحانات نہیں چاہئیں، صرف علم کی روشنی چاہیے، اس قدر علم کہ وہ اپنی مادری زبان میں ایک اخبار پڑھ سکیں اور ایسی کتب سے استفادہ کر سکیں جو حفظانِ صحت، علمِ خانہ داری، جنرل سائنس اور ان کے پیشے سے متعلق ہوں اور اسی زبان کے ذریعے وہ اپنے ماضی کے دریچوں میں جھانک سکیں۔ بعض سربراہ یہ سبق پڑھاتے رہے کہ اُردو کے لیے رومن اختیار کر لو درا صل ' بطنِ شاعر' میں تو دیوناگری تھی لیکن ماحول اس کے لیے لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا تھا، کہیں اور بس نہیں چل سکا تو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تمام سائن بورڈوں کو رومن رسمِ خط میں کرا دیا۔ یہ اندازِ فکر ۱۹۴۷ء سے پہلے کا ہے اس لیے اس پر صرف تاسف کیا جا سکتا ہے۔

● علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملّیہ اسلامیہ جیسے اداروں کی اصل فصیل صرف اُردو ہو سکتی ہے جس کے ذریعے سے اس کے سیکولر اور تاریخی کردار کو بچایا جا سکتا ہے۔

حرفِ آخر: دوستو! جب انصاف ملتا ہے تو ملنے والے کو خوشی ہوتی ہے۔ لیکن اس خوشی میں پاگل نہیں ہو جانا چاہیے کہ دوسروں کے پیروں کو روندنے لگو۔ اُردو، اُردو والوں کا پیدائشی حق ہے وہ اسے کاغذ پر مل گیا۔ اب اس پر ایک پروگرام کے تحت عمل درآمد کرانے کی ضرورت ہے۔ ہندی یا ہندی والوں سے ہمارا کوئی ٹکراؤ نہیں، ہندی ہندوستان کی سب سے بڑی زبان ہے، یہ ہمارے لیے رابطے کی زبان کا حکم رکھے گی، لیکن مادری زبان کا نہیں، ہندوستان کی ساری زبانیں 'قومی' (راشٹریہ) زبانیں ہیں۔ اس اعتبار سے ہندی کی کوئی تخصیص نہیں۔ تعلیمی نظام میں یہ انگریزی کا مقام نہیں لے سکتی۔ یہ مقام تو ہندوستان کی ساری بڑی زبانوں کا (بہ شمول اُردو) ہوگا۔

وقت اپنے کو آزمانے کا ہے نہ کہ غیر کو



عالی جناب

نواب رحمت اللہ خاں شروانی

(رئیسِ جامعہ)



عالی جناب

ڈاکٹر رفیق زکریا

(امیرِ جامعہ)



جناب مالک رام
(نائب امیر جامعہ)



پروفیسر مسعود حسین خاں
(شیخ الجامعہ)



پروفیسر مختار الدین احمد
(نائب شیخ الجامعہ)



ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ
(اعزازی خازن)



پروفیسر آفاق احمد
(رکن مجلس عام و امتحان کمیٹی)



پروفیسر حکم چند نیّر
(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)



ڈاکٹر خلیـ انجم
(رکن مجلـ ـام و تعلیمی کمیٹی)



پروفیسر خواجہ احمد فاروقی
(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)



ڈاکٹر سید ثاقب حسن رضوی
(رکن مجلس عام)



جناب سید عبدالعزیز
(رکن مجلس عام)



جناب سید معظم علی شاہ
(رکن مجلس عام و امتحان کمیٹی)



پروفیسر ظفر اوگانوی
(رکن مجلس عام و تعلیمی کمیٹی)



پروفیسر ظہیر احمد صدیقی
(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)



ڈاکٹر عبدالمغنی
(رکن مجلس عام و تعلیمی کمیٹی)



پروفیسر عتیق احمد صدیقی
(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)



پروفیسر قمر رئیس
(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)



پروفیسر گوپی چند نارنگ
(رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ)



پروفیسر لطف الرحمٰن
(رکن مجلسِ عام)



پروفیسر محمد ذاکر
(رکن مجلسِ عام)



پروفیسر مغنی تبسم
(رکن مجلسِ عام)



محمد طاہر فاروقی

(موسس رجسٹرار جامعہ اُردو)



سید ظہیر الدین علوی

(سابق رجسٹرار جامعہ اُردو)

تصاویر: بہ شکریہ عبدالسلام انصاری، جامعہ اُردو، علی گڑھ

ضمیمہ

(کوائفِ شخصی)

○ نواب محمد رحمت اللہ خاں شروانی ○ ڈاکٹر رفیق زکریا
○ جناب مالک رام ○ پروفیسر مسعود حسین خاں ○
پروفیسر مختار الدین احمد ○ ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ ○ پروفیسر
آغاف احمد ○ پروفیسر حکم چند نیّر ○ ڈاکٹر خلیق انجم ○
پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ○ ڈاکٹر سیّد ثاقب حسن رضوی ○
جناب سیّد عبدالعزیز ○ ڈاکٹر سیّد معظم علی شاہ ○ پروفیسر
ظفر اوگانوی ○ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی ○ ڈاکٹر عبدالمغنی
○ پروفیسر عتیق احمد صدیقی ○ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ○ پروفیسر
قمر رئیس ○ پروفیسر گوپی چند نارنگ ○ پروفیسر لطف الرحمٰن
○ پروفیسر محمد ذاکر ○

● ہمیں افسوس ہے کہ بعض معزز اراکین جامعہ سے ہمیں اُن کے فوٹو اور کوائفِ شخصی موصول نہیں ہو سکے۔

نواب محمد رحمت اللہ خاں شروانی

(رئیس جامعہ)

نواب محمد رحمت اللہ خاں صاحب شروانی ضلع علی گڑھ کی ایک قدیم ریاست بھیکم پور کے والیِ ریاست نواب بہادر سر محمد مزمل اللہ خاں شروانی کے خلف ہیں۔ آپ ۱۶ر فروری ۱۹۲۹ء کو ریاست بھیکم پور میں پیدا ہوئے۔ آپ اس معزز و موقر علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جو شروع ہی سے سر سید احمد خاں کے نظریات کا حامی تھا۔ آپ کے والدِ امجد نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کے فروغ میں ہر موقع پر سر سید کا ساتھ دیا تھا۔ وہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (M.A.O. COLLEGE) کے اولین ٹرسٹیوں (TRUSTEES) میں تھے۔ یونیورسٹی بننے کے بعد بھی اس ادارے سے ان کی دلچسپی برقرار رہی۔ چنانچہ مختلف اوقات میں تین بار وہ اس کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ ان کا انتقال ۲۰ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ وہ امورِ سیاست اور مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے دلچسپی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا بھی رچا ہوا ذوق رکھتے تھے۔ اُردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی بے تکلف شعر کہتے تھے۔ "دُرجِ لولوئے فصاحت" ان کا ضخیم مجموعۂ کلام ہے جو ۱۹۴۱ء میں پہلی بار علی گڑھ سے شائع ہوا۔ والد کے علاوہ نواب رحمت اللہ صاحب کی دو

ہمشیرگان بھی شعر کہتی تھیں۔ بڑی ہمشیرہ زاہدہ خاتون جو اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں عین عالم شباب میں اللہ کو پیاری ہوگئیں، ان کا تخلص نزہت تھا۔ انھوں نے "فردوس تخیل" کے نام سے اپنا ایک ضخیم دیوان یادگار چھوڑا ہے جو چھپ چکا ہے۔ دوسری بہن احمدی بیگم نکہت بھی شعر کہتی تھیں لیکن انھوں نے اپنا کلام از خود ضائع کردیا۔ افسوس کہ یہ زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ نواب صاحب کے بڑے بھائی محمد احمد اللہ خاں شروانی بھی اُردو کے ایک اچھے شاعر تھے اور حیرآن تخلص کرتے تھے۔

نواب رحمت اللہ خاں صاحب شروانی کی تعلیم کا آغاز گھر پر عربی فارسی سے ہوا۔ پھر انھیں ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسکول منٹوسرکل (اب سیدنا طاہر سیف الدین ہائی اسکول) میں چھٹی جماعت میں داخل کیا گیا۔ ابھی وہ چھٹی کا امتحان پاس کرکے ساتویں جماعت میں داخل ہوئے تھے کہ انھیں دُون اسکول (دہرہ دُون) بھیج دیا گیا۔ وہاں ان کا داخلہ پانچویں جماعت میں ہوا۔ دُون اسکول میں انھوں نے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک تعلیم پائی۔ وہ وہاں سے سینیر کیمبرج کرنا چاہتے تھے لیکن طبیعت خراب ہوجانے کی وجہ سے انھیں وہاں سے لوٹنا پڑا اور تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس زمانے میں دُون اسکول کے پرنسپل اے۔ ای۔ فٹ (AURTHER EDWARD FOOT) تھے۔ وہاں کے اساتذہ میں حامد حسن بلگرامی کی شخصیت سے وہ کافی متاثر ہوئے جو اردو اور فارسی پڑھاتے تھے۔ دُون اسکول سے واپسی پر نواب صاحب نے اپنا مطالعہ بدستور جاری رکھا اور رومیؔ، حافظؔ، سعدیؔ اور خیامؔ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اقبالؔ کے کلام کا بھی انھوں نے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے۔ ادبیات کے علاوہ تاریخ سے بھی آپ کو گہری دلچسپی رہی ہے۔ نواب صاحب نے کبھی شعر نہیں کہا لیکن انھیں اچھے شعر جمع کرنے کا بچپن ہی سے بے حد شوق رہا ہے۔ ان کے پاس ایک قدیم بیاض ہے جس میں وہ اپنے پسندیدہ شعر لکھ لیا کرتے ہیں۔ نواب صاحب کی شادی ۱۹۵۰ء میں حاجی محمد جان خاں صاحب

کی دختر مرتضائی بیگم صاحبہ سے ہوئی۔ آپ کے ماشاءاللہ دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ بیٹی تہمینہ نکہت نے نفسیات میں ایم۔اے کیا ہے اور اب شادی کے بعد اپنا گھر بار سنبھالے ہوئے ہیں۔ بیٹے محمد مدحت اللہ خاں شروانی نے دؤن اسکول (دہرہ دؤن) میں تعلیم پائی اور ان دنوں سیتاپور (یوپی) میں اسسٹنٹ کلکٹر (کسٹم) کے عہدے پر فائز ہیں۔

نواب رحمت اللہ صاحب کو تین چیزوں کا شوق شروع ہی سے رہا ہے شکار، کرکٹ اور مطالعہ۔ شکار کھیلنا تو اب موقوف ہو گیا ہے، البتہ کرکٹ کے کھیل سے دیکھنے کی حد تک دلچسپی برقرار ہے اور مطالعہ کا شوق تو اب پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ نواب صاحب کی ذاتی لائبریری میں اخبارات ورسائل کے علاوہ دس ہزار کتابیں موجود ہیں جن میں ڈیڑھ ہزار صرف قلمی نسخے ہیں۔ ان میں بعض نوادرات ایسے ہیں جو دنیا میں کہیں اور دستیاب نہیں۔ مثلاً "تفسیر کشاف" مصنفہ زمخشری عربی زبان کا ایک ایسا نادر قلمی نسخہ ہے جس پر شیخ سعدیؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔ اسی طرح اس لائبریری میں ۶۲۶ھ کا عربی کا ایک قلمی نسخہ "مقاماتِ حریری" بھی موجود ہے۔

مطالعہ کے علاوہ نواب رحمت اللہ صاحب کو علمی کاموں سے بھی بیحد دلچسپی ہے۔ رشید احمد صدیقی اور ڈاکٹر ذاکر حسین پر آپ کے مضامین قابلِ قدر ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مثنوی مولانا روم کا انتخاب کیا ہے اور اس پر تعارفی نوٹ اور حواشی لکھے ہیں۔ یہ ایک لحاظ سے تدوین کا کام بھی ہے۔ مولانا آزاد کی تصنیف "غبارِ خاطر" کی تدوین میں آپ نے مالک رام صاحب کی بہت مدد کی۔ آپ نے "غبارِ خاطر" کے ۹۲ حوالہ جات مالک رام صاحب کو دیے جن کی مدد سے انھوں نے اس کتاب کے حواشی تیار کیے۔ اس کا اعتراف مالک رام صاحب نے بڑی ممنونیت کے ساتھ کیا ہے۔

نواب صاحب ایک اچھے مقرر بھی ہیں، علمی جلسوں میں آپ بڑی پُرمغز تقریریں کرتے ہیں اور اپنے حسنِ بیان سے سامعین کا دل موہ لیتے ہیں۔

نواب صاحب ان دنوں کئی علمی انجمنوں اور تعلیمی اداروں سے وابستہ ہیں۔ آپ جامعۂ اُردو، علی گڑھ کی پچھلے چالیس سال سے سرپرستی فرمارہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر ہیں۔ سرسید ایجوکیشن ڈیولپمنٹ سوسائٹی کے خازن ہیں۔ ذاکر حسین ماڈل ہائر سکنڈری اسکول (علی گڑھ) کے حیاتی صدر ہیں۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین، دہلی کے حیاتی رکن ہیں، گاندھی آئی ہاسپٹل (علی گڑھ) ٹرسٹ کے رکن ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کئی سال تک مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے بھی رکن رہے ہیں۔ اُردو کے فروغ اور اس کی ترقی و بقا کی فکر آپ کو ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔ جامعۂ اُردو کو آپ ایک اُردو یونیورسٹی میں منتقل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُردو آپ کے نزدیک ایک قدر ہے۔ آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ "بغیر اُردو کے تحفظ کے ہم اپنی تہذیب کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔"

(مدیر)

بقیہ "مرزا خلیل احمد بیگ" (صفحہ ۱۱۹ سے مسلسل):

انعامات : ۱۔ "زبان، اسلوب اور اسلوبیات" پر اترپردیش اُردو اکادمی انعام (۱۹۸۴ء)، ۲۔ "اُردو کی لسانی تشکیل" پر اترپردیش اُردو اکادمی انعام (۱۹۸۶ء)، ۳۔ بہار اُردو اکادمی انعام (۱۹۸۶ء)۔

حیاتی رکن : ۱۔ لنگوسٹک سوسائٹی آف انڈیا، ۲۔ ڈراویڈین لنگوسٹکس ایسوسی ایشن، ۳۔ فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

دیگر کوائف : ۱۔ وزیٹنگ فیلو، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ (جون، جولائی ۱۹۸۰ء)، ۲۔ رکن وضعِ اصطلاحات کمیٹی برائے لسانیات، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی (۱۹۸۲ء تا دسمبر ۱۹۸۴ء)، ۳۔ اعزازی خازن، جامعۂ اُردو، علی گڑھ (۱۹۸۶ء تا حال)، ۴۔ اعزازی ڈائریکٹر، تعلیمی مرکز، علی گڑھ (۱۹۸۵ء تا حال)، ۵۔ جولائی ۱۹۸۰ء میں خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ کی دعوت پر وہاں اُردو

(باقی صفحہ ۱۴۹ پر)

ڈاکٹر رفیق زکریا

(امیر جامعہ)

ڈاکٹر رفیق زکریا ۵ راپریل ۱۹۲۰ء کو مہاراشٹر کے ایک ساحلی علاقے نلہ سوپارہ میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم بمبئی اور انگلستان میں رہ کر حاصل کی۔ بمبئی یونیورسٹی میں ایم۔اے میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر انھیں چانسلر کا طلائی تمغہ ملا۔ اس کے تین سال بعد انھوں نے لندن یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے لندن سے بارایٹ لا کا بھی امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۹ء میں ہندوستان واپس آئے اور تقریباً دس سال تک مختلف حیثیتوں سے بمبئی ہائی کورٹ سے منسلک رہے۔

قانون کے علاوہ ڈاکٹر زکریا کو صحافت سے بھی دل چسپی رہی ہے۔ وہ اپنے قیام لندن کے دوران وہاں کے اخبارات مثلاً "نیوز کرانکل" اور "آبزرور" سے وابستہ رہے۔ وہ "ٹائمز آف انڈیا" میں کئی سال تک "ایشیا نوٹ بک" کے عنوان سے مستقل کالم بھی لکھتے رہے۔

ڈاکٹر رفیق زکریا طالب علمی ہی کے زمانے سے سیاست میں حصہ لینے لگے تھے۔ لندن

میں اپنے قیام کے دوران بھی وہ سیاست میں دلچسپی لیتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں وہ آل انڈیا اسٹوڈنٹس کانگریس کے نمائندے کی حیثیت سے پراگ تشریف لے گئے۔ واپسی پر بمبئی پردیش کانگریس کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ آل انڈیا کانگریس کی مرکزی کمیٹی کے رکن بھی مقرر ہوئے۔ زکریا صاحب کا مہاراشٹر کی ریاستی اسمبلی سے ۱۹۶۰ء سے تعلق پیدا ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں انھوں نے اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے اسمبلی کا انتخاب جیتا اور ڈپٹی وزیر مقرر ہوئے۔ دو سال بعد وہ کابینہ کے مرتبے تک پہنچ گئے۔ اور تقریباً ۱۵ سال تک وہ مہاراشٹر کی کابینہ کے وزیر رہے۔ اس کے بعد وہ پارلیمنٹ کے ممبر بنے۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر زکریا اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہندوستان کے نمائندہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں وہ جامعہ اُردو علی گڑھ کے چانسلر (امیر جامعہ) مقرر ہوئے اور تاحال اس عہدے پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر رفیق زکریا ایک سیاسی مدبّر ہونے کے علاوہ ایک ممتاز دانشور اور معروف ادیب بھی ہیں۔ پنڈت نہرو پر ان کی انگریزی تصنیف کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ رضیہ کی زندگی پر مبنی ان کے تاریخی ناول کو بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۱۹۸۷ء میں ان کا مشہور سیاسی ناول THE PRICE OF POWER شائع ہوا جسے علمی و ادبی حلقوں میں بے حد پسند کیا گیا۔

ڈاکٹر رفیق زکریا کو تعلیمی، تہذیبی اور سماجی فلاح و بہبود کے کاموں سے بھی بے حد دلچسپی رہی ہے۔ وہ کئی تعلیمی اداروں کے بانی ہیں۔ انھوں نے مولانا آزاد ایجوکیشنل ٹرسٹ قائم کیا جس کے زیر اہتمام اورنگ آباد میں مولانا آزاد کالج آف آرٹس، سائنس اینڈ کامرس قائم ہوا۔ جس سے وہاں کے مسلمانوں میں ایک نئی تعلیمی بیداری پیدا ہوئی۔

مولانا آزاد کالج کے علاوہ دکن کے دوسرے تعلیمی اداروں مثلاً مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن، کملا نہرو کالج آف فارمیسی، نوکھنڈا ویمنس کالج اور مہاراشٹر کالج آف آرٹس، سائنس اور کامرس کو بھی ان کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہے۔ انھیں خدمات کی وجہ سے ڈاکٹر رفیق زکریا کو "دکن کا سرسید" اور "فرزندِ مہاراشٹر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مدیر)

جناب مالک رام
(نائب امیرِ جامعہ)

نام : مالک رام بوچیہ
والد : لالہ نہال چند بوچیہ
والدہ : بھگوان دیوی
تاریخِ پیدائش : دسمبر ۱۹۰۶ء (سرکاری کاغذات میں تاریخِ پیدائش غلطی سے ۸ر مارچ ۱۹۰۷ء درج ہوگئی ہے)۔
جائے پیدائش : قصبہ پھالیہ، ضلع گجرات، پنجاب (اب پاکستان کا جزو ہے)۔
تعلیم : ۱۔ ہائی اسکول، ۱۹۲۴ء، وکٹوریہ ڈائمنڈ جوبلی ہائی اسکول، وزیرآباد، ضلع گوجرانوالہ، ۲۔ انٹرمیڈیٹ، ۱۹۲۶ء، گورنمنٹ انٹر کالج، گجرات، پنجاب، ۳۔ بی۔اے ۱۹۲۸ء، ڈی۔اے۔وی کالج، لاہور (مضامین: تاریخ، اقتصادیات اور انگریزی)، ۴۔ ایم۔اے (تاریخ)، گورنمنٹ کالج، لاہور، ۵۔ ایل ایل۔بی، ۱۹۳۳ء۔
ادارت : ۱۔ "نیرنگِ خیال" (لاہور)، ۲۔ ہفتہ وار "آریہ گزٹ"

(لاہور)، ۳۔ روزنامہ "سعادت ماتا" (لاہور)، ششماہی "تحریر" (نئی دہلی)۔

شادی : مئی ۱۹۳۱ء

بیوی : شریمتی ودیا وتی

اولادیں : ۱۔ آفتاب، ۲۔ سلمان، ۳۔ اوشا، ۴۔ ارونا، ۵۔ بشریٰ۔

ملازمت : یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے حکومت ہند کے محکمۂ تجارت میں تقرری، اپریل ۱۹۶۵ء میں حکومت کی ملازمت سے سبک دوشی۔

سیر و سیاحت : مصر، عراق، ترکی، بلجیم، لبنان، فلسطین، سوڈان، افغانستان، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، سوئزرلینڈ، انگلینڈ، روس، ایران۔

موجودہ منصب : منیجنگ ڈائرکٹر، جالندھر موٹر ایجنسی لمیٹڈ۔

تصنیفات : ۱۔ ذکرِ غالب، ۱۹۳۸ء، ۱۹۶۴ء (دہلی)، ۲۔ تلامذۂ غالب، ۱۹۵۸ء (نکودر)، ۳۔ عورت اور اسلام، ۱۹۵۱ء (لکھنؤ)، ۴۔ مرزا غالب (انگریزی میں)، ۱۹۶۸ء (نئی دہلی)، ۵۔ ایرانی شہنشاہی کے ڈھائی ہزار سال، ۱۹۷۱ء (دہلی)، ۶۔ تذکرۂ معاصرین (چار جلدوں میں)، ۷۔ تحقیقی مضامین، ۸۔ گفتارِ غالب، ۹۔ اسلامیات، ۱۰۔ وہ صورتیں الٰہی۔

مرتبات : ۱۔ سبد چین (۱۹۳۸ء)، ۲۔ دیوانِ غالب (۱۹۵۷ء)، ۳۔ خطوطِ غالب (۱۹۶۲ء)، ۴۔ گلِ رعنا (۱۹۷۰ء)، ۵۔ عیارِ غالب (۱۹۶۷ء)، ۶۔ غبارِ خاطر (۱۹۶۷ء)، ۷۔ تذکرہ (۱۹۶۸ء)، ۸۔ خطباتِ آزاد، ۹۔ اعلان الحق (۱۹۷۰ء)، ۱۰۔ افکارِ محروم (۱۹۶۷ء)، ۱۱۔ نذرِ ذاکر (۱۹۶۷ء)، ۱۲۔ نذرِ عرشی (۱۹۶۵)، ۱۳۔ کربل کتھا (با اشتراک)، ۱۹۶۵ء، ۱۴۔ جگر بریلوی: شخصیت اور فن (۱۹۷۰ء)، ۱۵۔ کلیاتِ عرش ملسیانی، ۱۵۔ نذرِ مختار (۱۹۸۰ء)

(مدیر)

پروفیسر مسعود حسین خاں

(شیخ الجامعہ)

نام : مسعود حسین خاں

پیدائش : ۲۸ جنوری ۱۹۱۹ء، قائم گنج (یوپی)۔ (سرکاری کاغذات میں تاریخ پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۱۷ء غلط درج ہوگئی ہے)

تعلیم : ۱۔ ابتدائی تعلیم (دوسرے سے آٹھویں درجے تک)، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی (۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۳ء)، ۲۔ ہائی اسکول، ۱۹۳۵ء، ڈھاکہ، ۳۔ انٹرمیڈیٹ، ۱۹۳۷ء، ڈھاکہ، ۴۔ بی۔ اے ۱۹۳۹ء، اینگلو عربک کالج (موجودہ ذاکر حسین کالج)، دہلی یونیورسٹی، ۵۔ ایم۔ اے (اردو)، ۱۹۴۱ء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۶۔ پی ایچ۔ ڈی، ۱۹۴۵ء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۷۔ ڈی۔ لٹ (دکتور د یونیورسٹے)، ۱۹۵۳ء، پیرس یونیورسٹی۔

ملازمت : ۱۔ پروگرام اسسٹنٹ (انچارج اردو ہندی ٹاکز)، آل انڈیا ریڈیو، دہلی (مارچ ۱۹۴۲ء تا ستمبر ۱۹۴۲ء)، ۲۔ لکچرر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء)، ۳۔ ریڈر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۲ء)، ۴۔ پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد (۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۸ء)، ۵۔

پروفیسر و صدر، شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۷ء)، ۶۔ وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی (۲ر نومبر ۱۹۷۳ء تا ۱۵ر اگست ۱۹۷۸ء)، ۷۔ باز ملازمت، شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۶ر اگست ۱۹۷۸ء تا اگست ۱۹۸۰ء)، ۸۔ وزٹنگ پروفیسر، شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (ستمبر ۱۹۸۰ء تا ستمبر ۱۹۸۱ء)، ۹۔ وزٹنگ پروفیسر، اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر (ستمبر ۱۹۸۱ء تا دسمبر ۱۹۸۱ء اور مارچ ۱۹۸۲ء تا دسمبر ۱۹۸۲ء)۔

اعزازات : ۱۔ سینیر فیلو، ایسوسی ایشن آف ایشین اسٹڈیز، مشی گن، امریکا (۱۹۵۸ء تا ۱۹۵۹ء)، ۲۔ وزٹنگ ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (برکلے)، امریکا (۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۰ء)، ۳۔ قائم مقام سکریٹری، انجمن ترقی اردو (ہند)، (اکتوبر ۱۹۶۹ء تا مئی ۱۹۷۰ء)، ۴۔ صدر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسٹاف ایسوسی ایشن (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۲ء)، ۵۔ صدر، وضعِ اصطلاحات کمیٹی برائے لسانیات ترقی اردو بورڈ (بیورو)، وزارتِ تعلیم، حکومتِ ہند (۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۵ء)، ۶۔ شیخ الجامعہ، جامعۂ اردو، علی گڑھ (جنوری ۱۹۷۳ء تا حال)، ۷۔ نائب صدر (وائس چیرمین)، ترقی اردو بورڈ (بیورو)، (۱۹۸۰ء)، ۸۔ چیف ایڈیٹر، اردو۔ اردو لغت، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی (دسمبر ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۵ء)، ۹۔ پروفیسر ایمے ریٹس، شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۸۷ء سے)

رکنیت : ۱۔ انتخابی بورڈ، گیان پیٹھ ایوارڈ (۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۴ء)، ۲۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء)، ۳۔ حیاتی رکن، مجلسِ عام، انجمن ترقیِ اردو (ہند)، ۱۹۵۶ء سے۔

ادارت : ۱۔ "قدیم اردو" (مجلۂ تحقیق، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)، جلد اوّل (۱۹۶۵ء)، جلد دوم (۱۹۶۷ء)، جلد سوم (۱۹۶۹ء)، جلد چہارم (۱۹۷۲ء)، نوٹ: جلد سوم و چہارم شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شائع ہوئیں، ۲۔ "ہماری زبان" انجمن ترقیِ اردو (ہند)، علی گڑھ (یکم اکتوبر ۱۹۶۹ء تا یکم مئی ۱۹۷۰ء اور

۸ ستمبر ۱۹۷۰ء تا ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء)، ۳۔ "اردو ادب"، انجمن ترقیِ اردو (ہند) علی گڑھ (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء)، ۴۔ "فکر و نظر"، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء)

انعامات : ۱۔ "دو نیم" (مجموعۂ کلام) پر اتر پردیش اردو اکادمی انعام (۱۹۵۷ء)، ۲۔ "ابراہیم نامہ" پر اتر پردیش اردو اکادمی انعام (۱۹۷۰ء)، ۳۔ "اردو کا المیہ" پر اتر پردیش اردو اکادمی انعام (۱۹۷۴ء)، ۴۔ مجموعی علمی و ادبی خدمات پر اتر پردیش اردو اکادمی کا خصوصی انعام (۱۹۸۲ء)، ۵۔ "اقبال کی نظری و عملی شعریات" پر ساہتیہ اکادمی (نئی دہلی) کا اردو ایوارڈ (۱۹۸۴ء)، ۶۔ نیاز فتحپوری ایوارڈ، کراچی، پاکستان (۱۹۸۶ء)۔

تصنیفات : ۱۔ مقدمۂ تاریخِ زبانِ اردو (۱۹۴۸ء، ساتویں اشاعت مع ترمیم و اضافہ ۱۹۸۰ء)، ۲۔ اردو زبان اور ادب (۱۹۵۲ء، ۱۹۵۷ء، ۱۹۸۳ء)، ۳۔ روپ بنگال اور دوسرے گیت (ہندی میں)، (۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء)، ۴۔ A PHONETIC AND PHONOLOGICAL STUDY OF THE WORD IN URDU (۱۹۵۴ء)، ۵۔ دو نیم (۱۹۵۶ء، ۱۹۸۶ء)، ۶۔ شعر و زبان (۱۹۶۶ء)، ۷۔ اردو کا المیہ (۱۹۷۳ء)، ۸۔ اردو زبان کی تاریخ کا خاکہ (۱۹۸۱ء، ۱۹۸۴ء)، ۹۔ اقبال کی نظری و عملی شعریات (۱۹۸۳ء)، ۱۰۔ اردو زبان: تاریخ، تشکیل، تقدیر (۱۹۸۸ء)، ۱۱۔ ورودِ مسعود (۱۹۸۸ء)، ۱۲۔ مقالاتِ مسعود (۱۹۸۹ء)، ۱۳۔ محمد قلی قطب شاہ (۱۹۸۹ء)، ۱۴۔ یوسف حسین خاں (زیرِ طبع)۔

مرتبات : ۱۔ بکٹ کہانی (۱۹۶۵ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۶ء)، ۲۔ پرت نامہ (۱۹۶۵ء)، ۳۔ قصۂ مہر افروز و دلبر (۱۹۶۶ء، ۱۹۸۸ء)، ۴۔ قصۂ مہر افروز و دلبر (ہندی میں)، (۱۹۶۶ء)، ۵۔ دکنی اردو کی لغت (۱۹۶۹ء)، ۶۔ ابراہیم نامہ (۱۹۶۹ء)، ۷۔ عاشور نامہ (باشتراکِ سید سفارش حسین رضوی ۱۹۷۳ء)، ۸۔ رقعاتِ رشید صدیقی (۱۹۸۱ء، ۱۹۸۷ء)، ۹۔ انتخابِ نظیر اکبرآبادی (زیرِ طبع)۔

(مرتبہ)

پروفیسر مختار الدین احمد

(نائب شیخ الجامعہ)

اُردو، فارسی اور عربی کے نامور محقق اور ممتاز مصنف پروفیسر مختار الدین احمد (ولادت ۱۴ نومبر ۱۹۲۴ء) کی ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ہوئی۔ وہ فاضل کے امتحان میں صوبہ بھر میں اوّل رہے۔ وہ ۱۹۴۳ء میں علی گڑھ آئے اور یہاں سے ۱۹۴۹ء میں انھوں نے ام۔اے (عربی) کیا اور ۱۹۵۲ء میں پی ایچ ڈی۔ ۱۹۵۲ء میں شعبۂ عربی میں لکچرر ہوئے۔ اسی سال انھیں شرق اوسط اور انگلستان میں ریسرچ اور اعلیٰ تعلیم کے لیے روکیفلر فونڈیشن کی فیلوشپ پیش ہوئی۔ انھوں نے عراق، شام، لبنان، مصر، ترکی، فرانس، جرمنی کے علمی سفر کیے۔ ہالینڈ میں چار پانچ ماہ لائیڈن یونیورسٹی لائبریری میں کام کرتے رہے۔ انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی شاید ہی کوئی یونیورسٹی اور لائبریری ہو جہاں وہ اپنے علمی مقالے کے سلسلے میں معلومات جمع کرنے نہ گئے ہوں۔ وہ پروفیسر سر ہملٹن گب کے ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ انہی کی نگرانی میں کام کرکے اوکسفورڈ یونیورسٹی سے انھوں نے ۱۹۵۶ء میں ڈی فل کی ڈگری لی۔ ۱۹۵۰ء میں ادارۂ علوم اسلامیہ میں ریڈر اور بعد کو اس کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں وہ شعبۂ عربی میں پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں آرٹس کی فیکلٹی کے ڈین مقرر ہوئے۔

وہ اکزکٹو کونسل اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے رکن بھی رہے ہیں۔ وہ مجلّۂ علومِ اسلامیہ کے موسس ہیں جو بارہ۱۲ سال تک ان کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۷۶ء میں انھوں نے ایک بین الاقوامی ادارہ المجمع العلمی الھندی کی تاسیس کی جہاں سے بین الاقوامی شہرت کا ایک اعلیٰ تحقیقی رسالہ وہ مرتب کرکے شائع کرتے رہے ہیں۔ وہ شرقِ اوسط کی بیشتر علمی اکیڈمیوں کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں صدرِ جمہوریۂ ہند نے عربی زبان وادب میں ان کے علمی و تحقیقی کاموں کی اہمیت کی بنا پر اسنیس سرٹی فکیٹ آف آنر سے نوازا۔ عربی کی متعدد کتابیں اور مضامین ہندوستان، شام اور لبنان سے شائع ہوئی ہیں۔

پروفیسر مختارالدین احمد، اُردو کے مشہور محقق و مصنف ہیں۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے سیکڑوں علمی وادبی مضامین اُردو کے متقدر رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں انھیں اُردو فارسی تحقیق پر فخر الدین علی احمد غالب ایوارڈ تفویض ہوا۔ وہ کوئی تیس۳۰ سال سے ہندوستانی جامعات کی مختلف علمی کمیٹیوں اور انجمن ترقیٔ اُردو سے وابستہ رہے ہیں۔ جامعۂ اُردو علی گڑھ کے کاموں میں وہ چالیس سال سے دل چسپی لے رہے ہیں۔ آج کل وہ اس ادارے کے نائب شیخ الجامعہ ہیں۔

(خود نوشت)

بقیہ "سیّد عبدالعزیز" صفحہ ۱۳ سے مسلسل):

آگرہ ریڈیو سے نشر ہوتے۔ ماہنامہ "شاعر" بمبئی، سالنامۂ "بیسویں صدی"، "رگِ سنگ" (کانپور)، سینٹ جانس کالج آگرہ میگزین، "شفق"، ودیگر رسائل میں غزلیں شائع ہوئیں۔

(خود نوشت)

ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ

(اعزازی خازن)

نام : مرزا خلیل احمد بیگ
پیدائش : ۱۹۴۵ء، گورکھپور (یوپی)
تعلیم : ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی (علیگ)
منصب : (۱) ریڈر شعبۂ لسانیات (ویمنس کالج)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، (۲) سابق پرنسپل اُردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر (حکومتِ ہند)، سولن۔

تصانیف : (۱) زبان، اسلوب اور اسلوبیات (۱۹۸۳ء)، (۲) اُردو کی لسانی تشکیل (۱۹۸۵ء)، (۳) آیئے اُردو سیکھیں (۱۹۸۷ء)، (۴) URDU GRAMMAR: HISTORY AND STRUCTURE (۱۹۸۸ء)، (۵) پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (۱۹۸۹ء)، (۶) لسانی تناظر (زیرِ طبع)۔

مرتبات : (۱) اُردو کا المیہ (۱۹۷۳ء)، (۲) اُردو لفظ کا صوتیاتی اور تجز صوتیاتی مطالعہ (ترجمہ، مقدمہ و ترتیب، ۱۹۸۶ء)، (۳) نذرِ مسعود (۱۹۸۹ء)۔

ادارت : (۱) علی گڑھ میگزین (اُردو)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۷۱ء)، ۲ رسالہ "ادیب"، جامعۂ اُردو، علی گڑھ (۱۹۸۶ء تا حال)۔

(باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

پروفیسر آفاق احمد

(رکن مجلس عام و امتحان کمیٹی)

نام : آفاق احمد (کیپٹن اعجاز احمد خاں)

پیدائش : ۳۰ر جولائی ۱۹۳۲ء ، بھوپال

تعلیم : ۱۹۵۸ء میں وکرم یونیورسٹی سے اُردو میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کے ساتھ ایم۔اے کیا۔ ۱۹۵۰ء میں جامعۂ اُردو علی گڑھ سے ادیب ، ۱۹۵۱ء میں ماہر اور ۱۹۵۲ء میں کامل پاس کیا (کیوں کہ ادیب میں دوسری پوزیشن اور ماہر میں چوتھی پوزیشن آئی تھی اور فرسٹ کلاس تھا اس لیے بعد میں کسی امتحان میں فیس نہیں دینا پڑی)۔

ملازمت : ۱۹۵۹ء میں حمیدیہ کالج بھوپال میں لیکچرر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۲ء میں پروفیسر کی حیثیت سے ترقی پاکر مہارانی لکشمی بائی گرلز (پی جی) کالج بھوپال میں صدرِ شعبہ کی حیثیت سے برسرِ کار ہوں۔

مطبوعات : بچوں کے لیے متعدد کہانیاں اور مضامین لکھے جو غنچہ، بنات، کھلونا اور پیامِ تعلیم میں شائع ہوتے۔ ایک کتاب "پریوں کی ملکہ" بہت مقبول ہوئی۔ مثنوی سحرالبیان اور مُلّا رموزی کی غیر مطبوعہ کتاب "عورت ذات" کو تشریح

ومقدمہ کے ساتھ ترتیب دیا۔ "اقبال آئینہ خانے میں" (زیرترتیب ومقدمہ) اور "اک کرن اجالے کی" (راجہ جی کی کہانیوں کا اُردو قالب) دیگر مطبوعات میں شامل ہیں۔ کہانیوں کا مجموعہ "پلکوں کا بوجھ" زیرِ طبع ہے۔

دیگر کوائف: ۱۔ صدر انجمن اساتذۂ اُردو جامعاتِ ہند، ۲۔ رکن کل ہند اقبال ادبی مرکز، ۳۔ کارگذار صدر انجمن ترقی اُردو مدھیہ پردیش، ۴۔ صدر جن وادی لیکھک سنگھ مدھیہ پردیش، ۵۔ رکن مجلسِ عام وامتحان کمیٹی، جامعہ اُردو علی گڑھ، ۶۔ ۱۹۸۶ء میں اقبال سمی نار کے موقع پر میونسپل کارپوریشن بھوپال نے اقبالیات کے لیے خدمات پر اعزاز سے سرفراز کیا۔

پتہ: "گل کدہ" عیدگاہ ہلز۔ بھوپال 462001

(خود نوشت)

بقیہ "سید معظم علی شاہ" صفحہ ۱۳۲ سے مسلسل):

۱۰۔ سپرنٹنڈنٹ امتحانات، سینٹ جانس کالج آگرہ و آگرہ یونیورسٹی، آگرہ،

۱۱۔ ۱۹۸۵ء میں اچل ٹرسٹ، آگرہ سے بہترین شہری کا خطاب اور ایک ہزار روپیہ کا انعام حاصل ہوا۔ ۱۲۔ اب تک تقریباً اکتیس (۳۱) طالب علموں کو اپنی نگرانی میں نفسیات میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری دلائی ہے۔ ۱۳۔ مختلف رسالوں میں نفسیات اور ادب پر مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۴۔ ایڈیٹر و نگراں سینٹ جانس کالج میگزین (حصہ اُردو) اور اُردو کالج میگزین، آگرہ، مجلہ میکش اکبرآبادی۔

کتابیں: ۱۔ نفسیاتِ فاسدہ، ۲۔ نفسیاتِ طفلی (شائع کردہ، آگرہ یونیورسٹی، آگرہ)، ۳۔ نفسیات میں میثررمنٹ (شائع شدہ)۔

زیرِ ترتیب: ۱۔ امجد علی شاہ اصغر (سوانح و ادبی خدمات)، ۲۔ نفسیاتِ علاج۔

(خود نوشت)

پروفیسر حکم چند نیرؔ

(رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ)

نام : (ڈاکٹر) حکم چند نیرؔ

عہدہ : پروفیسر اور صدر شعبۂ اُردو، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی۔

تاریخِ پیدائش : ۸ر فروری ۱۹۲۱ء

تعلیم : (۱) ایم۔اے (فارسی)، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۷ء، سکنڈ کلاس فرسٹ۔ (۲) ایم۔اے (اُردو)، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء، فرسٹ کلاس سکنڈ، (۳) پی ایچ۔ڈی (اُردو)، بنارس ہندو یونیورسٹی، ۱۹۶۵ء۔

ملازمت : (۱) لکچرر، اکتوبر ۱۹۶۰ء تا فروری ۱۹۷۳ء، (۲) وزٹنگ لکچرر، اکتوبر ۱۹۶۳ء تا اکتوبر ۱۹۶۴ء، وسکانسن یونیورسٹی، میڈیسن، یو۔ایس۔اے، (۳) ریڈر، فروری ۱۹۷۳ء تا فروری ۱۹۷۹ء، (۴) پروفیسر، مارچ ۱۹۷۹ء تا حال۔

تصنیف و تالیفات : (۱) نوائے سرورؔ، ۱۹۶۹ء، (۲) سرورؔ جہان آبادی: حیات اور کارنامے، ۱۹۶۸ء، مقالہ پی ایچ۔ڈی، (۳) ندائے غالبؔ، مطبوعہ ہندو یونیورسٹی، غالب صدی تقریبات کمیٹی، ۱۹۶۹ء، (۴) غالبؔ گورو: غالبؔ کی شاعری اور نثر کا انتخاب (ہندی میں) مع حواشی و مطالب، مطبوعہ بنارس ہندو یونیورسٹی

غالب صدی تقریبات کمیٹی، ۱۹۶۹ء، (۵) ابتدائی اُردو، ۱۹۷۷ء، دوسرا ایڈیشن: یوپی اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، (۶) اُردو کے مسائل، ۱۹۷۷ء، (۷) انتخاب قصائد (باشتراک)، ۱۹۸۲ء، دوسرا ایڈیشن: ۱۹۸۷ء، (۸) انتخابِ مراثی (باشتراک)، ۱۹۸۳ء، (۹) انتخابِ نثر، جلد دوم، ۱۹۷۸ء، دوسرا ایڈیشن: ۱۹۸۵ء، (۱۰) انتخابِ مضامینِ چکبست، ۱۹۸۵ء، (۱۱) انتخابِ منظومات، جلد ۱۱، ۱۹۸۵ء، (۱۲) منتخب غزلیں، ۱۹۸۴ء، (۱۳) انتخابِ نثر، جلد دوم، ۱۹۸۶ء، (۱۴) گلزارِ نسیم (تنقیدی ایڈیشن مع پیش لفظ)، ۱۹۸۵ء، (۱۵) سحرالبیان (تنقیدی ایڈیشن، مع پیش لفظ)، ۱۹۸۵ء، (۱۶) منتخب نظمیں، ۱۹۸۷ء، (۱۷) انتخابِ خطوطِ غالب، ۱۹۸۷ء، (۱۸) انتخابِ غزلیات، تین جلدوں میں، جلد اوّل زیرِ طبع، باقی دو جلدیں زیرِ ترتیب۔

پی ایچ۔ ڈی کے مقالوں کے نگراں: (۱) رام آسرا آزاد، ۱۹۷۱ء، (۲) قمر جہاں، ۱۹۸۰ء، (۳) رشیدہ خاتون، ۱۹۸۰ء، (۴) ظفر احمد، (۵) احسان بیگ، (۶) نصر اللہ، (۷) سنتوش کماری وید، (۸) عزیز الرحمٰن، (۹) راجیش مِسرا۔

رکنیت: (۱) کل ہند یونیورسٹی اُردو ٹیچرز ایسوسی ایشن، (۲) انجمن ترقیِ اُردو (ہند)، (۳) ناگری پرچارنی سبھا، وارانسی، (۴) ترقیِ اُردو بورڈ، ۱۹۶۹ - ۷۳ء، (۵) یوپی اُردو اکادمی، لکھنؤ ۱۹۷۲ء تا حال۔ وائس چیئرمین، ۱۹۸۰ - ۸۳ء، (۶) ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، اُردو پینل۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ "فہمیدہ بیگم" (صفحہ ۱۴۷ سے مسلسل):

اُردو کمیٹی رائے درسی کتب، (۹) سیمینار ڈائرکٹر، "دکنی زبان کی تدریس" پر سیمینار، (۱۰) صدر کل ہند صوبائی اُردو اکیڈمیز، (۱۱) رکن ادبی کمیٹی دائرۃ المعارف، حیدرآباد، (۱۲) رکن، دہلی اُردو اکیڈمی، دہلی۔

(انگریزی سے ترجمہ)

ڈاکٹر خلیق انجم

(رکن مجلسِ عام و تعلیمی کمیٹی)

ادبی نام : خلیق انجم

پورا نام : خلیق احمد خاں

۲۲ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو دہلی میں پیدا ہوا۔ میرے والد محمد احمد صاحب ریلوے میں انجنیئر تھے۔ میں ابھی ۸ (آٹھ سال) کا تھا کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ والد صاحب کے پس ماندگان میں میری والدہ، چار بہنیں اور میں تھا۔ ہم بھائی بہنوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دنیا کی کوئی مصیبت ایسی نہیں تھی جو والدہ مرحومہ نے نہ اٹھائی ہو۔ یہ ان کی محنت کا نتیجہ ہے کہ ہم سب بھائی بہن نے ایم۔اے کی سطح تک اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

میں نے میٹرک تک دلّی کے اینگلو عربک اسکول میں تعلیم پائی۔ انٹر اور بی۔اے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے کیا۔ ایم۔اے اور پی ایچ۔ڈی دہلی یونیورسٹی سے کیا۔ ڈپلوما ان لنگوسٹکس اور ڈپلوما ان لائبریری سائنس دہلی یونیورسٹی سے کیے۔ ۱۹۵۹ء میں دہلی یونیورسٹی کے کروڑی مل کالج میں بہ حیثیتِ لکچرر تقرر ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں وزارتِ تعلیم میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ تین سال بعد ۱۹۷۴ء

میں پروفیسر آل احمد سرور کی جگہ انجمن ترقیِ اُردو (ہند) کا جنرل سکریٹری مقرر ہوا۔
ابھی تک اس عہدے پر کام کر رہا ہوں۔

میں نے چار سال تک آل انڈیا ریڈیو دلی یونٹ میں ٹرانسلیٹر اور براڈکاسٹر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ یہ کام جزوقتی تھا۔

میں جن رسالوں کا ایڈیٹر رہا ہوں ان کے نام ہیں: ۱۔ "ادبی تبصرے"، ۲۔ "سیکولر ڈیموکریسی"، ۳۔ "ہماری زبان"، ۴۔ "اُردو ادب"۔ آخری دو رسالے انجمن ترقیِ اُردو کے آرگن ہیں۔ میں پچھلے چودہ سال سے ان کی ادارت کر رہا ہوں۔

ہندوستان کی مختلف اکیڈمیوں، حکومتِ اترپردیش اور دوسرے اداروں سے اب تک گیارہ انعام مل چکے ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں مغربی بنگال اُردو اکیڈمی کا سب سے بڑا انعام (پرویز شاہدی) ملا تھا۔

تصنیف و تالیفات: ۱۔ معراج العاشقین، ۱۹۵۷ء (مرتبہ)، ۲۔ تاراس بلبا، ۱۹۵۷ء (مترجم انگلش سے اُردو، ناول)، ۳۔ مرزا مظہر جانِ جاناں کے خطوط، ۱۹۶۰ء (مترجم، فارسی سے اُردو)، ۴۔ غالب کی نادر تحریریں، ۱۹۶۱ء (مرتبہ)، ۵۔ مرزا محمد رفیع سودا، ۱۹۶۵ء (مصنف)، ۶۔ متنی تنقید، ۱۹۶۷ء (مصنف)، ۷۔ کربل کتھا کا لسانی مطالعہ، ۱۹۷۰ء (مرتبہ)، ۸۔ اصنافِ ادب، ۱۹۷۰ء (مرتبہ)، ۹۔ افاداتِ سلیم، ۱۹۷۲ء (مرتبہ)، ۱۰۔ اُردو کی ضبط شدہ نظمیں (مرتبہ خلیق انجم، مجتبیٰ حسین)، ۱۱۔ غالب اور شاہانِ تیموریہ، ۱۹۷۴ء (مصنف)، ۱۲۔ ابن الوقت، ۱۹۸۰ء (مرتبہ)، ۱۳۔ فیض احمد فیض: تنقیدی جائزہ، ۱۹۸۴ء (مرتبہ)، ۱۴۔ سید سلیمان ندوی، ۱۹۸۸ء (مرتبہ)، ۱۵۔ مشفق خواجہ: ایک مطالعہ، ۱۹۸۵ء (مرتبہ)، ۱۶۔ غالب کے خطوط (اول)، ۱۹۸۴ء (مرتبہ)، ۱۷۔ غالب کے خطوط (دوم)، ۱۹۸۵ء (مرتبہ)، ۱۸۔ غالب کے خطوط (سوم)، ۱۹۸۶ء (مرتبہ)، ۱۹۔ غالب کے خطوط (چہارم)، زیرِ طبع (مرتبہ)،

۲۰۔ رسومِ دہلی، ۱۹۸۵ء (مرتبہ)، ۲۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ۱۹۸۶ء (مرتبہ)، ۲۲۔ دہلی کی درگاہ شاہ مرداں، ۱۹۸۸ء (مصنف)، ۲۳۔ دلی کے آثارِ قدیمہ، ۱۹۸۸ء (مصنف)، ۲۴۔ محی الدین تاباں [illegible] زیر طبع (مرتبہ)، ۲۵۔ آثار الصنادید، زیرِ طبع (مرتبہ)، ۲۶۔ [illegible] زیر طبع (مرتبہ)۔

انعامات واعزازات: ۱۔ "مرزا محمد رفیع سودا" پر یوپی گورنمنٹ انعام (۱۹۶۶ء)، ۲۔ "کربل کتھا کا لسانی مطالعہ" پر یوپی اُردو اکادمی انعام (۱۹۷۱ء)، ۳۔ "غالب اور شاہانِ تیموریہ" پر یوپی اُردو اکادمی انعام (۱۹۶۶ء)، ۴۔ اُردو کی مجموعی خدمات کے لیے "افتخارِ غالب" انعام (۱۹۸۴ء)، ۵۔ "غالب کے خطوط" پر بہار اُردو اکادمی انعام (۱۹۸۵ء)، ۶۔ مغربی بنگال اُردو اکادمی کا پرویز شاہدی انعام (۱۹۸۵ء)، ۷۔ پاکستان کا مقتدر نیاز فتحپوری انعام برائے اُردو ادب (یہ انعام ۲ ستمبر ۱۹۸۴ء کو ڈاکٹر خلیق انجم کو کراچی میں دیا گیا۔ اس موقع پر انھوں نے نیاز یادگاری خطبہ بھی پیش کیا)، ۸۔ عالمی اُردو انعام (۱۹۸۸ء)، ۹۔ ذوق ریسرچ انسٹی ٹیوٹ انعام (۱۹۸۸ء)، ۱۰۔ نئی دہلی میونسپل کمیٹی ادبی انعام (۱۹۸۹ء)۔

(خود نوشت)

بقیہ "قمر رئیس" (صفحہ ۱۴۳ سے مسلسل):

"شعرائے ازبکستان" (دو جلدوں میں)، ۲۵ روسی شعراء کی ۵۰ نظموں کا منظوم اُردو ترجمہ کیا، مطبوعہ غفور غلام پبلشنگ ہاؤس، تاشقند، سوویت یونین۔ (۴) میری کتاب IMPACT OF OCTOBER REVOLUTION ON INDIAN LITERATURE کا ترجمہ روسی زبان میں ہوا جو ماسکو سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا، (۵) میری نظموں کا ترجمہ تاشقند (سوویت یونین) سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا جس کا پیش لفظ سجاد ظہیر (مرحوم) نے لکھا۔

(انگریزی سے ترجمہ)

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

(رکن مجلسِ عام و مجلس منتظمہ)

نام خواجہ احمد فاروقی

جائے پیدائش : بچھراؤں، ضلع مرادآباد (یو۔پی)۔

تعلیم : (۱) بی۔اے، (۲) ایم۔اے (انگریزی، سالِ اوّل)، (۲) ایم۔اے (فارسی)، (۳) ایم۔اے (اردو)، (۴) پی ایچ۔ڈی، دہلی یونیورسٹی (۱۹۵۳ء)۔

موجودہ منصب : (۱) پروفیسر ایمے ریٹس، دہلی یونیورسٹی، (۲) سینیر فیلو انڈین کونسل آف ہسٹاریکل ریسرچ۔

سابقہ عہدے : (۱) پروفیسر اور صدر، شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، (۲) ڈین فیکلٹی آف آرٹس، دہلی یونیورسٹی، دہلی، (۳) چیرمین بورڈ آف ریسرچ اسٹڈیز فار ہیومنیٹیز، دہلی یونیورسٹی (۶۶ - ۱۹۶۴ء)، (۴) راک فیلر ریسرچ اسکالر (مغربی یورپ)، (۵۸ - ۱۹۵۶ء)، (۵) وزٹنگ پروفیسر آف انڈین لٹریچر، وسکانسن یونیورسٹی، یو۔ایس۔اے (۶۳ - ۱۹۶۱ء)۔

کتابیں : (۱) میر تقی میر، ۱۹۵۴ء، دوسرا ایڈیشن : زیرِ طبع، (۲)

کلاسیکی ادب، ۱۹۵۳ء، (۳) مکتوباتِ اُردو کا ادبی و تاریخی ارتقا، زیرِ طبع،
(۴) مرزا شوق، ۱۹۵۰ء، (۵) ذوق و جستجو، ۱۹۶۷ء، (۶) اُردو میں وہابی ادب،
۱۹۶۹ء، (۷) دستنبو (انگریزی میں ترجمہ)، ۱۹۷۰ء، (۸) چراغِ رہ گذر، ۱۹۷۴ء،
(۹) یادِ یارِ مہرباں، ۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۶ء، (۱۰) غدر کی کہانیاں، (۱۱) میڈیا
(اردو ترجمہ)، (۱۲) آکسفورڈ معتور لغت، (۱۳) دوارکا ناتھ ٹیگور (اُردو ترجمہ)، ۱۹۸۰ء،
(۱۴) اندرا گاندھی: ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو، ۱۹۸۵ء، (۱۵) عمرِ رائیگاں،
۱۹۸۷ء، (۱۶) یادنامہ (زیرِ طبع)۔

ترتیب و تدوینِ مخطوطات: (۱) تذکرہ سرور، ۱۹۶۱ء، (۲) کربل کتھا، ۱۹۶۱ء، (۳) گنج خوبی، ۱۹۶۶ء، (۴) مرزا غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی خطوط، غمگین کے نام، ۱۹۶۰ء، (۵) خدنگِ غدر، (۶) دیوانِ بقا، (۷) دیوانِ میر سوز، ۱۹۶۳ء، (۸) دیوانِ قائم، ۱۹۶۴ء، (۹) دلی اُردو اخبار، ۱۹۷۲ء، (۱۰) انشائے اُردو، ۱۹۷۲ء، (۱۱) ارمغانِ آصف، ۱۹۶۶ء، قانون النسار، ۱۹۷۲ء۔

انعامات و اعزازات: (۱) قومی ادبی انعام، ساہتیہ اکادمی، (۲) نیشنل اکاڈمی آف لیٹرز، ۱۹۷۵ء، (۳) یوپی گورنمنٹ ادبی انعام، (۴) میر اکیڈمی انعام، (۵) یوپی اُردو اکیڈمی انعام، (۶) بہار اُردو اکیڈمی انعام۔

علمی و ادبی اداروں اور انجمنوں سے تعلق: (۱) سکریٹری، بین الاقوامی تنظیمی کمیٹی غالب صدی تقریبات، ۱۹۶۱ء، (۲) سکریٹری شعبۂ فارسی اور عربی، تیسویں کل ہند تعلیمی کانفرنس، (۳) وائس چیرمین انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اقبال اسٹڈیز، حیدر آباد، (۴) مجلس ادارت میں شمولیت "اسلامک کلچر" حیدر آباد (۱۹۷۳ء)، "فکر و نظر" علی گڑھ (۱۹۷۴ء)، "نوائے ادب" بمبئی (۱۹۷۵ء)، اور "معارف"، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، (۵) مدیرِ اعلیٰ "ذکر و فکر" نئی دہلی، (۶) مشیر ساہتیہ اکادمی، نیشنل بک ٹرسٹ آف انڈیا اور بھارتیہ گیان پیٹھ، (۷) رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، (۸) رکن جنرل کونسل آف یوپی اُردو اکادمی، ۱۹۸۹ء۔
(انگریزی سے ترجمہ)

ڈاکٹر سیّد ثاقب حسن رضوی

(رکن مجلس عام)

نام : (ڈاکٹر) سیّد ثاقب حسن رضوی

ولدیت : سیّد راغب حسن رضوی (مرحوم)

تاریخ و مقام پیدائش : ۱۵ر فروری ۱۹۳۲ء، امروہہ (ضلع مرادآباد)

رہائش : پیدائش سے ۱۹۶۴ء تک اجمیر شریف۔ ۱۹۶۴ء سے تا حال اودے پور (راجستھان)

تعلیم : ۱۔ ۱۹۴۹ء میں اجمیر بورڈ سے ہائی اسکول (اُردو میں امتیازی نمبر) ۲۔ ۱۹۵۱ء میں راجستھان بورڈ سے انٹرمیجیٹ، ۳۔ ۱۹۵۳ء میں آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے (فارسی مضمون کے ساتھ)، ۴۔ ۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے اُردو آنرز (سبقتی حیثیت سے)، ۵۔ ۱۹۵۷ء میں آگرہ یونیورسٹی سے اُردو میں ایم۔ اے ۶۔ ۱۹۷۱ء میں اودے پور یونیورسٹی سے اُردو میں پی ایچ۔ ڈی (نگراں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی)۔

ملازمت : آغاز راجستھان کے سرکاری ہائر سکنڈری اسکول سے کیا اور پبلک سروس کمیشن سے منتخب ہو کر مہارانا بھوپال گورنمنٹ کالج میں اُردو کے لیکچرر مقرر

ہوئے، ۲۔ ۱۹۶۴ء میں اودے پور یونیورسٹی میں اُردو کے اسسٹینٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا ۳۔ ۱۹۷۴ء میں ایسوسیٹ پروفیسر (ریڈر) منتخب کیا گیا۔ ۴۔ گذشتہ پندرہ برسوں سے اسی منصب پر تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مطبوعات : ۱۔ دیوانِ بیاںؔ مرتب کیا جسے مجلسِ اشاعت، دہلی نے شائع کیا، ۲۔ مضامین ومقالات مختلف رسائل وجرائد میں طبع ہوئے ۳۔ راجستھان اُردو اکادمی کا سہ ماہی جریدہ "سخنستان" کبھی کبھی بار مرتب کیا ۴۔ ایک عرصہ سے ریڈیائی مباحث میں شرکت کر رہے ہیں، تقاریر بھی متعدد موضوعات پر نشر ہوتی رہی ہیں، ۵۔ اہم مذاکرات اور کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں اور خود بھی یونیورسٹی اور اُردو کے دیگر ادبی اداروں کے زیرِ اہتمام مدت سے سیمینار اور مشاعروں کا انعقاد کر رہے ہیں۔

اداروں کی رکنیت : ۱۔ چیرمین، راجستھان اُردو اکادمی (۱۹۸۵ء سے تا حال)، ۲۔ صدر شعبۂ اُردو، سکھاڑیا یونیورسٹی اودے پور (۱۹۶۴ء سے تا حال)، ۳۔ کنوینر، عربی، فارسی اور اُردو نصابی کمیٹی بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن راجستھان، ۴۔ رکن آڈین کمیٹی آل انڈیا ریڈیو اودے پور، ۵۔ رکن جنرل ہاؤس انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، ۶۔ زونل کنوینر، انجمن ترقیٔ اُردو، راجستھان، ۷۔ رکن مجلسِ عام، جامعہ اُردو، علی گڑھ، ۸۔ رکن فیکلٹی آف ہیومینٹیز، سکھاڑیا یونیورسٹی، اودے پور، ۹۔ سکریٹری اسٹاف کونسل سکھاڑیا یونیورسٹی اودے پور، ۱۰۔ نائب صدر ایجوکیٹرس فار سیکولرزم، سوشلزم اینڈ ڈیموکریسی اودے پور، ۱۱۔ رکن اساتذۂ اُردو جامعاتِ ہند، دہلی۔

علاوہ ازیں رکن ترقیِ اُردو بورڈ، نئی دہلی۔ رکن بورڈ آف کنٹرول راجستھان ساہتیہ اکادمی، رکن نصابی بورڈ عربی، فارسی اور اُردو راجستھان یونیورسٹی، جے پور، رکن بورڈ آف کنٹرول اور پوسٹ گریجویٹ کاونسل اودے پور یونیورسٹی۔

(خود نوشت)

جناب سیّد عبد العزیز

(رکن مجلسِ عام)

نام : سیّد عبد العزیز

ولدیت : جناب سیّد عبد الصمد (مرحوم)

تاریخِ پیدائش : ۱۱ر جولائی ۱۹۴۴ء

تعلیم : ایم۔ اے (اُردو)، بی۔ ٹی

تخلص : عزیز (اکبر آبادی)

تلمّذ : حضرت علّامہ میکش صاحب اکبر آبادی

ذریعۂ معاش : مدرسی (وکٹوریہ انٹر کالج آگرہ ۔۳)۔

پتہ : ۲۴/۳۱۴، گلی نصیر خاں، نئی بستی آگرہ ۔ ۲۸۲۰۰۳

دیگر مصروفیات : ۱۔ سکریٹری، "بزمِ اقبال" آگرہ (۱۹۶۹ء سے تاحال)، ۲۔ صدر انجمن ترقی اُردو سینٹ جانس کالج، شاخ آگرہ (۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۱ء)، ۳۔ جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اُردو، شاخ آگرہ (۱۹۶۲ء تاحال)، ۴۔ رکن ادارۂ تحریر اُردو کالج میگزین، آگرہ، مجلہ میکش اکبر آبادی۔

تصانیف : "آگرہ کی ادبی اہمیت" اور "ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کا خاکہ"

~~(باقی صفحہ ۱۱۴ پر)~~

ڈاکٹر سیّد معظّم علی شاہ

(رکن مجلسِ عام و امتحان کمیٹی)

نام : سیّد معظّم علی شاہ

ولدیت : سیّد محمد علی شاہ صاحب میکشؔ اکبرآبادی

تاریخِ پیدائش : ۱۲ر جولائی ۱۹۲۷ء

ذریعۂ معاش : درس و تدریس

تعلیم : ایم۔ اے (فلسفہ، فارسی) آگرہ یونیورسٹی، آگرہ، ایم۔ اے۔ (اُمعہ نفسیات)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، پی ایچ۔ ڈی (نفسیات)، آگرہ، یونیورسٹی آگرہ۔

ملازمت : سینٹ جانس کالج، آگرہ (شعبۂ اُردو و فارسی۔ فلسفہ و نفسیات)

عہدے : ۱۔ صدر بزمِ اقبال، آگرہ، ۲۔ نائب صدر انجمن ترقی اُردو، شاخ آگرہ، ۳۔ ممبر مجلسِ عام جامعۂ اُردو، علی گڑھ، ۴۔ سابق ممبر مجلس منتظمہ جامعۂ اُردو علی گڑھ، ۵۔ ممبر امتحان کمیٹی جامعۂ اُردو، علی گڑھ، ۶۔ مجلسِ منتظمہ سینٹ جانس کالج، آگرہ، ۷۔ مجلسِ تعلیمی سینٹ جانس کالج آگرہ۔ ۸۔ ممبر و صدر مجلسِ تعلیمی آگرہ یونیورسٹی، آگرہ، ۹۔ مجلسِ منتظمہ و کورٹ، آگرہ یونیورسٹی، آگرہ،

(باقی صفحہ ۱۲۱ پر)

پروفیسر ظفر اوگانوی

(رکن مجلس عام و تعلیمی کمیٹی)

نام : محی الدین ظفر اوگانوی، پ : یکم جنوری ۱۹۲۹ء

والد : مولانا سید فصیح احمد (وفات اگست ۱۹۹۹ء۔ استھانواں ضلع نالندہ۔

وطن : اوگانواں، نزد استھانواں، ضلع نالندہ (بہار)

تعلیم : ایم۔اے (اردو) پٹنہ یونیورسٹی، ۱۹۶۳ء، پی ایچ۔ڈی، پٹنہ یونیورسٹی، ۱۹۶۶ء، نگراں : علامہ جمیل مظہری۔ موضوع : صفیر بلگرامی بحیثیت شاعر،

اساتذہ : اختر اورینوی، جمیل مظہری، صدرالدین فضا شمسی اور پروفیسر ممتاز احمد (اساتذہ شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی)۔

ملازمت : شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی : (الف) لکچرر : فروری ۱۹۶۹ء تا جولائی ۱۹۷۹ء، (ب) ریڈر : جولائی ۱۹۷۹ء تا دسمبر ۱۹۸۵ء، (ج) پروفیسر : جنوری ۱۹۸۶ء تا حال۔

ادارت : ماہنامہ اقدار (پٹنہ) ۱۹۶۷ء اور ماہنامہ اقدار (کلکتہ) ۱۹۷۲ء۔

تصنیف، تالیف اور ترتیب : (۱) تذکرہ جلوۂ خضر، تلخیص و تنقید،

۱۹۷۴ء، (۲) صفیر بلگرامی۔ حیات وکارنامے، ۱۹۷۶ء، (۳) بیچ کا ورق (افسانوی مجموعہ) ۱۹۷۷ء، (۴) صفیر بلگرامی، بحیثیت غزل گو، ۱۹۸۵ء، (۵) رموزِ اقبال (ترتیب: اقبال سیمینار، کلکتہ یونیورسٹی ۱۹۷۹ء میں پڑھے گئے مختلف مضامین کا مجموعہ) ۱۹۸۵ء۔

انعامات : (۱) بہار اُردو اکاڈمی کے انعامات کتاب ۱ اور ۲ پر، (۲) مغربی بنگال اُردو اکاڈمی کا عبدالرزاق ملیح آبادی انعام (مجموعی ادبی خدمات پر مبلغ دس ہزار روپے) ۱۹۹۰ء۔

کل ہند سیمینار : چند اہم اور قابلِ ذکر سیمیناروں میں شرکت کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) ۱۹۷۴ء: کشمیر یونیورسٹی، سرینگر، "اُردو مختصر افسانہ: مسائل اور نوعیت"، (۲) ۱۹۷۷ء: اکھل بھارتیہ ساہتیہ سماویش، رانی گنج (مغربی بنگال)، "ہندوستان کی مختلف زبانوں کے درمیان جذباتی ہم آہنگی کا مسئلہ"، (۳) ۱۹۷۸ء: راجستھان یونیورسٹی، ٹونک، "موجودہ اُردو تنقید کے مسائل"؛ (۴) ۱۹۸۰ء: بین الاقوامی غالب سیمینار، غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی۔ "غالب کا تخلیقی شعور"، (۵) ۱۹۸۶ء: مغربی بنگال اُردو اکاڈمی۔ "مغربی بنگال میں اُردو شاعری۔ آزادی کے بعد"، (۶) ۱۹۸۷ء: بہار اُردو اکاڈمی، پٹنہ، "ابوالکلام آزاد"، (۷) ۱۹۸۸ء: مغربی بنگال اُردو اکاڈمی، "مغربی بنگال میں نیا اُردو افسانہ"، (۸) ۱۹۸۹ء: جن وادی لیکھک سنگھ، کلکتہ، "اُردو افسانہ۔ پریم چند کے بعد"، (۹) ۱۹۸۹ء: یوپی اُردو اکاڈمی، لکھنؤ، "ابوالکلام آزاد"۔

دیگر اہم مناصب : (۱) ممبر: گورننگ باڈی اور جنرل کونسل: مغربی بنگال اُردو اکاڈمی، (۲) ممبر: مجلس عام (پچھلے بارہ برسوں سے) جامعہ اُردو، علی گڑھ۔

پی ایچ۔ ڈی گائیڈنس : (ذیل کے مقالوں پر امیدواروں کو کلکتہ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی تفویض ہو چکی ہے)، (۱) ڈاکٹر شمیم انور، "اُردو شاعری کے مختلف رجحانات۔ آزادی کے بعد"، ۱۹۷۹ء (۲) ڈاکٹر یوسف تقی، "اُردو نظم کے مختلف رجحانات" ۱۹۸۰ء، (۳) ڈاکٹر عبدالرحمٰن امر امیری، "پرویز شاہدی بحیثیت شاعر"، ۱۹۸۱ء

(باقی صفحہ ۱۴۸ پر)

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

(رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ)

نام : ظہیر احمد صدیقی

تاریخِ پیدائش : ۱۰ر جولائی ۱۹۲۹ء

جائے پیدائش : بدایوں (یوپی)

موجودہ عہدہ : اُردو پروفیسر، دہلی یونیورسٹی، دہلی

تعلیم : ایم۔ اے (اُردو)، ایم۔ اے (فارسی)، پی ایچ۔ ڈی (اُردو)۔

انتظامی امور کا تجربہ : صدرِ شعبہ، آٹھ سال

تعلیمی تجربہ : بہ حیثیت لکچرر، سات سال، بہ حیثیت ریڈر، ۲۲ سال۔

تدریس : ایم۔ اے اور پوسٹ ایم۔ اے کلاسز، میری نگرانی میں دس طالب علموں کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔

رکنیت : (۱) ایڈیٹر، علی گڑھ میگزین، (۲) چیف ایڈیٹر، دہلی کالج میگزین، (۳) رکن مجلسِ ادارت، "انوواد" (ہندی مجلہ، دہلی یونیورسٹی)، (۴) رکن مجلسِ ادارت "اردوئے معلّٰی" (اردو ریسرچ میگزین، دہلی یونیورسٹی)، (۵) رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ جائزۂ اُردو، (۶) رکن مجلسِ عام،

انجمن ترقیِ اُردو (ہند) ، (۷) رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ ، (۸) رکن مجلسِ منتظمہ ، علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ، دہلی ، (۹) رکن مجلسِ منتظمہ ٹیگور اکیڈمی ، دہلی ، (۱۰) رکن مجلسِ منتظمہ ، غالب اکیڈمی ، (دہلی) ، (۱۱) جوائنٹ سکریٹری ، آل انڈیا اُردو ٹیچرز ایسوسی ایشن ، (۱۲) خازن آل انڈیا اُردو ٹیچرز ایسوسی ایشن ، (۱۳) جنرل سکریٹری ، محمد علی جوہر صدی کمیٹی ، (۱۴) نائب صدر ، انجمن ترقی اردو ، دہلی ، (۱۵) رکن انتظامی کمیٹی ، مسلم فتح پوری سکنڈری اسکول ، دہلی ، (۱۶) رکن اقلیتی کمیٹی (دہلی شاخ) ، دہلی ۔

انعامات : (۱) دہلی اُردو اکادمی انعام ، (۲) میر تقی میر انعام ، (۳) یو پی اُردو اکادمی انعام ۔

مرتبات : (۱) مثنوی سحر البیان ، ۱۹۵۴ء ، (۲) مثنوی گلزارِ نسیم ۱۹۵۵ء (۳) انتخاب دیوانِ مومن ، ۱۹۵۸ء ، (۴) قصائدِ مومن ، ۱۹۶۰ء ، (۵) دیوانِ درد ، ۱۹۵۶ء ، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۸ء ، (۶) نقش ہائے رنگ رنگ ، ۱۹۷۰ء (۷) انشائے مومن ، ۱۹۷۷ء ، (۸) دلّی کا دبستانِ شاعری ، ۱۹۶۱ء ، (۹) ارمغانِ فاروقی ۔

ادبیاتِ دبستانِ دہلی : (۱) دلّی کا دبستانِ شاعری ، ۱۹۶۱ء ، (۲) مومن شخصیت اور فن ، ۱۹۷۲ء ، (۳) مومن دہلوی (زیرِ طبع) ، (۴) خواجہ میر درد ، ۱۹۸۳ء ۔

تصانیف : (۱) تحقیقی مطالعۂ انیس ، ۱۹۵۶ء ، (۲) تحقیقی مطالعۂ حالی ، ۱۹۵۶ء ، (۳) فانی کی شاعری ، ۱۹۶۹ء اور ۱۹۸۳ء ، (۴) فکری زاویے ، ۱۹۷۲ء ، (۵) ادب میں جمالیاتی اقدار ، ۱۹۷۹ء ، (۶) احساس وادراک ، ۱۹۸۱ء ، (۷) فانی بدایونی ۔

(انگریزی سے ترجمہ)

ڈاکٹر عبدالمغنی

(رکنِ مجلس عام و تعلیمی کمیٹی)

پیشہ : یونیورسٹی پروفیسر آف انگلش، بی۔ این۔ کالج، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ۔

ولادت : ۴؍جنوری ۱۹۳۶ء، اورنگ آباد (بہار)

تعلیم : مشرقی ۔ عالم ۱۹۵۳ء، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ)۔ مغربی ۔ ۱۔ میٹرک، ۱۹۵۴ء، بہار سکنڈری ایجوکیشن بورڈ، ۲۔ آئی۔ اے، ۱۹۵۶ء، پٹنہ کالج (پٹنہ یونیورسٹی)، ۳۔ بی۔ اے، ۱۹۵۸ء (انگریزی آنرز)، پٹنہ کالج (پٹنہ یونیورسٹی)، ۴۔ ایم۔ اے ۱۹۶۰ء (انگریزی)، پٹنہ یونیورسٹی، پی ایچ۔ ڈی ۱۹۷۰ء (انگریزی)، پٹنہ یونیورسٹی۔

ملازمت : شعبۂ انگریزی، ۱۹۶۱ء، پٹنہ یونیورسٹی۔

مجموعۂ مضامین : ۱۔ نقطۂ نظر (۱۹۶۵ء)، کتاب منزل، پٹنہ، ۲۔ جادۂ اعتدال (۱۹۷۲ء)، کتاب منزل، پٹنہ، ۳۔ تشکیلِ جدید (۱۹۷۶ء)، پٹنہ، ۴۔ معیار و اقدار (۱۹۸۱ء)، حکمت پبلی کیشنز، پٹنہ، ۵۔ تنقیدِ مشرق (۱۹۸۷ء)، اُردو بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۶۔ تصورات (۱۹۸۸ء)، ادارہ فکرِ جدید، نئی دہلی، ۸۔ اسلوبِ تنقید (۱۹۸۹ء)، دہلی۔

کتاب : ۱۔ برناڈ شا (۱۹۷۶ء)، ترقی اُردو بورڈ، نئی دہلی، ۲۔ اقبال اور عالمی ادب (۱۹۸۲ء)، کریسنٹ پبلی کیشنز، گیا، ۳۔ اقبال کا نظامِ فن (۱۹۸۴ء)، مکتبہ مریخ، پٹنہ، ۴۔ قرۃ العین حیدر کا فن (۱۹۸۵ء)، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۵۔ طرزِ تعلیم (۱۹۸۷ء)، مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، ۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد (۱۹۸۹ء)، انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی۔

تالیفات : ۱۔ سلور کنگ : آغا حشر (۱۹۶۴ء)، مکتبہ فروغ اُردو، لکھنؤ ۲۔ اختر اورینوی کے افسانے (۱۹۷۷ء)، بہار اُردو اکادمی، پٹنہ۔

زیرِ اشاعت کتاب : ۱۔ اقبال کا نظریۂ خودی، ۲۔ عظمتِ غالب، ۳۔ THE WAY OF ISLAM

مشاغل : ۱۔ صدر انجمن ترقی اُردو بہار، ۲۔ صدر حلقۂ ادب بہار، ۳۔ صدر بہار اقلیتی تعلیمی بورڈ، ۴۔ ممبر مجلس عام و مجلس عاملہ، انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۵۔ ممبر مجلس عام، جامعۂ اُردو، علی گڑھ، ۶۔ ممبر مجلس منتظمہ، گورنمنٹ اُردو لائبریری، پٹنہ، ۷۔ ممبر مجلسِ منتظمہ، بہار اُردو اکادمی، ۸۔ ممبر بہار لسانی و مذہبی اقلیتی کمیشن، ۹۔ ممبر بہار اُردو پروموشن کمیٹی، ۱۰۔ ممبر بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، ۱۱۔ ڈائریکٹر بہار ٹکسٹ بک پبلشنگ کارپوریشن، ۱۲۔ مدیر ماہنامہ "مریخ"، پٹنہ۔

(خود نوشت)

بقیہ "ظفر اوگانوی" (صفحہ ۱۳۴ سے مسلسل):

---

(۴) ڈاکٹر ابوبکر جیلانی، "اپدر بوکتور بحیثیت مثنوی نگار"، ۱۹۸۱ء، (۵) ڈاکٹر روحی قاضی، "آزادی کے بعد اُردو ناول"، ۱۹۸۲ء، (۶) ڈاکٹر رئیس انور رحمٰن، "اُردو میں نثری شاعری"، ۱۹۸۲ء، (۷) ڈاکٹر ساجدہ بانو، "اُردو کے بنگالی ناول نگار"، ۱۹۸۴ء، (۸) ڈاکٹر شہناز نبی، "آزادی کے بعد اُردو تنقید کا ارتقا"، ۱۹۸۹ء

زیرِ ترتیب : (۱) ۱۹۷۷ء کے بعد اپنے افسانوں کا مجموعہ (۲) تنقیدی مضامین کا مجموعہ

(خود نوشت)

پروفیسر عتیق احمد صدیقی

(رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ)

نام : عتیق احمد صدیقی، پروفیسر شعبۂ اُردو اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

تاریخِ پیدائش : ۱۰ ستمبر ۱۹۲۲ء

تعلیم : ایم۔اے (اُردو) پی ایچ۔ڈی، ڈپلوما اِن لنگوسٹکس۔

مشغلۂ تدریس : دہلی یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ــــ ۲۷ سال۔

تصنیف و تالیف : (۱) بنیادی اُردو، (۲) بنیادی نصاب، (۳) مقدمۂ شعر و شاعری حالی ۔ تقدیم و تدوین، (۴) آسان قواعد، (۵) قصائدِ سودا ۔ تقدیم و تدوین، (۶) ہند آریائی اور ہندی (ترجمہ)، (۷) مقدمہ توضیحی لسانیات (ترجمہ)، (۸) یونانی ڈراما، (۹) سید سلیمان ندوی ــــ ترتیب و تدوین، (۱۰) انتخاب مضامینِ سرسید ۔ تقدیم و ترتیب، (۱۱) منتخب مضامینِ سرسید ۔ تقدیم و ترتیب، (۱۲) انتخاب زمین دار ۔ تقدیم و ترتیب، (۱۳) لسانیاتی جائزہ ہند (ترجمہ)، (زیرِ طبع)، (۱۴) این۔سی۔ای۔آر۔ٹی کے لیے درجہ ششم، ہفتم اور ہشتم کی نصابی کتابیں (اشتراک)، (۱۵) اندرا گاندھی

اوپن یونیورسٹی کے لیے بی۔اے کے فاؤنڈیشن کورس کی نصابی کتابیں ۔ ۵ جلدوں میں (اشتراک)، (۱۶) تقریباً ساٹھ مضامین/مقالات ۔

دیگر کوائف : (۱) بیسیوں قومی اور بین قومی سیمیناروں میں شرکت کی اور مقالات پیش کیے ، (۲) اتر پردیش اُردو اکادمی سے دو کتابوں پر انعام پایا ، (۳) متعدد یونیورسٹیوں کی مطالعاتی مجالس (بورڈ آف اسٹڈیز) اور تحقیقی مجالس (ریسرچ بورڈ) کا رکن رہا ، (۴) ترقیِ اُردو بورڈ اور اس کی کئی ذیلی کمیٹیوں کا رکن رہا۔ (۵) جامعہ اُردو کی مختلف مجالس کا رکن رہا، (۶) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ، مجلسِ عاملہ (اکیڈمک کونسل) فیکلٹی اور متعدد ذیلی کمیٹیوں کا رکن رہا، (۷) آل انڈیا ریڈیو دہلی، لکھنؤ ٹیلی ویژن سے متعدد نشریات ، (۸) رسالہ ادیب (جامعہ اُردو، علی گڑھ) کی چار سال ادارت کی (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۰ء) ، (۹) رسالہ فکر و نظر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی تین سال ادارت کی (۱۰) متعدد سیمینار منعقد کرائے (۱۱) تین سال شعبۂ اُردو کی صدارت کی تو تدریسی اور تحقیقی کاموں کی رہنمائی کی (۱۲) اُردو اساتذہ کے لیے کئی تربیتی/تجدیدی کورسوں کا اہتمام کیا اور ان کی رہنمائی کی۔

ذمہ داریاں : (۱) نائب شیخ الجامعہ، جامعہ اُردو (۱۹۷۴ء - ۱۹۸۰ء)، (۲) پرووسٹ سرسید ہال (۱۹۸۰ - ۱۹۸۱ء)، (۳) صدر مجلسِ ادارت فکر و نظر (۱۹۸۴ - ۱۹۸۸ء)، (۴) اُردو نصاب ترقیاتی مرکز کا کوآرڈی نیٹر، (۵) صدر شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۸۴ - ۱۹۸۷ء)، (۶) ڈائرکٹر سرسید اکادمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، (۷) ڈین فیکلٹی آف آرٹس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۔

(خود نوشت)

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

(رکن مجلسِ عام)

نام : ڈاکٹر (مسز) فہمیدہ بیگم

تاریخ و جائے پیدائش : ۱۲ر جون ۱۹۳۸ء، راما نگرم بنگلور (ضلع بنگلور، ہندوستان)۔

تعلیم : (۱) بی۔اے (آنرز)، فرسٹ کلاس فرسٹ، ۱۹۶۰ء، (۲) ایم۔اے (اُردو)، فرسٹ کلاس فرسٹ، ۱۹۶۲ء، (۳) پی ایچ ڈی، ۱۹۷۲ء، (۴) سرٹیفکیٹ اِن لنگوسٹکس اینڈ فونٹیکس، لندن یونیورسٹی، ۱۹۷۰ء۔

موجودہ عہدہ : ڈائرکٹر، ترقیِ اُردو بیورو (وزارتِ فروغِ انسانی وسائل)، نئی دہلی (جولائی ۱۹۸۲ء تا حال)۔

ملازمت : (۱) ریڈر اور صدر شعبۂ اُردو، بنگلور یونیورسٹی، بنگلور، ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۲ء، (۲) لکچرر شعبۂ اُردو، بنگلور یونیورسٹی، ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء، (۳) لکچرر اور صدر شعبۂ اُردو (مختلف کالجوں میں)، سات سال۔

کتابیں : (۱) میسوری اُردو اور نے، ۱۹۷۵ء، (۲) کتابیاتِ اُردو مثنوی، ۱۹۸۱ء، (۳) بہارِ ادب، ۱۹۸۱ء، (۴) شعر و زبان (زیرِ طبع)، (۵)

(باقی صفحہ ۱۴۷ پر)

پروفیسر قمر رئیس

(رکن مجلس عام و مجلس منتظمہ)

ادبی نام : قمر رئیس

نام : مصاحب علی خاں

تاریخ اور جائے پیدائش : ۱۲ر جولائی ۱۹۳۲ء، شاہجہان پور (یوپی)

تعلیم : (۱) بی۔اے، (۲) ایل ایل۔بی، (۳) ایم۔اے، اُردو (ناگپور) ۱۹۵۵ - ۱۹۵۶ء (فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن کے ساتھ)، (۴) پی ایچ۔ ڈی، اُردو (علیگ) ۱۹۵۹ء (زیرِ نگرانی پروفیسر رشید احمد صدیقی)، موضوع "پریم چند کا تنقیدی مطالعہ"۔

تدریسی تجربہ : (۱) لکچرر، انسٹی ٹیوٹ آف پوسٹ گریجویٹ ایوننگ اسٹڈیز، دہلی یونیورسٹی (اگست ۱۹۵۹ء تا ستمبر ۱۹۶۰ء)، (۲) ریڈر، شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی (اکتوبر ۱۹۶۰ء تا دسمبر ۱۹۸۲ء)، (۳) پروفیسر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی (یکم جنوری ۱۹۸۳ء تا حال)، (۵) صدر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی (جون ۱۹۷۶ء تا مئی ۱۹۷۹ء)، (۶) وزٹنگ پروفیسر، شعبۂ ہندوستانی مطالعات، اورینٹل فیکلٹی، تاشقند یونیورسٹی، سوویٹ یونین (ستمبر ۱۹۶۲ تا جون ۱۹۶۶ء اور ستمبر ۱۹۷۰ء تا جون ۱۹۷۲ء)۔

مطبوعات: (۱) پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، ۱۹۵۹ء، (اس کتاب کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں)، (۲) مضامینِ پریم چند، ۱۹۶۰ء، (۳) منشی پریم چند: شخصیت اور کارنامے، ۱۹۶۳ء، (۴) تلاش و توازن، ۱۹۶۸ء، (۵) اُردو ڈرامہ، ۱۹۶۲ء، (۶) تنقیدی تناظر، ۱۹۷۷ء، (۷) ہندوستانی ادب پر اکتوبر انقلاب کے اثرات (انگریزی میں)، ۱۹۷۷ء، (۸) ترجمے کا فن اور روایت، ۱۹۷۴ء، (۹) پریم چند: فکر و فن، ۱۹۸۰ء، (۱۰) رتن ناتھ سرشار۔

ادارت: (۱) "علی گڑھ میگزین" (اُردو)، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۵۸-۱۹۵۷ء، (۲) "ادیب" جامعہ اُردو، علی گڑھ، ۱۹۵۶ء تا اگست ۱۹۵۹ء، (۳) "عصری آگہی" دہلی، ۱۹۵۹ء تا ۱۹۸۶ء۔

انعامات و اعزازات: (۱) یوپی گورنمنٹ انعام، ۱۹۶۰ء، (۲) "امتیازِ میر" انعام، آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۸۱ء، (۳) یوپی اُردو اکیڈمی انعام، ۱۹۶۸ء، (۴) بہار اُردو اکیڈمی انعام، ۱۹۸۱ء، (۵) نیشنل لکچرر، یوجی سی، ۸۷-۱۹۸۶ء

رکنیت: (۱) رکن وفد ہندوستانی مصنفین جس نے مصنفین کے روس کے بین الاقوامی اجتماع میں شرکت کی، (۲) رکن معتمد، وفد اساتذۂ جامعات جس نے پاکستانی جامعات اور علمی اداروں کا دورہ کیا، نومبر ۱۹۷۹ء، (۳) جنرل سکریٹری کل ہند انجمنِ اُردو اساتذۂ جامعات (۴) سکریٹری، ہندوستان کے ترقی پسند مصنفین کا قومی فیڈریشن، (۵) نائب صدر، انڈو سوویت کلچرل سوسائٹی، دہلی، (۶) سکریٹری، پریم چند صدی تقریبات نیشنل کمیٹی، ۱۹۸۰ء، (۷) رکن، انجمن ترقی اُردو (ہند)۔

دیگر کوائف: (۱) مکتبہ جامعہ دہلی کی معیاری ادب سیریز کے ادارتی بورڈ کے رکن کی حیثیت سے "فسانۂ آزاد" (سرور)، "فردوسِ بریں" (سرشار)، اور "شریف زادہ" (رسوا) کی تدوین کی، (۲) "امراؤ جان ادا" مرتب کی، (۳)

(باقی صفحہ ۱۲۶ پر)

پروفیسر گوپی چند نارنگ

(رکن مجلسِ عام و مجلسِ منتظمہ)

پیدائش: ۱۱ر فروری ۱۹۳۱ء

مقامِ پیدائش: ڈکی (بلوچستان)

تعلیم: ایم۔ اے، اُردو (دِلّی کالج)، پی ایچ۔ ڈی (دہلی یونیورسٹی)، آنرزان پرشین (پنجاب یونیورسٹی)، پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما، لسانیات (دہلی یونیورسٹی)، سمعیات اور تشکیلی گرامر پر خصوصی کورس (انڈیانا یونیورسٹی)۔

موجودہ عہدہ: پروفیسر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی، نیز نیشنل فیلو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن۔

ملازمت اور علمی مشاغل: ۱۔ یونی ورسٹی پروفیسر اور صدر شعبۂ اُردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵..۱۱۔ (۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۶ء)، ۲۔ قائم مقام وائس چانسلر، جامعہ ملیہ اسلامیہ (جون، جولائی ۱۹۸۱ء)، ۳۔ ڈین فیکلٹی آف ہیومینٹیز اینڈ لینگویجز، جامعہ ملیہ اسلامیہ (۱۹۸۱ء-۱۹۸۲ء)، ۴۔ ڈائرکٹر اُردو خط و کتابت کورس، جامعہ ملیہ اسلامیہ (۱۹۷۵ء تا حال)، ۵۔ وزیٹنگ پروفیسر، وسکانسن یونی ورسٹی میڈیسن

(۱۹۶۸ء۔۱۹۷۰ء)، ۶۔ وزیٹنگ پروفیسر، منی سوٹا یونی ورسٹی، مینا پلس (گرما ۱۹۶۹ء)، ۷۔ وزیٹنگ پروفیسر، وسکانسن یونیورسٹی میڈیسن (۱۹۶۳۔ ۱۹۶۵ء)، ۸۔ ریڈر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء۔۱۹۷۴ء)، ۹۔ لیکچرر شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی (۱۹۵۸۔ ۱۹۶۱ء)، ۱۰۔ لیکچرر سینٹ اسٹیفنز کالج، دہلی یونیورسٹی (۱۹۵۷۔۱۹۵۸ء)۔

کتابیں: (۱) ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں، ۱۹۶۰ء، (۲) کرخنداری اُردو کا لسانیاتی مطالعہ (انگریزی)، ۱۹۶۱ء، (۳) اُردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو، ۱۹۶۲ء، (۴) ریڈینگز اِن اُردو پروز (انگریزی، اُردو)، ۱۹۶۷ء، (۵) منشوراتِ کیفی (ترتیب و مقدمہ)، ۱۹۶۸ء، (۶) آثارِ محروم (مرتبہ) ۱۹۶۹ء، (۷) کربل کتھا کا لسانی مطالعہ (باشتراک)، ۱۹۷۰ء، (۸) ارمغانِ مالک، جلد اول و جلد دوم (مرتبہ)، ۱۹۷۲ء، (۹) املانامہ (سفارشات املا کمیٹی ترقی اُردو بورڈ)، مرتبہ، ۱۹۷۴ء، (۱۰) پرانوں کی کہانیاں (برائے نیشنل بک ٹرسٹ)، ۱۹۷۶ء، (۱۱) اقبال جامعہ کے مصنفین کی نظر میں (مرتبہ)، ۱۹۷۹ء، (۱۲) وضاحتی کتابیات ۱۹۷۶ء، جلد اول (باشتراک)، ۱۹۸۰ء، (۱۳) اُردو افسانہ: روایت اور مسائل (مرتبہ)، ۱۹۸۱ء، (۱۴) انیس شناسی (مرتبہ)، ۱۹۸۱ء، (۱۵) انڈین پوئٹری ٹوڈے (جلد چہارم) جدید اُردو شاعری، برائے انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز (تالیف و ترجمہ)، ۱۹۸۱ء، (۱۶) سفر آشنا، ۱۹۸۲ء، (۱۷) اقبال کا فن (مرتبہ)، ۱۹۸۳ء، (۱۸) نئی کرن (برائے این سی ای آر ٹی۔ باشتراک)، ۱۹۸۳ء، (۱۹) نئی روشنی (برائے این سی ای آر ٹی۔ باشتراک)، ۱۹۸۳ء

(۲۰) پڑھو اور بڑھو " " " ")، ۱۹۸۳ء

(۲۱) وضاحتی کتابیات (جلد دوم) ۱۹۷۷ء۔۱۹۷۸ء (باشتراک) ۱۹۸۴ء،

(۲۲) لغت نویسی کے مسائل (مرتبہ)، ۱۹۸۴ء، (۲۳) اسلوبیاتِ میر، ۱۹۸۴ء،

(۲۴) اُردو کی نئی کتاب (گیارھواں درجہ)، ۱۹۸۶ء، (۲۵) سانحۂ کربلا بطور شعری

استعارہ، ۱۹۸۶ء، (۲۶) انتظار حسین کی کہانیاں، ۱۹۸۶ء، (۲۷) امیر خسرو کا ہندوی کلام، ۱۹۸۷ء، (۲۸) نیا اُردو افسانہ، ۱۹۸۷ء، (۲۹) اُردو کی نئی کتاب (برائے درجہ اوّل، دوم، پنجم اور دہم) ۱۹۸۹ء، (۳۰) اُردو تنقید اور اسلوبیات ۱۹۸۹ء۔

انعامات و اعزازات: ۱۔ صدرِ پاکستان کی جانب سے اقبال صدی طلائی تمغہ امتیاز (۱۹۷۷ء)، ۲۔ غالب ایوارڈ، حکومتِ اتر پردیش (۱۹۶۳ء)، ۳۔ کامن ویلتھ فیلوشپ برائے لندن یونی ورسٹی (۱۹۶۳ء)، ۴۔ اُردو اکیڈمی اتر پردیش انعام (۱۹۷۲ء)، ۵۔ میر ایوارڈ، میر اکیڈمی لکھنؤ (۱۹۷۷ء)، (۶) نیشنل ایوارڈ (قومی کونسل برائے تعلیمات)، (۱۹۷۸ء)، ۷۔ بہار اُردو اکیڈمی ایوارڈ (۱۹۷۹ء)، ۸۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی المنائی واشنگٹن خصوصی ایوارڈ (۱۹۸۲ء)، ۹۔ ایسوسی ایشن ایشین اسٹڈیز نیشنل وینیا خصوصی ایوارڈ (۱۹۸۲ء)، ۱۰۔ خصوصی ایوارڈ، بہار اُردو اکیڈمی (۱۹۸۳ء)، ۱۱۔ ساہتیہ کلا پریشد دہلی ایوارڈ (۱۹۸۴ء)، ۱۲۔ غالب ایوارڈ (۱۹۸۵ء)، ۱۳۔ ہندی اُردو کمیٹی ایوارڈ، (۱۹۸۵ء)، ۱۴۔ نذرِ خسرو ایوارڈ (۱۹۸۷ء)۔

سمینار اور کانفرنسیں: جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ذیل کے سمینار کرائے:
۱۔ جدید اُردو ادب میں زبان کا تخلیقی استعمال کل ہند سمینار (۱۹۷۵ء)،
۲۔ ہند و پاک انیس صدی سیمینار (۱۹۷۶ء)، ۳۔ کل ہند اقبال صدی سیمینار (۱۹۷۷ء)، ۴۔ لغت نویسی کے مسائل، کل ہند سیمینار (۱۹۷۸ء)، ۵۔ ڈاکٹر عابد حسین کی ادبی و قومی خدمات، کل ہند سیمینار (۱۹۸۰ء)، ۶۔ ہند و پاک اُردو افسانہ سیمینار (۱۹۸۰ء)، ۷۔ ہند و پاک میر تقی میر سیمینار (۱۹۸۳ء)۔

دیگر کوائف: ۱۔ رکن مجلس منتظمہ اور کنوینر اُردو ایڈوائزری بورڈ ساہتیہ اکیڈمی، ۲۔ رکن مجلس منتظمہ و رکن مجلس عام، انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۳۔ کنوینر اُردو ایڈوائزری کمیٹی بھارتیہ گیان پیٹھ ایوارڈ، ۴۔ چیرمین اُردو کمیٹی قومی کونسل برائے تعلیمات

حکومتِ ہند، ۵۔ چیرمین ایوارڈ کمیٹی، دہلی اُردو اکیڈمی، ۶۔ سکریٹری مرکزی انیس کمیٹی، ۷۔ سکریٹری خواجہ غلام السیدین ٹرسٹ، ۸۔ لائف ممبر، انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر، ۹۔ رکن مشاورتی کمیٹی، دہلی ٹیلی ویژن، ۱۰۔ رکن مشاورتی کمیٹی اُردو نشریات آل انڈیا ریڈیو، ۱۱۔ رکن ترقی اُردو بورڈ، حکومتِ ہند (۱۹۷۹ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۰ء)،
۱۲۔ رکن پینل برائے ادبیات ولسانیات ترقی اُردو بورڈ (۱۹۷۰ء۔۱۹۸۱ء)،
۱۳۔ رکن اصطلاحات سازی کمیٹی برائے لسانیات ترقی اُردو بورڈ، (۱۹۷۴ء۔۱۹۸۳ء)،
۱۴۔ مشیر نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، (۱۹۷۴۔۱۹۸۳ء)، ۱۵۔ ڈائرکٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ (۱۹۷۶۔۱۹۸۰ء)، ۱۶۔ رکن اکیڈمک کونسل، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، (۱۹۷۵ء۔۱۹۷۷ء)، ۱۷۔ مشیر امیر خسرو سوسائٹی شکاگو، ۱۸۔ رکن پینل برائے السنۂ ہند، یوجی سی (۱۹۸۷ء)، ۱۹۔ رکن ڈاکٹر ذاکر حسین ٹرسٹ (۱۹۸۷ء)، ۲۰۔ سکریٹری ڈاکٹر سید عابد حسین میموریل سوسائٹی (۱۹۸۰ء)۔

(خود نوشت)

بقیہ "فہمیدہ بیگم" (صفحہ ۱۴۱ سے مسلسل):

انتقادِ قدیم اُردو (زیرِ طبع)۔

وظائف: (۱) میرٹ اسکالرشپ برائے بی۔اے (آنرز) اور ایم۔اے، (۲) یو جی سی جونیر ریسرچ فیلو، میسور یونیورسٹی، (۳) کامن ویلتھ اسکالر شپ، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز، لندن یونیورسٹی، لندن۔

دیگر کوائف: (۱) رکن اکیڈمک کونسل، بنگلور یونیورسٹی، بنگلور، (۲) رکن راجہ رام موہن رائے لائبریری فاؤنڈیشن کلکتہ، (۳) رکن، کرناٹک اُردو اکیڈمی، بنگلور، (۴) صدر کرناٹک اُردو اکیڈمی، بنگلور، (۵) رکن ہریانہ اُردو اکیڈمی، فریدآباد، (۶) رکن، سندھی مشاورتی کمیٹی، (۷) رکن، جنرل کونسل آف راجستھان اُردو اکیڈمی، جے پور، (۸) این سی ای آر ٹی مشاورتی

(باقی صفحہ ۱۲۳ پر)

پروفیسر لطف الرحمٰن

(رکن مجلس عام)

ادبی نام : لطف الرحمٰن

نام : محمد لطف الرحمٰن شمسی

تاریخ پیدائش : ۲ر فروری ۱۹۴۱ء

جائے پیدائش : قصبہ اور پوسٹ بنیا پور، ضلع سارن

تعلیم : ۱۔ بی۔ اے (آنرز) اردو، ۱۹۶۱ء، بہار یونیورسٹی، فرسٹ کلاس فرسٹ (گولڈ میڈلسٹ)، ۲۔ ایم۔ اے (اردو)، ۱۹۶۳ء، پٹنہ یونیورسٹی، فرسٹ کلاس فرسٹ (گولڈ میڈلسٹ)، ۳۔ ایم۔ اے (فارسی)، ۱۹۶۴ء، پٹنہ یونیورسٹی، فرسٹ کلاس فرسٹ (گولڈ میڈلسٹ)، ۴۔ پی ایچ۔ ڈی (اردو)، ستمبر ۱۹۷۱ء، پٹنہ یونیورسٹی۔

تدریسی تجربہ : ۱۔ لکچرر اردو، اے۔ این۔ کالج، پٹنہ (ستمبر ۱۹۶۳ء تا فروری ۱۹۶۴ء)، ۲۔ پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ آف اردو، پٹنہ یونیورسٹی (جولائی ۱۹۶۴ء تا جولائی ۱۹۶۶ء — بہ حیثیت جونیر ریسرچ فیلو)، ۳۔ لکچرر اردو، ٹی این بی کالج، بھاگل پور یونیورسٹی (اگست ۱۹۶۶ء تا فروری ۱۹۸۴ء)،

۴۔ پی جی ڈپارٹمنٹ آف اُردو، بھاگل پور یونیورسٹی، بھاگل پور (۱۲ر فروری ۱۹۸۴ء سے)، ۵۔ ریڈر (۴ار نومبر ۱۹۸۰ء سے)، ۶۔ صدر شعبۂ اُردو ٹی این بی کالج، بھاگل پور (۱۹۸۰۔ ۱۹۸۴ء)، ۷۔ یونیورسٹی پروفیسر (فروری ۱۹۸۵ء سے)۔

کتابیں : ۱۔ "تازگیِ برگِ نوا" (۱۹۷۷ء)، ۲۔ "بہار میں اُردو غزل" (زیرِ طبع)۔

ادارت : ۱۔ اعزازی مدیر ہفتہ وار "قومی تنظیم"، (پٹنہ)، ۲۔ اعزازی مدیر، ہفتہ وار "کوہکن"، (پٹنہ)، ۳۔ مدیر "سہیل" (بھاگل پور کا ادبی مجلہ) (نمبر)، گیا۔

رکنیت : ۱۔ رکن بہار اُردو اکادمی، پٹنہ، ۲۔ رکن مشاورتی کمیٹی برائے ترقیِ اُردو، حکومتِ بہار، پٹنہ، ۳۔ رکن اکیڈمک کونسل، بھاگل پور یونیورسٹی (ایک سال کے لیے)، ۴۔ رکن آل انڈیا اُردو ٹیچرز ایسوسی ایشن (مرکزی دفتر دہلی)۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ "مرزا خلیل احمد بیگ" (صفحہ ۱۰۹ سے مسلسل):

زبان کے آغاز و ارتقا اور اُردو رسمِ خط پر دو لکچر دیے، ۶۔ مارچ ۱۹۸۵ء میں اُردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سنٹر (وزارتِ تعلیم، حکومتِ ہند)، سولن کی دعوت پر وہاں اُردو زبان اور رسمِ خط کی تدریس پر چار لکچرز دیے، ۷۔ جون ۱۹۸۹ء میں شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام منعقدہ جلسے میں "مزاح کی تخلیق میں زبان کا حصّہ" پر مقالہ پیش کیا، ۸۔ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، نئی دہلی کے ایک مخصوص پروجیکٹ کے تحت مختلف جماعتوں کی اُردو کی نصابی کتب کی تیاری کے سلسلے میں منعقد ہونے والے ورک شاپس میں متعدد بار شرکت کی (۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۵ء)۔

(خود نوشت)

پروفیسر محمد ذاکر

(رکن مجلس عام)

نام : محمد ذاکر

ولادت : ۱۹۲۲ء

تعلیم : ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی (دلی یونی ورسٹی)

پیشہ : ملازمت

دفتر کا پتا: پروفیسر شعبۂ اُردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

ممبر : لنگوسٹک سوسائٹی آف انڈیا

تصانیف و تالیفات : ۱۔ ہندوستان، آج اور کل (ترجمہ)، ۲۔ آزادی کے بعد ہندوستان کا اُردو ادب (مقالہ پی ایچ۔ڈی)، مکتبہ جامعہ، ۳۔ نیا اردو نصاب حصہ اوّل (مکتبہ جامعہ)، ۴۔ نیا اُردو نصاب حصہ دوم، باشتراک (مکتبہ جامعہ)، ۵۔ ابتدائی اُردو ریڈر (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ۶۔ اُردو نثر و نظم کے نمونے (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ۷۔ منتخبات جامعہ اُردو حصہ اوّل، (سر سید بک ڈپو)، ۸۔ LESSONS IN URDU SCRIPT ۹۔ DISTRACTING WORDS (ترجمہ اشعارِ غالب)، ۱۰۔ QUINTESSENCE OF SELF-CULTURE (ترجمہ رُوحِ تہذیب)

(خود نوشت)



پروفیسر سید محمد طاہر رضوی
(سابق نائب شیخ الجامعہ)



پروفیسر نذیر احمد
(سابق نائب شیخ الجامعہ اور اعزازی خازن)



پروفیسر قمرالحسن فاروقی
(سابق اعزازی خازن)



سید احمد علی شاہ جعفری
(سابق رجسٹرار)



حشمت حسین عثمانی
(سابق رجسٹرار)



اشرف علی خاں
(سابق رجسٹرار)



محمد جمیل خاں
(سابق رجسٹرار)



ڈاکٹر شکور اللہ خاں شروانی
(موجودہ رجسٹرار)



ڈاکٹر یوسف حسین خاں
(سابق شیخ الجامعہ)



پروفیسر رشید احمد صدیقی
(سابق شیخ الجامعہ)



کرنل بشیر حسین زیدی
(سابق شیخ الجامعہ)



شفاء الملک حکیم عبداللطیف
(سابق اعزازی خازن)

Registered with the Registrar of Newspapers for India at R. N.—29293/77

ADEEB

A Literary Journal of Jamia Urdu

ALIGARH-202002

VOLUME-13, ISSUE 4, 1989

پروگرام امتحانات سنہ ۱۹۸۹ء

تاریخ	وقت	ابتدائی	ادیب	ادیب ماہر	ادیب کامل	معلم اردو
۴ر دسمبر پیر	صبح ۹ سے ۱۲	نثر اردو	نثر و تاریخ اردو	نثر اردو	نثر اردو	اصول تعلیم
	دوپہر ۱½ سے ۴½	-	-	-	تنقید	-
۵ر دسمبر منگل	صبح ۹ سے ۱۲	نظم اردو	نظم اردو	نظم اردو	نظم اردو	تعلیمی نفسیات
	دوپہر ۱½ سے ۴½	-	-	-	خصوصی مطالعہ	-
۶ر دسمبر بدھ	صبح ۹ سے ۱۲	انشاء قواعد ہندی فارسی معلومات	انشاء قواعد اور ہندی	انشاء قواعد اور ہندی	انشاء قواعد عروض و بلاغت	تنظیم مدرسہ اور حفظان صحت
	دوپہر ۱½ سے ۴½	-	-	تاریخ ادب اردو	تاریخ زبان و ادب اردو	-
۷ر دسمبر جمعرات	صبح ۹ سے ۱۲	-	انگریزی عربی فارسی معلومات اصول صحت	انگریزی عربی فارسی معلومات علم خانہ داری	فارسی عربی انگریزی ہندی ثقافت اسلامی علم خانہ داری	طریقۂ تدریس

نوٹ:- (۱) انتہائی احتیاط کے باوجود پرچوں کی ترتیب کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

(۲) مقررہ اوقات کی پابندی ہر امیدوار پر لازم ہے۔

رجسٹرار
جامعہ اردو

Printed at Litho Colour Printers, Achal Tal, Aligarh Ph. 4186

اردو دنیا

116

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی کا خبرنامہ

مرتضویہ ایجوکیشنل اینڈ کلچرل فونڈیشن آف ساوتھ انڈیا
مدراس کے تحت چل رہے بیورو کے خطاطی مرکز میں
۲۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کو کامیاب طلبار کو اسناد تقسیم کی گئیں
اس موقع کی چند تصاویر



ڈاکٹر اسد [illegible] ڈائرکٹر آف بیورو تقریر کرتے ہوئے



نواب محمد عبد العلی شریف تقریر کر رہے ہیں
تصویر میں ڈاکٹر ایس۔ اے قادری اور ڈاکٹر فہیدہ بیگم کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔



شریمتی اندرا گاندھی

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کی صبح شریمتی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند کو ان کی رہائش گاہ ۱۔ صفدر جنگ روڈ نئی دہلی میں اچانک قتل کر دیا گیا۔ سارے ملک پر غم کے گھنے بادل چھا گئے پوری قوم نے اس کا سوگ منایا ہندوستانی عوام کے ساتھ ساری دنیا اس عظیم سانحہ کے رنج و غم میں شریک ہوئی۔

شریمتی اندرا گاندھی ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو شری جواہر لال نہرو کے یہاں الٰہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے بھارتیہ شانتی نکیتن، پونا، بمبئی، آکسفورڈ، برسٹل اور سوئزرلینڈ میں تعلیم پائی۔ ۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء کو ان کی شادی فیروز گاندھی سے ہوئی ان کے یہاں دو فرزند شری راجیو گاندھی اور شری سنجے گاندھی پیدا ہوئے۔

شریمتی اندرا گاندھی نے بچپن سے ہی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا اور کانگریس پارٹی سے وابستہ ہو کر ملک و قوم کی خدمت میں مصروف ہو گئیں۔ کئی بار گرفتار ہوئیں اور دوسری صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر قوم کی خدمت کے راستے سے نہیں ہٹیں بالآخر قوم نے آپ کو اپنا رہنما اور ملک کا وزیراعظم منتخب کیا۔ اس طرح شریمتی اندرا گاندھی کئی اہم قومی اور بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں سے وابستہ رہیں۔ ناوابستہ ملکوں کی تنظیم کی بھی وہ سربراہ تھیں ۱۹۷۲ء میں انہیں بھارت رتن کے اعزاز سے نوازا گیا تھا۔ اسی طرح انہیں کئی بین الاقوامی اعزازات سے نوازا گیا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں انہیں شمال و مشرق کی مفاہمت کے لیے یو۔ تھانٹ ایوارڈ بھی دیا گیا تھا۔ شریمتی اندرا گاندھی کئی اہم تصانیف کی مصنف بھی تھیں۔ انہوں نے ہندوستان اور ہندوستان کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک کا بڑے پیمانے پر سفر کیا تھا اور ہندوستان کے وقار کو بلند کیا تھا۔ شریمتی گاندھی کا شمار دنیا کے اہم ترین قائدین میں ہونے لگا تھا۔

شریمتی اندرا گاندھی کو اپنے وطن سے گہری محبت تھی۔ وہ ہمیشہ امن و انصاف اور سیکولر روایات کی علمبردار رہیں۔ انہیں پسماندہ طبقات اور اقلیتوں سے گہری دلچسپی تھی۔ وہ ہندوستان کی اور زبانوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اردو کی ترقی بھی چاہتی تھیں۔ وزارت تعلیم حکومت ہند کے تحت ۱۹۶۹ء میں ترقی اردو بورڈ تشکیل دیا گیا پھر اس کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک خاص سرکاری محکمہ ترقی اردو بیورو بھی قائم کیا گیا۔ ملک میں اردو زبان و ادب کو فروغ دینے کے لیے کئی ریاستی اردو اکیڈمیوں کا قیام بھی انہیں کے دور کی یادگار ہیں۔ ریاست بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ بھی آپ کے دور کی دین ہے اردو کے مسائل کو حل کرنے کے لیے انہوں نے ۱۹۷۲ء میں فروغ اردو کمیٹی (گجرال کمیٹی) قائم کی تھی اس کمیٹی نے ۱۹۷۵ء میں اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی ۱۹۷۹ء کے بعد اس پر ترقی اردو بیورو کی مدد سے عمل درآمد بھی شروع ہوا۔ ۱۹۸۴ء میں اس کام کی نگرانی کے لیے وزارت تعلیم حکومت ہند میں ایک مستقل کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے شریمتی اندرا گاندھی نے ترقی اردو بورڈ کی کتاب 'شریمد بھگوت گیتا (اردو ترجمہ) اور لا کمیشن وزارت قانون حکومت ہند کے تعاون سے شائع کی گئی کتاب "بھارت کا آئین" کی رسم اجراء انجام دی تھی۔ ان دونوں تقاریب میں انہوں نے اردو زبان کے مسائل سے گہری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ اردو ہماری ایک اہم قومی زبان ہے اور اس کو ملک میں اس کا جائز مقام ملنا چاہیئے۔



جناب کرشن چندر پنت
ہمارے نئے وزیر تعلیم

"جب ہم یہاں یعنی قلعہ احمد نگر کے قید خانے میں آئے تو پہلی تاریخ کے چاند، تاریک آسمان میں چمکتے ہوئے ہلال نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ یہ چاند قید خانے کی تنہائی میں میرا ساتھی رہا ہے۔ اتنے دنوں ساتھ رہنے سے یہ دوستی اور بھی پکی ہوگئی ہے۔ چاند مجھے ہمیشہ یہ یاد دلاتا ہے کہ دنیا بہت سندر ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ زندگی ختم ہو کر پھر سے جنم لیتی ہے اور مٹ نہیں جاتی۔ زندگی روپ بدلنے کے باوجود ایک سی رہتی ہے۔ میں نے چاند کو ان گنت روپوں اور مختلف کیفیتوں میں دیکھا ہے۔ میں اسے اس وقت بھی دیکھتا ہوں جب سائے ہونے لگتے ہیں اور اس وقت بھی جب رات کا سناٹا پھیلا ہوتا ہے"

جواہر لال نہرو

نہرو کے اَن دیکھے روپ

بیورو کی ایک کتاب سے

چو من طوطی ہندم ار راست پرسی

امیر خسرو رح

ز من ہندوی پرس تا راست گویم

نسیم احمد الاعظمی تلمیذ جناب اخلاص احمد امروہوی خوشنویسی کلاس سال دوم

غالب اکیڈمی نظام الدین نئی دہلی ۱۳

اردو دنیا

3

نگراں
ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

مجلس ادارت
ابوالفیض سحر ، شیخ سلیم احمد

جلد ۱۲ ★ جولائی ۱۹۸۴ء سے دسمبر ۱۹۸۴ء تک

اس شمارے میں

خط و کتابت کا پتہ

ترقی اردو بیورو۔ وزارت تعلیم و ثقافت ویسٹ بلاک 8 آر.کے.پورم نئی دہلی 110066

فون 693381 / 609746 603938

اپنی بات

ترقی اردو بیورو ہندوستان میں اردو کا واحد ادارہ ہے جس نے اتنے بڑے پیمانہ پر سائنسی و تکنیکی موضوعات کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب سے متعلق کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے ادب میں بیورو اب تک ۲۷ کتابیں شائع کر چکا ہے جن میں کتابوں کے علاوہ ادبی مشاہیر کی سوانح، سائنسی ایجادات، تاریخ و سیاست، کھیل کود کی کہانیاں وغیرہ جیسے موضوعات بھی شامل ہیں۔ ایک طرف اگر انڈرسن کی کہانیاں ہیں تو دوسری جانب پنچ تنتر کی کہانیاں بھی شائع کی ہیں۔ آپ کیمیا کی کہانی پڑھ سکتے ہیں تو دوسری طرف آرٹ کی بھی۔ یہ تنوع بلاشبہ بچوں کے ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ بیورو اس رنگارنگی کو قائم رکھے گا اور بچوں کے لیے نئی معیاری اور دل چسپ کتابیں شائع کرتا رہے گا۔

سائنس و ٹکنالوجی کے متعلق بھی بیورو نے کافی کتابیں شائع کی ہیں، جنھیں سارے ملک میں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے اردو زبان میں اسکول اور کالج سطح کی نصابی ضروریات کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور اردو میں اعلا تعلیم کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔ قانون و معاشیات ہو یا فن طباعت کی کہانی، انسانی ارتقا ہو یا ایٹم، پرندوں کی زندگی ہو یا ٹرانسسٹر کے اصول، بجلی ہو یا نظریۂ اضافیت، تقویم ہو یا غذا، بیماریوں کے موضوعات ہوں یا ان کے علاج، علم

حیوانیات ہو یا سائنسی کہانیاں۔ بیورو نے سبھی موضوعات اور علوم پر کتابیں لکھوائی اور شائع کی ہیں۔ بعض کتابیں تو ایسی ہیں جو اپنے موضوعات کے لحاظ سے اردو میں اوّلین کتابیں ہیں۔ آئندہ سالوں میں ان موضوعات کا دائرہ وسیع ہوگا اور سائنس و تکنالوجی کے میدان میں معیاری و دل چسپ کتابیں شائع ہوتی رہیں گی۔ اس کے علاوہ سائنسی تکنالوجی سے متعلق اصطلاحات کی فرہنگ تیار کرنے و شائع کرنے کا کام بھی خصوصی دل چسپی سے کیا جارہا ہے۔ اب چار فرہنگیں چھپ گئی ہیں۔ مزید کئی فرہنگیں جلد منظر عام پر آجائیں گی۔

زبان اور قوم

"انسان جانوروں کو تو لگام لگا کر اپنا تابعدار بناتے ہیں لیکن جب ایک انسانی قوم دوسری انسانی قوم کو اپنی تابعدار بناتی ہے تو گو اس کے منہ میں لوہے کی لگام نہیں لگاتی تاہم اس کے منہ میں ایک لگام لگادیتی ہے جس کا نام 'بدیسی زبان' ہے۔ انسان کے تمام اعمال اس کے خیالات کے ماتحت ہیں، خیالات کی روح الفاظ کے جسم میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ الفاظ زبان کا دوسرا نام ہیں، اس لیے کسی دوسری قوم کی زبان کے معنی اس قوم کا تمدن، تاریخ، مذہب، جذبات، ہر چیز ہیں۔"

سید سلیمان ندوی

نقوش سلیمانی۔ ص ۹۹۔

بیورو کی خبریں

ترقی اردو بورڈ کا چودھواں اجلاس

ترقی اردو بورڈ کا چودھواں اجلاس مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۸۴ء کو شاستری بھون میں منعقد ہوا جس کی صدارت وزیر تعلیم شریمتی شیلا کول نے کی۔ نائب وزیر تعلیم جناب پی۔ کے۔ تھنگن بھی شریک جلسہ تھے۔ اردو بورڈ کا یہ ایک کامیاب ترین جلسہ تھا جس میں زیادہ تر اراکین اور خصوصی مدعوین نے شرکت کی اور ایجنڈے کے ہر موضوع پر کھل کر اظہار خیال کیا گیا۔ جلسے کے آغاز میں وزیر تعلیم محترمہ شیلا کول نے اراکین کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں بورڈ کے پھیلتے ہوئے دائرہ کار کا ذکر کیا (ان کی تقریر اسی شمارہ میں ملاحظہ کیجیے) ان کی تقریر کے بعد ترقی اردو بیورو کی ڈائرکٹر اور اردو بورڈ کی ممبر سکریٹری ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے اراکین کے سامنے بیورو کے کاموں کی رپورٹ پیش کی جن پر اطمینان کا اظہار کیا گیا۔

وزارت تعلیم کے سرکردہ افسران جیسے ایجوکیشن سکریٹری شری مسٹر انی مرلا گربوال۔ اسپیشل سکریٹری جناب کرت جوشی، جوائنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر جناب ٹی۔ این دھر اور ڈائرکٹر (لنگویج) محترمہ آدرش مشرا نے بھی بورڈ کی اس میٹنگ میں شرکت فرمائی۔

غیر سرکاری اراکین میں بورڈ کے نائب صدر جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، جناب حیات اللہ انصاری۔ جناب سید حامد۔ جناب مہیندر دیال اور پروفیسر علی محمد خسرو بھی دیگر اراکین کے ہمراہ رونق جلسہ تھے۔

جغرافیہ کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ

جغرافیہ کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ مورخہ ۱۶ جولائی ۸۴ سے ۲۶ جولائی ۸۴ تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوا جس میں پروفیسر محمد شفیع۔ پروفیسر رفیق استاد، قاضی محمد احمد ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی نے شرکت کی۔ اس جلسہ میں تقریباً ۴۵۰ اصطلاحات پر نظر ثانی کا کام مکمل کر لیا گیا۔ اتنے ہی کارڈ بھی تیار کر لیے گیے ہیں۔ اس موضوع پر کام مکمل ہو گیا ہے اور اب ایک جلسہ

کے بعد یہ اصطلاحات طباعت کے لیے بھیجی جا سکیں گی۔

ریاضی کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ

۱۹۸۴ء سے ۲۶ جولائی
ریاضی کی اصطلاح ساز کمیٹی کا ایک جلسہ مورخہ ۱۶ جولائی
پروفیسر اظہار حسین
۱۹۸۴ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوا۔ جس میں پروفیسر افضال احمد۔
نے شرکت کی۔ تقریباً پانچ سو
جناب ایم اے قاری، جناب نثار احمد خان، محترمہ بی موسوی
اس کے بعد ان اصطلاحات
اصطلاحات وضع کی گئیں۔ بڑی حد تک کام مکمل کر لیا گیا ہے۔
اس جلسہ میں یہ بھی طے پایا کہ کمپیوٹر سائنس
پر نظرثانی کا کام شروع ہوگا۔ اس کے علاوہ
پروگرامنگ اور اعلیٰ ریاضی کی اصطلاحات کو بھی ریاضی کی اصطلاحات کے ساتھ شامل
کر لیا جائے گا۔ اس موضوع پر اصطلاحات سازی کا کام اگلے جلسہ میں کیا جائے گا

لسانیات کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ لسانیات
لسانیات کی اصطلاح ساز کمیٹی کا ایک جلسہ
میں ۱۰ ستمبر ۱۹۸۴ء سے ۱۵ ستمبر ۱۹۸۴ء تک منعقد ہوا جس میں لسانیات کی تقریباً چھ سو
اصطلاحات پر نظرثانی کا کام پورا کر لیا گیا۔ توقع ہے کہ ایک مزید جلسہ کے بعد نظرثانی کا
کام پورا ہو جائے گا۔ اس کے بعد یہ اصطلاحیں طباعت کے لیے بھیجی جا سکتی ہیں۔ اس
جلسہ میں جن حضرات نے شرکت کی ان کے نام ہیں: پروفیسر مسعود حسین خان، پروفیسر
عظیم اختر (علی گڑھ)، پروفیسر عبدالستار دلوی، اور مرزا خلیل بیگ۔ (علی گڑھ)

قانون کی اصطلاح ساز کمیٹی

قانون کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ بورڈ کے دفتر میں منعقد ہوا۔ یہ جلسہ ۱۰ ستمبر ۱۹۸۴ء سے
۱۵ ستمبر ۱۹۸۴ء تک جاری رہا۔ اس میں تقریباً چھ سو اصطلاحات پر نظرثانی کی گئی۔ نظرثانی کا یہ
پہلا جلسہ تھا۔ اس سال میں دو تین جلسے مزید منعقد کیے جائیں گے اور اس شعبہ میں کام مکمل
کر لیا جائے گا۔ اس جلسہ کے شرکا تھے: پروفیسر مصباح الحسن (علی گڑھ)، جناب رضا علی خان
(جے پور)، جناب یوسف زبیری (دہلی)، جناب سید شاہ نور الحق قادری (حیدر آباد)

لائبریری سائنس پینل کا جلسہ

لائبریری سائنس کے پینل کا ایک جلسہ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۸۴ء کو بورڈ کے دفتر میں منعقد ہوا جس کی صدارت بورڈ کی ڈائرکٹر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے کی مندرجہ ماہرین نے اس جلسہ میں شرکت کی (۱) پروفیسر جے اے واحد (۲) جناب ایس سی ربوس اور (۳) پروفیسر پی این کال

سوویت روس کی اردو اسکالر ڈاکٹر اناسوورو ابیورو

انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز۔ ماسکو کی محترمہ ڈاکٹر اناسوورو ابیورد کے دفتر تشریف لائیں۔ جنہوں نے بیورو کے قائم مقام پرنسپل پبلیکیشن آفیسر سے ملاقات کی وہ بیورد کے دوسرے اراکین سے بھی ملیں اور بیورو میں ہو رہے کاموں کو سراہا موصوفہ نے اردو ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے انہوں نے فسانہ عجائب کا روسی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے

ترقی اردو بیورو کے عملہ میں اضافہ

محترمہ ممتاز بانو ۱۸/اکتوبر ۸۴ء ۱۹ کو بحیثیت ٹیکنکل اسسٹنٹ کے بیورو کے اسٹاف میں شامل ہو گئی ہیں۔ وہ اردو میں ایم۔ اے ہیں۔ ماس کمیونی کیشن میں ڈپلوما اور بی۔ ایڈ کی ڈگری بھی حاصل کی ہیں۔ بیورو ان کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

تاریخ وسیاسیات کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ

تاریخ وسیاست کی اصطلاح ساز کمیٹی کا ایک جلسہ ۱/دسمبر ۱۹۸۴ء سے ۱۵/دسمبر ۸۴ تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوا جس میں پروفیسر عثمانی اور جناب ایس۔ ایس سعید نے شرکت کی اس جلسہ کے بعد تاریخ وسیاسیات کی اصطلاحات پر نظر ثانی کا کام مکمل ہو گیا ہے

لسانیات کی اصطلاح ساز کمیٹی کا جلسہ

لسانیات کی اصطلاح ساز کمیٹی کا ایک جلسہ ۱/دسمبر ۸۴ سے ۱۵۔ دسمبر ۸۴ تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد ہوا جس میں پروفیسر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر مرزا خلیل بیگ نے شرکت کی۔

اس جلسہ میں لسانیات کی اصطلاحات پر نظر ثانی کا کام مکمل کر لیا گیا ہے اور اب پریس کاپی
تیار کی جا رہی ہے۔

قانون کے پینل کا جلسہ

قانون کے پینل کی سب کمیٹی کا ایک جلسہ جناب جسٹس ایم۔ ایچ بیگ صاحب کی صدارت
میں اقلیتی کمیشن کے دفتر نئی دہلی میں مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۸۴ ہوا جس میں محترمہ جناب قمر الدین
ایڈوکیٹ اور جناب اے ڈبلیو. کے یوسف زئی اور جناب قاضی مختار احمد سکریٹری اقلیتی کمیشن
حکومت ہند اور جناب ایس. ایس. لانبہ نے بھی شرکت کی۔ اس جلسہ میں عوام کے لیے قانونی
کتابیں تیار کرنے پر غور کیا گیا۔

اردو کمپیوٹر

جدول بندی اور تحسیب کا عمل دائیں سے بائیں کرنا، بائیں سے دائیں کرنے سے نسبتاً آسان ہے

عملی طور پر دیکھا گیا ہے کہ لاطینی کمپیوٹر (جس میں
بائیں سے دائیں حساب کیا جاتا ہے) سے اردو۔ لاطینی
کمپیوٹر (جس میں دائیں سے بائیں حساب کتاب کیا جاتا
ہے) بہت ہی بہتر ہے۔ چنانچہ دائیں سے بائیں حساب
کتاب میں رقموں کی ترسیل، جدول بندی، جمع، تفریق،
ضرب اور تقسیم وغیرہ بہت ہی آسان ہو جاتی ہے اس
طریقے سے وقت بھی کم خرچ ہوتا ہے اور غلطی کا
احتمال بھی کم ہو جاتا ہے۔ دونوں طرز کے کمپیوٹروں
کے یادداشت خانوں کا موازنہ کرنے سے یہ بات عیاں
ہو جاتی ہے کہ اردو اسلوب میں لاطینی اسلوب کی
نسبت یادداشت خانے کا استعمال کم کرنا پڑتا ہے اور
حساب کتاب بہت تیزی سے ہو جاتا ہے جبکہ لاطینی
کمپیوٹر میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔

ترقی اردو بورڈ کے چودھویں اجلاس مورخہ ۱۸؍ جولائی ۸۴



دائیں سے بائیں بورڈ کے وائس چیرمین جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ بیورو کی ڈائرکٹر محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ۔ وزیر تعلیم محترمہ شیلا کول ۔ نائب وزیر تعلیم جناب پی ۔ کے ۔ تھنگن ۔



دائیں سے بائیں شریمتی شیلا کول ۔ جناب پی ۔ کے تھنگن ۔ محترمہ سرلا گریوال سکریٹری وزارت تعلیم جناب کرت جوشی (اسپیشل سکریٹری وزارت تعلیم) جناب ٹی ۔ این ۔ دھر (جوائنٹ ایجوکیشن اڈوائزر وزارت تعلیم) پیچھے بیورو کے ریسرچ آفیسر این ۔ کے ۔ اگروال دیکھے جا سکتے ہیں ۔



محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ۔ شریمتی شیلا کول ۔ جناب پی۔ کے بھٹنکن ۔ محترمہ سرلا گریوال ۔
جناب کرت جوشی اور جناب ٹی ۔ این ۔ دھر،
پچھلی قطار ۔ بائیں سے دائیں محترمہ آدرش شرما جوائنٹ ڈائرکٹر لنگویجز وزارت تعلیم)
جناب ایس ۔ آر ۔ سنگھ ۔ (اسسٹنٹ ایجوکیشن اڈوائزر وزارت تعلیم) جناب ابوالفیض سحر
(قائم مقام پرنسپل پبلیکیشن آفسر بیورو) جناب شیخ سلیم احمد (اسسٹنٹ ڈائرکٹر بیورو)

خطاطی مرکز نئی دہلی (غالب اکیڈمی)



دائیں سے بائیں جناب حیات اللہ انصاری ۔ جناب پروفیسر اے ۔ ایم خسرو ۔ جناب
کنور مہندر سنگھ بیدی سحر ، محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم صاحبہ اور محترمہ شیلا کول صاحبہ ۔
پیچھے ڈاکٹر رام آسرا راز اور شیخ سلیم احمد بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ (فوٹوز سید فدا علی)

اردو کی ترقی سے متعلق بورڈ کو اہم کردار ادا کرنا ہے
اجلاس مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۸۴ء میں وزیر تعلیم مسز شیلا کول کی تقریر

دوستو!

میں بورڈ کے چودھویں اجلاس کے لیے آپ سب کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ ہمارا گزشتہ اجلاس ۲۰ اگست ۱۹۸۳ء کو ہوا تھا۔ اس دوران اردو کے فروغ کے لیے بہت سے اقدامات کیے گئے ہیں مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ بیورو نے ملک کے مختلف حصوں میں اب تک کتابت کے ۲۵ تربیتی مرکز قایم کیے ہیں جن میں تین مرکز تو بطور خاص خواتین کے لیے ہی ہیں۔ جو جموں اور کشمیر کے علاقہ سوپور ٹونک اور حیدر آباد میں قائم کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی طرح کا ایک مرکز امروہہ میں قایم کرنے کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی ہے۔ کتابت کے ان مرکزوں کو چلانے کے لیے ترقی اردو بیورو سالانہ ۴۹۰۰۰ کی گرانٹ دیتا تھا۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اس مالی سال سے یہ گرانٹ بڑھا کر ۵۸۰۰۰ روپے کر دی گئی ہے۔ ساتھ ہی بلڈنگ کا کرایہ بھی الگ سے دیا جائے گا۔

ترقی اردو بیورو نے مختلف موضوعات پر ۴۵۵ کتابیں شائع کی ہیں جن میں تکنیکی اصطلاحات کی فرہنگیں بھی شامل ہیں اور ۱۱۹ کتابیں سائنس اور ٹکنالوجی سے تعلق رکھتی ہیں گزشتہ سال یعنی ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران ۸۴، کتابیں شائع کی گئیں جن میں سائنس اور ٹکنالوجی کی کتابیں بارہ ہیں سال رواں کے دوران اردو کا مراسلاتی کورس شروع کرنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔

پچھلی میٹنگ میں گجرال کمیٹی کی رپورٹ پر عمل درآمد کرنے کے بارے میں کافی تفصیلی بحث ہوئی تھی۔ سرور کمیٹی کی سفارشات پر ۲۰ اگست ۱۹۸۳ء کو اسٹینڈنگ کمیٹی اور ترقی اردو بورڈ نے غور کیا تھا۔ بورڈ نے اسٹینڈنگ کمیٹی کی سفارشات سے اتفاق کیا تھا اب یہ سفارشات ایجوکیشن منسٹری کے زیر غور ہیں۔ آج آپ کو اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ سب سے اہم سفارش پر کارروائی مکمل کر لی گئی ہے اور جناب کنور مہندر سنگھ بیدی کی صدارت میں ایک مستقل اسٹینڈنگ کمیٹی قایم کی جا چکی ہے

یہ کمیٹی گجرال کمیٹی کی سفارشات پر عمل آوری کی نگرانی کرے گی ۔

اردو مختلف انداز میں ہماری مشترکہ قومی تہذیب کا خلاصہ ہے ۔ اس زبان کو فروغ دینا گویا ہماری مشترکہ قومی تہذیب کا تحفظ کرنا اور اسے فروغ دینا ہے کیونکہ یہ تہذیبی سرمایہ ہمارے قومی اتحاد، امن اور قومی یکجہتی کی بنیاد ہے ۔ اردو ملک کے کافی حصوں میں بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے مجھے امید ہے کہ بیورو نصاب، حوالے کی کتابوں اور عام دلچسپی کی کتابوں کی تیاری اور اشاعت کا کام اسی توانائی اور اسی رفتار سے جاری رکھے گا ۔ یہاں اس بات کا ذکر بے حد ضروری ہے کہ بیورو نے بچوں کے ادب پر خاص توجہ دی ہے ۔ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ہند فرانسیسی تہذیبی تبادلے کے پروگرام کے تحت فرانسیسی ۔ اردو اور اردو فرانسیسی لغت تیار کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے ۔ اس طرح ترکی ۔ اردو لغت تیار کرنے کی تجویز کو سبجکٹ پینل کی میٹنگ نے منظور کیا ہے جو ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء کو ہوئی تھی ۔

اردو کی ترقی سے متعلق ہمارے پروگراموں میں بورڈ کو بہت اہم کردار ادا کرنا ہے میں ایک بار پھر نئے تشکیل شدہ بورڈ کے فاضل اراکین کا خیر مقدم کرتی ہوں ۔



لکھنؤ میں اردو بیورو کی کتابوں کی نمائش کے موقع پر وزیر اعلیٰ جناب نرائن دت تیواری ۔ وزیر تعلیم مسز شیلا کول اور بیورو کے جناب ابوالفیض سحر صاحب

ترقی اردو بورڈ کے چودھویں اجلاس کے موقع پر

ممبر سکریٹری

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم کی رپورٹ

ترقی اردو بورڈ کی پہلی میٹنگ اگست ۱۹۸۳ء میں ہوئی تھی اور آج اس چودھویں اجلاس کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ مالی سال ۸۳-۱۹۸۴ کے دوران ترقی اردو بیورو میں جو نئے کام شروع کیے گئے اور جاری شدہ منصوبوں میں ترقی حاصل ہوئی ہے اس کا مختصر جائزہ اس رپورٹ کے ذریعہ پیش کیا جارہا ہے۔

کتابوں کی تیاری اور اشاعت

مختلف علوم کی کتابوں کی تیاری اور اشاعت بیورو کے اہم کاموں میں سے ہیں کتابوں کا انتخاب مختلف علوم کے ماہرپینلس کی میٹنگوں میں کرتے ہیں جو اس مقصد کے لیے قایم کیے گئے ہیں اسی طرح اصطلاح سازی کا کام بھی مختلف علوم کی اصطلاح ساز کمیٹیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ گزشتہ سال کے دوران اصطلاح ساز کمیٹیوں اور مختلف علوم کے کل ۳۰ جلسے منعقد کیے گئے اور یہ کام بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا جس کے نتیجے میں بیورو کے شعبہ اشاعت سے ۴۷ کتابیں شائع ہوئیں اور پانچ سو سے زائد کتابیں تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں۔

بیورو کی ڈکشنریاں

کتابوں کی تیاری اور اشاعت کے ساتھ ساتھ بیورو میں لغات کی تیاری کے اہم منصوبے بھی جاری ہیں۔ فی الحال اردو- انگریزی اور اردو- اردو کی لغات پٹنہ اور علی گڑھ میں تیار ہو رہی ہیں۔ دونوں کا کام تسلی بخش طریقے سے ہو رہا ہے۔ البتہ اردو- انگریزی لغت کے چیف ایڈیٹر پروفیسر کلیم الدین احمد کے اچانک انتقال کی وجہ سے اس کام کی رفتار پر تھوڑا اثر پڑا ہے۔ اردو- اردو

لغت کے بارے میں اس بات کا اظہار کرتے ہوئے مجھے انتہائی مسرت ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر مسعود حسین خان صاحب کی تازہ اطلاع کے مطابق اردو۔ اردو ڈکشنری کی ایک جلد تکمیل کو پہنچ گئی ہے اور بہت جلد ہمیں اس کا مسودہ ملنے والا ہے۔

کتابوں کی فروخت

بیورو کتابیں تیار کرنے اور چھاپنے کے ساتھ ساتھ ان کے فروخت کی ذمہ داری بھی سنبھالے ہوئے ہے۔ گزشتہ سال ہم نے تین لاکھ دس ہزار ایک سو چھیالیس روپے کی مالیت کی کتابیں فروخت کی ہیں اور کتابوں کی پانچ نمائشیں مدراس، دہلی، بھوپال اور کلکتہ میں لگائیں۔

کتابوں کی خاطر خواہ تشہیر کے لیے ہندوستان کے اہم اردو رسالوں اور اخباروں میں کئی اشتہار نکالے ہیں۔ بیورو کے خبرنامہ "اردو دنیا" کے تین شمارے کئی ہزار کی تعداد میں چھاپے اور ہندوستان بھر میں تقسیم کیے گئے جس کے ذریعہ بیورو کی کارروائی کی رپورٹ اردو کے ہر مرکز تک پہنچائی گئی ہے۔

۸ ستمبر ۱۹۸۳ء کو رابطہ کمیٹی کا دوسرا اجلاس بھوپال میں منعقد ہوا۔ جس میں اردو کی ہمہ جہتی ترقی کے بارے میں غور کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اردو اکیڈمیاں تعلیم بالغان یعنی ایڈلٹ ایجوکیشن کے مرکز چلائیں جس میں اردو کے مرکز زیادہ ہوں۔ اس سلسلے میں ترقی اردو بیورو کے ڈائرکٹر سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ شعبۂ تعلیم بالغان سے ایسے مراکز اردو اکیڈمیوں کی نگرانی میں چلانے کی اجازت حاصل کریں۔ لہٰذا یہ اجازت شعبۂ تعلیم بالغان کے ڈائرکٹر سے حاصل کر لی گئی ہے اور اکیڈمیوں کو یہ اطلاع دے دی گئی ہے۔ اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ اردو اکیڈمیوں کے تعاون سے ہندوستان کے کل اردو اداروں اور کتب خانوں کی ڈائرکٹریاں تیار کروائی جائیں۔ بیورو نے یہ کام بھی شروع کر دیا ہے۔

اردو کتابوں کی ببلوگرافی

ترقی اردو بیورو نے اس دوران ایک اہم پروجیکٹ اردو کتابوں کی ببلوگرافی کی تیاری پر کام شروع کر دیا ہے اس منصوبے کے تحت ہندوستان میں چھاپے خانے کی ایجاد سے لے کر ۱۹۴۷ء تک اردو میں چھپی تمام کتابوں کی ببلوگرافی تیار کی جائے گی۔ پہلے مرحلے کے طور پر منظورہ اسکیم کے مطابق مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کام شروع ہو چکا ہے۔

بیورو کے کتابت سینٹر

اردو کے کتابت مرکز چلانا بیورو کے اہم منصوبوں میں سے ہے۔ مالی سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران کل ۹ نئے مراکز ہندوستان کے مختلف حصوں میں قایم کیے گئے ہیں۔ ان تمام مرکزوں کا کام بہت خوبی اور کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔ حال ہی میں ان کے لیے نصابی کیٹی بھی قایم کی گئی ہے جس کے تحت ان کا معیاری نصاب تیار کیا جائے گا۔ اس بات کی اطلاع دیتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے یہاں کے فارغ یافتہ کاتب بیرون ہندوستان ایران اور عرب جیسے ملکوں میں ملازمتیں حاصل کر رہے ہیں۔

بجٹ

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ گزشتہ مالی سال میں ترقی اردو بیورو نے اپنے بجٹ کا ۹۹.۲۵ فیصد روپیہ خرچ کر لیا تھا اور بہ حیثیت مجموعی ترقی اردو بیورو کا سارا کام وزارت کے کامل تعاون سے بہت ہی خوش اسلوبی سے سرانجام پا رہا ہے۔

(ڈاکٹر فہمیدہ بیگم)
ممبر سکریٹری ترقی اردو بورڈ
ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو
ویسٹ بلاک ۸۔ آر۔کے پورم۔نئی دہلی

لکھنؤ میں ترقی اردو بیورو کی کتابوں کی نمائش

ترقی اردو بیورو نے لکھنؤ میں اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سینٹر کے افتتاح کے موقع پر ۲۰ ستمبر ۱۹۸۴ء کو اردو کتابوں کی ایک شاندار نمائش کا اہتمام کیا۔ لکھنؤ کا یہ اردو ٹیچنگ اینڈ ریسرچ سینٹر دراصل وزارت تعلیم و ثقافت حکومت ہند کے ادارے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز میسور کا چھٹا مرکز ہے۔ اتر پردیش میں غیر اردو داں اساتذہ کو اسکولوں میں زبان دوم اور سوم کی حیثیت سے اردو پڑھانے کی تربیت دینے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو درس و تدریس سے متعلق تحقیقاتی کام بھی اس مرکز میں ہوا کریں گے۔ لکھنؤ کے اس اہم تربیتی مرکز کا افتتاح شریمتی شیلا کول وزیر تعلیم و ثقافت حکومت ہند کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس سلسلے میں وزارت تعلیم حکومت ہند نے ترقی اردو بیورو کے علاوہ مرکزی حکومت وزارت تعلیم کی نگرانی میں کام کرنے والے تقریباً سبھی اداروں کی اردو مطبوعات کی نمائش کا انتظام کرنے کو کہا تھا۔ اس طرح جناب ابو الفیض سحر، پرنسپل پبلیکیشنز آفیسر (کارگزار) ترقی اردو بیورو کی نگرانی میں یہ نمائش لکھنؤ میں منعقد کی گئی جس کا افتتاح جناب این۔ ڈی تیواری چیف منسٹر اتر پردیش نے فرمایا۔ اس نمائش میں بیورو کی کتابوں کے علاوہ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز میسور، ساہتیہ اکیڈمی، نیشنل بک ٹرسٹ، این۔ سی۔ ای۔ آر۔ ٹی، وزارت اطلاعات و نشریات کی پبلی کیشن ڈویژن اور سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن کی مطبوعات شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ترقی اردو بیورو کے کتابت اور خطاطی کے تربیتی مراکز میں زیر تربیت طلبا کے خطاطی کے نمونوں کو بھی اس نمائش میں پیش کیا گیا تھا اور نمائش کو شریمتی شیلا کول وزارت تعلیم حکومت ہند، جناب این۔ ڈی تیواری، چیف منسٹر اتر پردیش، مسز چوہان وزیر تعلیم اتر پردیش اور دیگر مہمانوں نے دلچسپی کے ساتھ دیکھا اور پسند کیا۔

اردو ادب ہمارا ایک قومی ورثہ ہے

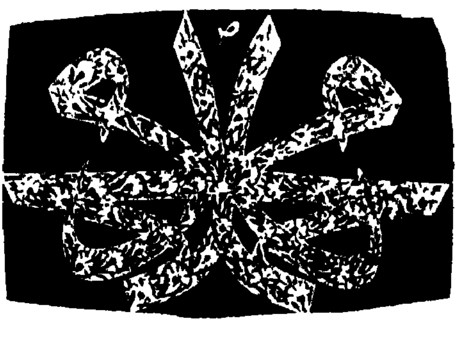
ہبلی سے ایک رپورٹ

اردو کی بقا کے لیے اس کے رسم الخط کا تحفظ ضروری

انجمن اسلام ہبلی کے زیر اہتمام چلنے والے نہرو آرٹس سائنس اور کامرس کالج میں اردو خطاطی تربیتی مرکز کا افتتاح کرتے ہوئے روزنامہ سالار کے چیف اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب ضیاءُ میر نے کہا کہ ہر زبان کا رسم الخط اس کا لباس ہوتا ہے اور اسی لباس میں اس زبان کے پڑھنے والوں کی تہذیب پوشیدہ ہوتی ہے لہٰذا کسی زبان کے رسم الخط کو بدلنا اس کے لباس کو چھیننے اور اس کی تہذیب کو مٹانے کے مترادف ہے۔ شہر ہبلی میں اردو خطاطی کا تربیتی مرکز وزارتِ تعلیم و ثقافت امور حکومتِ ہند کے تحت قائم شدہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی کی جانب سے جاری کردہ یہ ستائیسواں مرکز ہے۔ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے بولتے ہوئے جناب ضیا میر نے کہا کہ اس کے رسم الخط کو بچانا ہی اردو کو بچانا ہے۔
۱۰/ستمبر کے اس افتتاحی جلسے کی صدارت انجمن اسلام ہبلی کے صدر جناب عبدالحکیم عرف بابا جان صاحب ہنڈسیگری نے کی۔ فاتحہ خوانی سے جلسے کا آغاز ہوا۔ نہرو کالج کے پرنسپل جناب عبدالکریم نے استقبالیہ تقریر میں اس مرکز کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ جناب ہنڈسیگری صاحب کے ہاتھوں مہمان خصوصی جناب ضیا میر کی گلپوشی کی گئی اور ایک شال اوڑھا کر ان کو اعزاز بخشا گیا۔ جناب نظام الدین بربری نے جناب ضیا میر کا تعارف کرایا جناب ضیا میر نے اپنی تقریر میں اس بات پر اپنی خوشی کا اظہار کیا کہ جب سے ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ترقی اردو بیورو کی ڈائرکٹر بنی ہیں تب سے اس بورڈ کی جانب سے قابل ستائش کام ہوا ہے۔ اس پر ریاست کرناٹک کو فخر ہے کہ موصوفہ کرناٹک سے تعلق رکھتی ہیں۔
جناب ضیا میر نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ کرناٹک اردو اکیڈمی کی جانب سے بنگلور اور گلبرگہ میں خطاطی کے مرکز چلائے جاتے تھے لیکن ان کو بے سود سمجھ کر اکیڈمی نے بند کروا دیا جناب ضیا میر نے خطاطی مرکز میں تعلیم پانے والے طلبا وطالبات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ خطاطی کے ہنر کو سیکھنے کے بعد تمام برسرِ روزگار ہو جائیں۔ انھوں نے کہا کہ تربیت پانے کے بعد طلبا کاتب نہ سہی ایک فنکار تو بن سکتے ہیں اس لیے انھوں نے طلبا کو نصیحت کی کہ اس فن کو ایک شوق سمجھ کر حاصل کریں۔ جناب ضیا میر نے

کہاکہ یہ کام تو ریاستی اردو اکیڈمی کی جانب سے کیا جانا چاہئے تھا لیکن ترقی اردو بیورو نے اس کام کو اپنا کر قابلِ تحسین کام کیا ہے اپنی صدارتی تقریر میں جناب ہنڈسیگری صاحب نے طلبا کو نصیحت کی کہ وہ صرف وظیفہ حاصل کرنے کی غرض سے اس فن کو حاصل نہ کریں بلکہ اسے ایک فن سمجھ کر حاصل کریں ۔ اس موقع پر یہاں کے مشہور آرٹسٹ جناب محمد اسماعیل ستار ماسٹر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور طلبا کو گرافک آرٹ پرنٹنگ سے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں ۔ آخر میں نہرو کالج کے پروفیسر ایم اے مجاہد نے سب کا شکریہ ادا کیا اس جلسے میں حسن اتفاق سے تردیتی یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو پروفیسر سلیمان اطہر جاوید بھی شریک ہوئے ان کے علاوہ معزز سامعین میں پروفیسر ایم اے پیارے پروفیسر مینار پروفیسر محبوب بڑائی ، جناب کامل کلادگی ، آزاد بینک ہبلی کے چیرمین جناب اسماعیل صاحب کالے بیٹے اور انجمن اسلام کے تعلیمی کمیٹی کے ممبر جناب عبدالرحمٰن خان صاحب پٹھان حاضر تھے ۔ خطاطی کے اس تربیتی مرکز میں تحریری امتحان اور انٹرویو کے بعد ۲۵ امیدواروں کو بھرتی کیا گیا ہے جن میں پانچ خواتین ہیں ہر زیر تربیت امیدوار کو دو سال تک ماہانہ ایک سو روپے وظیفہ دیا جائے گا ۔ پروفیسر ایم اے پیارے وظیفہ یاب پروفیسر اردو کو اس مرکز کا ہیڈ کاتب مقرر کیا گیا ہے ۔

(سالار اردو روزنامہ بنگلور سے)



خطاطی مرکز کی تصویری جھلکیاں



خطاطی مرکز ہبلی میں انٹرویو کا ایک منظر

محترمہ ڈاکٹر حمیدہ بیگم صاحبہ امیدوار سے انٹرویو لیتے ہوئے ساتھ میں پروفیسر پیارے،
پرنسپل عبدالکریم اور جناب نثار مولوی ـــــ دیکھے جا سکتے ہیں.



خطاطی مرکز ہبلی میں تحریری امتحان کا ایک منظر



خطاطی مرکز دہلی میں افتتاحی جلسہ کی ایک تصویر



خطاطی مرکز نئی دہلی طلبا کی الوداعی تقریب میں دائیں سے بائیں شیخ سلیم احمد ڈاکٹر رام آسرا راز،
جناب ضامن مراد آبادی جناب ذہین نقوی اور جناب ابوالفیض سحر

ترقی اردو بیورو اور نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ کا باہمی اشتراک عمل

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ اسکولوں کی نصابی کتابیں تیار کرنے کا ایک قومی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں اردو کتابوں کی اشاعت وطباعت کے لیے علاحدہ ایک شعبہ قائم ہے جو اردو میں نصابی کتابوں کی فراہمی اور طباعت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ترقی اردو بیورو شروع سے ہی اس اہم کام میں کونسل کی مدد کرتا آیا ہے اس ادارے نے ابتدا میں ۲۴ کتابیں شائع کیں جن میں سے ۱۶ کتابوں کا ترجمہ و تیاری اور طباعت و اشاعت مکمل طور پر ترقی اردو بیورو نے انجام دی باقی ۸ کتابوں کے اردو مسودے بیورو نے تیار کر کے دیئے اور طباعت و اشاعت کا کام کونسل نے انجام دیا۔ یہ کتابیں قدیم طرز کی کہلاتی ہیں۔

کونسل اور ترقی اردو بیورو کے تعاون کی صورت حال یہ ہے کہ بیورو کونسل کو انگریزی اور ہندی سے اردو میں تراجم مہیا کرتا ہے۔ کتابت اور طباعت کی ذمہ داری کونسل کی ہے۔ اس طرح باہمی اشتراک عمل سے اب تک نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ ۴۲ کتابیں شائع کر چکا ہے یہ نئے طرز کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ عام اردو داں حضرات اور طلبا و اساتذہ کی آسانی کے لیے ہم ان تمام کتابوں کی فہرست یہاں شائع کر رہے ہیں۔

قدیم طرز کی نصابی کتب

کلاس ۔ ۶

۱۔ مقامی حکومت	۱۔۵۰	این سی ای آر ٹی
۲۔ قدیم ہندوستان	۲۔۵۰	این سی ای آر ٹی

۳۔ جیومیٹری۔ حصہ اول	۲۔۵۰	این سی ای آر ٹی
۴۔ حساب۔ و۔ الجبرا حصہ اول	۲۔۰۰	ترقی اردو بورڈ
۵۔ حیاتیات، حصہ اول	۳۔۰۰	〃 〃 〃 〃 〃
۶۔ کیمیا حصہ اول	۴۔۵۰	〃 〃 〃 〃
۷۔ طبیعیات حصہ اول	۳۔۰۰	〃 〃 〃 〃
	کلاس ۔ ۷	
۸۔ حکومت اور آئین	۲۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۹۔ ہندوستان کا وسطی دور	۴۔۵۰	〃 〃 〃 〃
۱۰۔ آسٹریلیا اور امریکہ	۲۔۱۰	این سی ای آر ٹی
۱۱۔ جیومیٹری حصہ دوئم	۲۔۰۰	ترقی اردو بورڈ
۱۲۔ حساب و الجبرا، حصہ دوئم	۲۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۱۳۔ حیاتیات، حصہ دوئم	۲۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۱۴۔ کیمیا، حصہ دوئم	۴۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۱۵۔ طبیعیات، حصہ دوئم	۲۔۰۰	〃 〃 〃 〃
	کلاس ۔ ۸	
۱۶۔ آزاد ہندوستان	۲۔۰۰	ترقی اردو بورڈ
۱۷۔ جدید ہندوستان	۳۔۶۰	این سی ای آر ٹی
۱۸۔ یورپ اور ہندوستان	۳۔۴۵	〃 〃 〃 〃 〃
۱۹۔ حساب و الجبرا، حصہ سوئم	۲۔۰۰	ترقی اردو بورڈ
۲۰۔ جیومیٹری، حصہ سوئم	۲۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۲۱۔ حیاتیات، حصہ سوئم	۵۔۰۰	〃 〃 〃 〃
۲۲۔ طبیعیات حصہ سوئم	۵۔۰۰	〃 〃 〃 〃
	کلاس ۔ ۹	
۲۳۔ ہندوستان ترقی کی راہ پر	۳۔۴۵	این سی ای آر ٹی
۲۴۔ طبیعیات	۳۔۷۵	〃 〃 〃 〃

جدید طرز (۱۰+۲) کی نصابی کتب

کلاس ۔ ۱

۱۔	ریاضی I	۵۔۲۵

کلاس ۔ ۲

۲۔	ریاضی II	۵۔۴۵

کلاس ۔ ۳

۳۔	ماحول کے ذریعہ تعلیم حصہ دوئم	۱۔۷۵
۴۔	ماحول کے ذریعہ تعلیم حصہ اول	۳۔۵
۵۔	ریاضی III	۶۔۱۰

کلاس ۔ ۴ ۱۔۷۰

۶۔	ماحول کے ذریعہ تعلیم II	۱۔۷۰
۷۔	ماحول کے ذریعہ تعلیم I	۲۔۸۵

کلاس ۔ ۵

۸۔	ماحول کے ذریعہ تعلیم III	۲۔۵
۹۔	بھارت اور دنیا	۵۔۶۵

کلاس ۔ ۶

۱۰۔	حساب I	
۱۱۔	سائنس سیکھنا I	۳۔۹۰
۱۲۔	تاریخ اور علم شہریت I	۴۔۵۵
۱۳۔	ممالک اور ان کے باشندے I	۲۔۹۰

کلاس ۔ ۷

۱۴۔	حساب ۔ ۲ I	۳۔۶۰
۱۵۔	سائنس سیکھنا II	۳۔۱۵
۱۶۔	تاریخ اور علم شہریت II	۳۔۸۰
۱۷۔	ریاضی حصہ دوئم	۲۔۷۰
۱۸۔	ممالک اور ان کے باشندے II	۲۔۴۵

کلاس ۔ ۸

۱۹۔	ریاضی بک ۔۳، حصہ اول	۲۔۷۰
۲۰۔	آزاد ہندوستان	۱۔۱۵
۲۱۔	حساب ۔ ۳ II	۳۔۲۵
۲۲۔	سائنس سیکھنا III	۶۔۴۰
۲۳۔	ممالک اور ان کے باشندے III	۵۔۲۵

کلاس ۔ ۹ ۔ ۱۰

۲۴۔	ریاضی I	۴۔۵۰
۲۵۔	طبیعیات	۳۔۳۵
۲۶۔	کیمیا	۵۔۶۵
۲۷۔	حیاتیات	۴۔۹۰
۲۸۔	دنیا کا عام جغرافیہ	۴۔۲۵
۲۹۔	انسان اور ماحول	۲۔۳۵
۳۰۔	سائنس حصہ دوئم	۵۔۱۰
۳۱۔	انسانی سماج کی تاریخ	۵۔۱۵
۳۲۔	ہماری معیشت	۱۔۷۰
۳۳۔	دنیا کا عام جغرافیہ حصہ دوئم	۲۔۳۰
۳۴۔	ہم اور ہماری حکومت	۲۔۳۵
۳۵۔	سائنس حصہ اول	۳۔۸۰
۳۶۔	ریاضی حصہ دوئم	۳۔۱۰
۳۷۔	ریاضی حصہ سوئم	۳۔۲۵
۳۸۔	تہذیب کی کہانی اول	۴۔۴۰
۳۹۔	تہذیب کی کہانی دوئم	۳۔۸۰

کلاس ۔ ۱۱ ۔ ۱۲

۴۰۔	کیمیا	۹۔۰۰

۴۱ - طبیعیات	۶-۲۰
۴۲ - ابتدائی شماریات	۲-۷۰
۴۳ - جغرافیہ کی طبعی بنیاد	۹-۶۰
۴۴ - جغرافیہ میں میدانی و تجربگاہی تکنیکس	۹
۴۵ - جغرافیہ کے عملی کام کی کتاب	۹-۴۰
۴۶ - سیاسی نظام	۲-۴۵
۴۷ - ہندوستانی معیشت کا ارتقا	۴-۴۵
۴۸ - ہندوستان کا عہدہ وسطیٰ	۲-۸۵
۴۹ - سماج شناسی	۲-۹۰
۵۰ - حیاتیات	۳-۹۰
۵۱ - ہندوستان کا عہد وسطیٰ	۲-۸۰
۵۲ - طبیعیات	۲-۵۵
۵۳ - حیاتیات	۶-۰۰
۵۴ - انسانی و معاشی جغرافیہ	۴-۴۵
۵۵ - قومی حساب	۳-۲۵
۵۶ - نظریۂ معیشت کا تعارف	۲-۴۰
۵۷ - ریاضی	۳-۲۰
۵۸ - ریاضی	۴-۵۱
۵۹ - کیمیا	۴-۸۵
۶۰ - ہندوستانی جمہوریت کا عملی روپ	۲-۰۰
۶۱ - جدید ہندوستان	۴-۱۵
۶۲ - ہندوستان کا عام جغرافیہ	۳-۶۰
۶۳ - کیمیا	۳-۹۰
۶۴ حیاتیات	۴-۵۵
۶۵ - ریاضی	۵-۱۵
۶۶ - طبیعیات	۲-۱۵
۶۷ - جنرل جغرافیہ آف انڈیا	۲-۴۰
۶۸ - حیاتیات	۵-۵۵
۶۹ - ریاضی	۳-۹۵
۷۰ - سیاسیات کے اصول	۲-۶۵
۷۱ - قدیم ہندوستان	۵-۱۵
۷۲ - ہندوستانی آئین اور حکومت	۴-۸۵

یہ کتابیں مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ مکتبہ جامعہ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ .. ۱۱

۲۔ گرین بک اسٹور پہاڑی املی دہلی ۶

۳۔ کمار بک سنٹر، باڑہ ہندو راؤ ۶

۴۔ مفیض بک ڈپو چتلی قبر دہلی ۶

۵۔ سنکر لال گپتا اینڈ سنس سیتا رام بازار دہلی ۶

بیورو کی کتابوں سے

تذکرۂ اردو مخطوطات

جلد (۱۹۸۴) اول

صفحات ۳۹۶

قیمت ۳۲ روپے

ادارۂ ادبیات اردو ۱۹۳۱ء م ۱۳۴۹ھ میں قائم ہوا لیکن اس کے کتب خانہ کا آغاز صحیح معنوں میں ۱۹۳۲ء سے عمل میں آیا۔ اور گذشتہ دس گیارہ سال کے عرصہ میں اس نے پندرہ سو سے زیادہ قلمی نسخے اور بارہ ہزار کے قریب مطبوعہ کتب و رسائل جمع کیے۔ ادارے میں مخطوطات کے محفوظ کرنے کا خیال اس وقت پیدا ہوا جب راقم الحروف کی جدۂ ماجدہ اور مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی ممانی حضرت قادر بی بی زوجۂ نعمت اللہ مرحوم جاگیردار سکلی کے کتبخانہ کے عربی، فارسی، اور اردو مخطوطات کی فہرست راقم کے ایک شاگرد مولوی سید ابوالفضل صاحب ایم۔اے لکچرار عربی سٹی کالج نے لکھنی شروع کی۔ اس وقت تک خود راقم الحروف مرحومۂ موصوفہ کے ذخیرۂ مخطوطات کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ جب اس کا علم ہوا تو ان کے مطبوعہ کتب کی طرح اس قلمی ذخیرے کو بھی ادارے میں بطور عطیہ داخل کرنے کا تہیہ کیا گیا۔ چند شفیق احباب مثلاً مولوی محمد حسین جعفری (سابق ناظم محکمۂ تعلیمات) اور نواب عنایت جنگ بہادر وغیرہ جب اس سے واقف ہوئے تو ان علم دوستوں نے راقم کے اس عزم کو راسخ بنانے کے لیے اپنے یہاں کے مخطوطات بھی ادارے کو عطا فرمائے۔ اور ان کے بعد ہی دیگر اصحاب نے بھی اعانت کی جن میں سے چند کے اسمائے گرامی اس تذکرے کے آخر میں مع تفصیل عطایا شامل ہیں۔

اس طرح جب مخطوطات کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگئی تو اس کی تفصیلی فہرست قلم بند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ مولوی غلام رسول صاحب مرتب "فہرس کتب خانہ سٹی کالج" اور پروفیسر عبدالقادر سروری مرتب "فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ" سے خواہش کی گئی۔ اول الذکر نے وعدہ فرمایا کہ وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اس کام کو انجام دیں گے۔ اور موخر الذکر اس کو ہاتھ میں لینا چاہتے تھے، کہ جامعہ میسور نے بہ حیثیت صدر شعبۂ اردو ان کی خدمات حاصل کرلیں جب پروفیسر سروری کا میسور جانا طے پا یا گیا تو راقم الحروف نے جامعہ کے بعض طلبہ

سے اس کام میں مدد لینی چاہی چنانچہ مولوی رحیم الدین صاحب ظہیرآبادی نے کچھ کام کیا لیکن طالب علمانہ مصروفیتوں کی وجہ سے جاری نہ رکھ سکے ۔

ادھر مخطوطات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا ہی رہا اور بڑھتا جا رہا ہے۔ محسوس ہونے لگا کہ یہ کام آئندہ بہت بوجھل ہو جائے گا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ راقم الحروف ہی اپنی فرصت کے اوقات میں اس طرف متوجہ ہو۔ لیکن دوسری مصروفیتوں کے باعث دو سال کے عرصے میں اس ذخیرۂ نوادر میں سے اردو زبان کی صرف ۵۰۲ کتابوں ہی تک پہنچنے پایا تھا کہ ایک اہم کام دارالعلوم اردو انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد کی اشاعت تکمیل کی خاطر اس کو چھوڑنا پڑا ۔

اس اثنا میں اس تذکرہ مخطوطات کے بعض اجزا سب اس میں (اوائل ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء) شائع ہوئے تھے لیکن بعد کو کاغذ کی کم یابی کی وجہ سے اس سلسلہ کو منقطع کر دینا پڑا اور اب جب کہ یہ کام ہی منقطع ہو رہا ہے ضروری تھا کہ مسودے کو تلف ہونے سے بچانے کے لیے فی الحال ۵۰۲ مخطوطات ہی کا تفصیلی تذکرہ کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے ۔ اگر موقع ملے تو یہ کام پھر جاری ہو جائے گا اور اس تذکرہ کی مزید جلدیں اس سے بہتر شکل میں چھپ سکیں گی۔ کیوں کہ کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے یہ جلد نہایت خفی قلم اور گنجان عبارت میں لکھوائی گئی ہے ورنہ ضخامت بہت بڑھ جاتی ۔

ادارے میں جو قلمی کتب اس وقت تک جمع ہو چکی ہیں ان کے پیش نظر توقع ہے کہ اسی طرح کی ایک اور جلد اردو مخطوطات کی، دو جلدیں فارسی مخطوطات کی، ایک جلد عربی مخطوطات کی، اور ایک جلد ہندی مخطوطات کی غرض پانچ اور جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں. مخطوطات کے علاوہ مطبوعات کی فہرستیں بھی کئی جلدوں میں شائع ہو سکتی ہیں۔ اور اگرچہ فہرست مطبوعات کی تدوین کا کام نواب مرزا سیف علی خاں صاحب ناظم اعزازی کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو انجام دے رہے ہیں لیکن شاید اختتام جنگ سے قبل نواب صاحب موصوف کے مساعی منظر عام پر نہ آ سکیں۔

نواب مرزا سیف علی خاں صاحب جو حیدرآباد کے ایک معزز اور علم دوست جاگیردار ہیں ۱۹۳۸ء سے ادارے کے کتب خانہ کی اعزازی خدمت ذاتی خلوص اور جذبۂ عمل کے تحت انجام دے رہے ہیں اور اس کتب خانے نے ان کی پیہم کاوشوں کی وجہ سے گذشتہ چار پانچ سالوں میں نمایاں ترقی کی ہے۔ اس کی تین چوتھائی کتب کے کارڈ انڈیکس بھی مصنفوں اور کتابوں دونوں کے اسما کے لحاظ سے، حروف تہجی کے مطابق مرتب ہو چکے ہیں جن کی بنا پر

کتابوں تک پہنچنے میں بڑی سہولت حاصل ہو گئی ہے ۔

اس تذکرہ مخطوطات کی ترتیب کے سلسلہ میں مولف کو جو زحمتیں اٹھانی پڑی ہیں اور جو وقت صرف ہوا ہے اس کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے ہیں جنھیں قلمی نسخوں سے کام لینے کا تجربہ ہوا ہو ۔ اکثر مخطوطوں کے مصنفوں کے نام ، سنہ ، یا زمانۂ تصنیف اور زمانۂ کتابت وغیرہ کی تحقیق میں بیسیوں قلمی و مطبوعہ کتب کی ورق گردانی کرنی پڑی اور بڑا وقت صرف ہوا ۔ اس تمام دیدہ ریزی کے باوجود مولف کی کم بضاعتی کی وجہ سے ممکن ہے کہ کسی قلمی نسخے کی کما حقہ ، تذکرہ نگاری کا حق ادا نہ ہو سکا ہو یا کوئی سہو رہ گیا ہو ۔ اگر کوئی صاحب ذوق زحمت گوارا کر کے اس قسم کی غلطی سے مطلع فرمائیں تو نہ صرف آئندہ اشاعت میں تصحیح کر دی جائے گی بلکہ ادارے کے ترجمان "ماہنامہ سب رس" کے ذریعہ سے بھی اس کا اعلان عمل میں آسکے گا ۔

اس تذکرہ میں مخطوطات کی ترتیب نہ تو سنہ وار قائم رہ سکی اور نہ بلحاظ موضوع ۔ کیونکہ ایک ایک جلد میں ایک ہی کاتب اور ایک ہی زمانہ کی لکھی ہوئی دو دو تین تین کتابیں شامل ہیں ، اور اکثر جلدوں میں فارسی مخطوطات کے ساتھ اردو کتب بھی شریک ہیں ۔ کاتب اور سنہ کتابت کی تحقیق ، نیز وقت ضرورت مخطوطوں تک آسان رسائی کے پیش نظر ایک جلد کی جملہ کتابوں کا تذکرہ ایک ہی سلسلہ میں لکھ دینا پڑا ۔ لیکن موضوع اور سنہ تصنیف دونوں کے لحاظ سے جملہ مخطوطات کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں مرتب کر کے اس تذکرے میں شریک کر دی گئی ہیں ۔ تاریخی ترتیب کی فہرست آخر میں شریک ہے اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلے گا کہ اس جلد میں ۸۲۵ھ سے ۱۳۱۹ھ کے درمیانی وسیع دور (یعنے تقریباً پانچ سو سال) کی کتابوں کا حال محفوظ ہو گیا ہے ۔ سنہ ۱۳۱۹ھ کے بعد کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ اس جلد میں عملاً شریک نہیں کیا گیا ۔ حالانکہ ان میں سے اکثروں کو خود مصنفوں کا مسودہ یا بیضہ ہونے کی وجہ سے آئندہ بڑی اہمیت حاصل ہو جائے گی ۔ لیکن ان کے مقابلہ میں فی الحال ساٹھ ، پینسٹھ سال قبل ہی کی کتابوں کو ترجیح دی گئی ہے ۔

تذکرۂ اردو مخطوطات کی اس پہلی جلد سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جن ۲۷۵ اردو مخطوطات پر نظر ڈالی گئی ہے ان میں سے کم از کم چھتر کتابیں ایسی ہیں جو بالکل نادر ہیں یعنے کسی اور کتبخانے میں اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہیں ۔ تقریباً پچاس مخطوطے ایسے ہیں جو خود مصنفوں کے مسودے

یا ان کی دستخطی نقلیں ہیں۔ اور ان میں نصف کے قریب ایسی کتابیں ہیں جو اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں ۔

یہ مخطوطات صرف جنوبی ہند کی تصنیفات و تالیفات نہیں ہیں بلکہ لاہور، دلی، آگرہ، لکھنو رام پور، بریلی، قنوج اور کلکتہ جیسے دور دراز مقامات کے معروف اور غیر معروف اردو شاعروں کی کاوشیں بھی اس میں شامل ہیں بعض کتابوں کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ فرماں رواؤں مثلاً محمد قلی قطب شاہ والی گول کنڈہ، علی عادل شاہ ثانی والی بیجاپور، عبداللہ قطب شاہ والی حیدرآباد، واجد علی شاہ والی لکھنو اور نواب یوسف علی خاں والی رامپور کے رشحات قلم ہیں ۔

اردو مخطوطات کے اس تذکرے کی اشاعت سے یقین ہے کہ تاریخ ادب اردو کے بہت سے پہلو روشن ہو جائیں گے۔ اور ہندوستان کی ایک مقبول اور اہم زبان کی تاریخ نگاری کی تکمیل میں ادارے کے یہ مخزونہ مخطوطات اور ان کے متعلق اس تذکرے کی مندرجہ معلومات ممد و معاون ثابت ہوں گی ۔

رفعت منزل خیریت آباد
۱۶۔ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ
م ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء

سید محی الدین قادری زورؔ

فہرست مخطوطات بلحاظ موضوع

(۱) علوم قرآن و حدیث

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحات
۲۲۶	تفسیر سورۂ اذا جاء	؟	قبل ۱۱۵۰	۲۷۴
۶۰	حاشیۂ من رہان	آگاہ	۱۲۰۶ / ۱۲۰۹	۹۶
۸۹	″ ″	″	″	۱۱۱
۲۲۳	ترجمۂ چہل حدیث	؟	قبل ۱۲۴۲	۲۸۰

۲۔ فقہ

نمبر مخطوطہ	نام کتاب	نام مصنف	سنہ تصنیف	صفحات
۹	فقہ ہندی	عبدی	۱۰۷۴	۶

۱۱	ہدایات ہندی	ضعیفی	۱۱۰۱	۲۸
۱۳	؍ ؍	؍	؍	۳۳
۱۷۱	ہدایت المومنین	؟	قبل ۱۱۰۰	۲۰۲
۴۸	نوشتۂ عاقبت	منور بیگم	؍ ۱۱۱۷	۷۵
۲۱۹	مرات المصلی	؟	۱۱۷۵	۲۶۲
۱۱۷	کفایت الاسلام	؟	قبل ۱۲۰۰	۱۵۲
۱۲۴	رسالۂ احوال میت	شمس الدین	۱۳۰۰	۱۵۹
۱۸۲	حقیقت الصلوٰۃ	سید احمد و عبدالحی	۱۲۳۰	۲۲۰
۱۲۱	دین دیپک	محمد علی شاہ الفت	قبل ۱۲۴۲	۱۵۵
۱۳۱	ترتیب النکاح	شمس الدین	۱۲۵۰	۱۶۸
۱۳۲	ترتیب نماز	؍	؍	۱۶۸
۱۸۰	چہار کرسی	اشرف الدین	قریب ۱۲۵۰	۲۱۷
۱۳۹	کشف الخلاصہ	شجاع الدین	۱۲۶۲	۱۷۴
۲۶۸	؍	؍	؍	۳۲۵
۱۸۷	کشف الحاجۃ	نور الدین	؍	۲۲۷

۳۔ تصوف

۲	ارشاد نامہ	برہان الدین جانم	۹۹۰	۱۹
۲۷	کلمۃ الحقایق	؍	قریب ؍	۵۳
۴۲	چکی نامہ	خواجہ بندہ نواز	قبل ۸۲۵	۶۸
۳۸	؍ عرفان	میراں جی خدانما	؍ ۱۰۷۰	۶۴
۲۸	مقصود ابتدائی	؟	؍ ۱۰۰۰	۵۴
۲۰۹	رسالہ وجودیہ	میراں جی خدانما	؍ ۱۰۷۰	۲۵۰
۲۷۱	شمائل اتقیا	میراں یعقوب	؍ ۱۰۷۸	۳۲۹
۲۵۷	گلزار السالکین	عابد شاہ	قبل ۱۰۹۲	۳۱۳
۲۱۸	دار الاسرار	مرید سلطان	؍ ۱۱۰۰	۲۶۱

۱۷۰	″	″	″	″	۲۰۱
۱۱۲	گنج مخفی	معظم	″	″	۱۴۸
۱۱۴	چکی نامہ	فاروقی	″	″	۱۵۰
۲۰۱	مثنوی علی	علی	″	″	۲۴۳
۲۰۷	مناظرۂ عقل و عشق	؟	″	″	۲۴۸
۲۱۰	وصل نامہ	مرتضی	″	″	۲۵۱
۴۱	کسب محویت	صدرالدین	″	۸۷۶	۶۶
۲۵۹	کسب عروج	″	″	″	۳۱۵
۲۹	من لگن	بحری		۱۱۱۲	۵۵
۳۳	اشاعت الغافلین	عاشق	قبل	۱۱۴۳	۶۸
۳۳	پنچھی باچھا	وجدی		۱۱۴۶	۶۰
۳۴	″	″		″	۶۱
۳۵	″	″		″	۶۲
۹۱	″	″		″	۱۱۱
۲۳۸	گنج عرفاں	امام الدین عارف	″	۱۱۵۰	۲۸۶
۲۴۱	نظم شادی	عظیم الدین	″	۱۱۷۶	۲۹۱
۲۴۱	ظفر نامہ	کامل	″	۱۱۹۵	۱۴۷
۱۸۰	مجذوب السالکین	امین	″	۱۲۰۰	۲۱۸
۱۶۲	اربع عناصر الوجود	؟	″	″	۱۹۷
۱۶۱	مزمل	؟	″	″	۱۹۸
۱۶۵	معرفت حق	؟	″	″	۱۹۸
۱۶۶	رسالہ وجودیہ	؟	″	″	۱۹۹
۱۶۷	رسالہ جبل تن	؟	″	″	۱۹۹
۱۹۵	چار کرسی طریقت	فقیر اللہ شاہ حیدر	قبل	۱۲۵۰	۱۹۳
۱۰۶	قطعہ	رمضان شاہ	″	۱۲۶۹	۲۰۱

۱۷۲	مراکبات سلوک	مسکین شاہ	قبل	۱۲۷۳	۲۰۴
۱۸۶	حبیب المریدین	حبیب علی	قبل	۱۲۸۱	۲۲۶
۱۶۰	نکات الواصلین	سلطان محی الدین		۱۲۷۹	۱۹۳
۱۶۱	وجدان الحق	″		۱۲۸۱	۱۹۶

(۴) پند و اصلاح و تبلیغ و مناجات

۲۲	پند دلبند	علی	درمیان	۱۰۲۰ ۱۰۶۷	۴۵
۱۶	تحفۃ النصائح	قطب رازی		۱۰۴۵	۳۵
۴۷	″	″		″	۷۵
۱۹	نجات نامہ	اباغی		۱۰۹۷	۴۱
۱۲۳	پند نامہ	؟		۱۰۹۹	۱۵۸
۷	مناجات	علا رحمتی	قبل	۱۱۰۰	۲۴
۲۰۳	″	غفار	″	″	۲۴۴
۲۰۴	کشف المعراج	مواہب	″	″	۲۴۵
۲۱۶	وصایائے نبی	؟	″	″	۲۵۹
۱۲	پند نامۂ لقمان	فتح شریف		۱۱۳۰	۳۱
۴۴	دعائے داؤد	سید		۱۱۴۵	۷۰
۴۹	عقاید نامہ	آگاہ		۱۱۸۵	۷۶
۱۳۴	تنبیہ النساء	رحمت اللہ		۱۱۹۵	۱۷۰
۱۳۵	″	″		″	۱۷۲
۱۳۶	″	″		″	۱۷۲
۱۳۷	″	″		″	۱۷۳
۱۳۸	″	″		″	۱۷۳
۱۹۰	مناقب	عادل	قبل	۱۲۰۰	۲۳۰
۱۵۰	کتاب ہدیٰ	مشتاق	″	۱۲۰۰	۱۸۳
۱۱۳	وصیت نامہ	مصطفیٰ	قریب	۱۲۰۴	۱۴۹

۱۸۴	تقویۃ الایمان	محمد اسمٰعیل		۱۲۳۵	۲۲۳
۱۸۳	رسالہ جہاد	؟		۱۲۳۵	۲۲۲
۱۲۲	ایمان در بہن	محمد علی شاہ الفت	قبل	۱۲۳۲	۱۵۷
۱۴۴	نصیحت المسلمین	خرم علی		۱۲۳۸	۱۷۷
۱۴۵	قیامت نامہ	محمد عبداللہ		۱۲۳۹	۱۷۸
۱۴۹	سوالات گڈ دین	محمد ہادی (؟)		۱۲۴۲	۱۸۲
۱۴۹	ہدایت المومنین	حسن قنوجی		۱۲۴۳	۱۷۹
۱۴۷	رسالہ اعمال بد	؟	قریب	″	۱۸۰
۱۵۱	اصلاح مسلمانان	؟	قبل	۱۲۴۵	۱۸۳
۱۵۲	شرک و بدعت	خرم علی	″	″	۱۸۴
۱۵۳	قیامت نامہ	شیخ محمد	″	۱۲۵۰	۱۸۵
۱۶۲	رسالہ بے نماز	؟	″	″	۱۹۶
۱۸۵	ردِ وہابیہ	ظہور علی	″	″	۲۲۵
۱۸۸	محرمات شرعی و تعزیہ	مہدی و بحر	″	″	۲۲۹
۲۳۲	ترجمۂ کریما	؟	″	″	۲۷۹
۲۵۴	آب حیات	حیات	″	″	۳۰۹
۲۶۳	مجموعۂ مناجات	فقیر و ناقص	″	۱۲۷۵	۳۱۹
۲۶۳	مجموعۂ مولود شریف	مسکین و دستگیر	″	″	۳۲۰
۶۶	احوال قیامت	غلام دستگیر	″	″	۹۳

(۵) تاریخ و سیر و مناقب

(۱) حالات و مناقب نبیؐ عربی

۶	مولود نامہ	عبدالملک		۱۰۰۹	۲۳
۱۰	معراج نامہ	سید بلاقی		۱۰۸۰	۲۷
۲۰۲	قصہ ہرنی کا	؟	قبل	۱۱۰۰	۲۴۴

۱۴۸	قصہ باز و فاختہ	؟	قبل	۱۱۰۰	۱۸۱
۴	قصیدہ معجزہ	جنونی		۱۱۰۲	۲۱
۵	″ ″ دیگر	″		″	۲۲
۲۰	نورنامہ	شاہ عنایت		۱۱۱۱	۴۳
۲۱	″	″		″	۴۴
۱۵	وفات نامہ	دریا		″	۳۴
۱۱۹	″	″		″	۱۵۴
۱۲۰	″	″		″	۱۵۵
۳	″	امامی	قبل	۱۱۴۰	۲۰
۱۴	شمائل النبی	عبدالمحمد	″	۱۱۵۰	۳۳
۵۱	ہشت بہشت	آگاہ		۱۱۸۵ ۱۲۰۷	۷۸
۵۲	من دیپک	″		۱۱۸۵	۸۰
۵۳	من ہرن	″		″	۸۱
۵۴	من موہن	″		۱۱۸۶	۸۲
۵۵	جگ سوہن	″		۱۱۸۵	۸۲
۵۶	آرام دل	″		″	۸۳
۵۷	راحت جاں	″		۱۱۸۶	۸۳
۵۸	من درپن	″		۱۲۰۶	۸۴
۵۹	من جیون	″		۱۲۰۷	۸۵
۲۳۶	قصہ دائی حلیمہ	؟	قبل	۱۲۵۰	۲۸۴
	(ب) حالات ومناقب آل واصحاب نبی			۹۰۹	۱۷
۱	نوسربار	اشرف		۱۰۸۲	۲۵۲
۲۱۱	مراثی	مرزا	قبل	۱۰۸۲	۲۵۲
۳۰	جنگ نامہ	سیوگ		۱۰۹۲	۵۷
۱۴۲	معجزہ خاتون جنت	؟	قریب	۱۱۰۰	۱۷۶

۲۱۳	بیاض مراثی	شاہی۔ کمتر شفیع۔ اشرف برہان یتیم	قریب	۱۱۰۰	۲۵۵
۲۳	نامۂ علی	عبدالعلی		۱۱۱۰	۴۸
۳۱	روضۃ الشہدا	ولی ویلوری		۱۱۳۵	۵۸
۳۲	″	″		″	۵۹
۹۲	″	″		″	۱۱۳
۱۰۰	″	″		″	۱۱۸
۲۱۴	مراثی	قادر		۱۱۴۰	۲۵۷
۱۴۲	گلسرنامۂ خاتون جنت	؟	قبل	۱۲۰۰	۲۷۷
۳۹	روضۃ الاطہار	شیدا		۱۱۷۳	۶۵
۴۰	″	″		″	۶۶
۵۰	تحفۃ النسار	آگاہ		۱۱۸۵	۷۱
۶۴	ضیافت نامہ	غوثی		۱۱۹۱/۱۲۲۵	۹۱
۶۲	ریاض الجنان	آگاہ		۱۲۰۷	۸۸
۶۳	″	″		″	۹۰
۹۰	مراثی	″		″	۱۱۲
۶۵	ظفرنامہ	محمود		۱۲۰۴	۹۱
۱۴۰	وفات نامۂ خاتون جنت	؟		۱۲۲۴	۱۷۵
۱۴	″	؟		۱۲۲۴	۱۷۶
۱۰۷	دہ مجلس	فاضل		۱۲۴۲	۱۴۲
۱۵۹	″	؟	قبل	۱۲۵۰	۱۹۳
۱۵۴	حملۂ حیدری	محمد مرزا مرزا		۱۲۶۰	۱۸۶
۲۴۲	وفات نامۂ زہرا	کشیر		۱۲۷۵	۲۹۱
۲۵۵	چارگلزار	فضل الرحمن		۱۲۸۰	۳۰۴

(ج) حالات و مناقب محبوب سبحانی

۱۱۰	توصیف نامہ	فیروز	قبل	۹۷۲	۱۴۴
۱۰۸	نامۂ حضرت سلطان	عبدالملک	قریب	۱۰۰۹	۱۴۳
۱۱۵	مدح میراں	شہ میر	قبل	۱۱۰۰	۱۵۰
۲۱۲	محی الدین نامہ	افضل	″	″	۲۵۳
۶۱	محبوب القلوب	آگاہ	″	۱۲۰۷	۸۷
۲۴	اسرار غوثیہ	؟		۱۲۶۰	۲۸۹

(د) دیگر بزرگانِ مذاہب کے حالات و مناقب

۲۵	قصص الانبیاء	غوثی		۱۱۹۱	۴۹
۱۰۹	مدح شاہ میراں جی	کریم	قبل	۱۰۵۰	۱۴۴
۱۷۴	وجیہہ الدین	ولی	″	۱۱۵۰	۲۰۶
۲۶۸	قصۂ شہیداں	ناطق	قریب	۱۲۴۰	۳۲۶
۲۵۰	روضۃ الاقطاب	رونق علی	″	۱۳۱۹	۳۰۳

(ہ) سلاطین و امرا کے حالات و واقعات

۲۲۱	ابراہیم نامہ	عبدل		۱۰۱۲	۳۶۷
۲۲۴	تاریخ ہندوستان	؟	قبل	۱۰۹۶	۲۷۰
۱۰۲	قصائد تاریخی	ہدایت	″	۱۱۹۸	۱۲۱
۱۰۳	منظومات ہجویہ	″		۱۲۰۰	۱۳۰
۱۰۴	ہجویہ نظمیں	افسق		۱۲۰۱	۱۳۵
۱۰۵	دیوانچہ	″		۱۲۰۳	۱۳۸
۱۰۶	سفرنامہ اعظم جاہ	نادر		۱۲۳۸	۱۴۱
۲۶۴	مسدس اکبر	شعلہ		۱۲۸۷	۳۱۲

(۶) نظم (دیوان، کلیات، بیاضیں)

۲۲۲	کلیات	محمد قلی قطب شاہ	قبل	۱۰۲۰	۲۶۸

۲۰۵	کلام	سعدی	قبل	۱۰۹۷	۲۴۵
۲۰۶	"	سلطان	"	"	۲۴۷
۲۷۵	کلیات	"	"	"	۳۳۶
۲۲۰	فیاض قدیم	شاہی۔ راجو	"	۱۱۰۰	۲۶۲
۲۱۶	فیاض دکنی	خوسنود۔ روحی۔ محمود میراں جعفر۔ محرمی	"	"	۱۵۱
۲۱۵	دکنی منظومات	عبداللہ قطب شاہ معجز۔ محی الدین	"	۱۱۵۰	۲۵۵
۲۰۸	کلام	اسمٰعیل	"	"	۲۴۹
۳۶	دیوان	ولی	قریب	۱۱۱۵	۶۲
۳۷	"	"	"	"	۶۳
۹۲	منتخب دیوان	صاحب قرآں	قبل	۱۱۵۰	۱۰۵
۸۴	قصیدہ	صاحب	"	"	۱۰۶
۱۴۲	منتخب دیوان	عاشق	"	۱۱۶۵	۱۴۹
۴۶	دیوان	داؤد	"	۱۱۶۸	۷۳
۷۱	"	یقین	"	۱۱۶۶+	۹۷
۷۵	"	"	"	"	۱۰۰
۸۳	"	"	"	"	۱۰۶
۲۴۹	"	"	"	۱۱۶۱	۳۰۲
۱۷۵	"	عاجز	"	۱۱۷۸	۲۰۶
۷۲	قصیدہ	فغاں	"	۱۱۸۶	۹۸
۲۴۵	کلام	میرن	"	۱۱۹۰	۲۹۴
۸۷	دیوان	میر	"	۱۱۹۲	۱۰۸
۷۳	"	سودا	"	۱۱۹۴	۹۹
۷۸	کلیات	"	"	"	۱۰۲

۷۹	کلیات	سودا	قبل	۱۱۹۴	۱۰۳
۸۰	منتخب دیوان	//	//	//	۱۰۴
۷۷	دیوان	درد	//	۱۱۹۹	۱۰۱
۲۵۶	کلیات	کاظم	قریب	//	۳۱۰
۱۷۷	بیاض اشعار	ولی۔ سراج۔ داؤد مکھن۔ سودا۔ قاسم صاحب اخلاص	قبل	۱۲۰۰ //	۲۱۰
۱۷۸	منتخب دیوان	مدینہ	//	//	۲۱۶
۲۴۴	کلام	برہان	//	//	۲۴۴
۲۵۵	//	میرن وسید	//	//	۳۰۹
۲۴۶	بیاض	حیدر وقار دبیر سکندر۔ مولائی۔ غلامی۔ امیر۔ ناسخ	//	// //	۲۹۹
۸۸	کلیات	ایمان		۱۲۲۰	۱۱۰
۸۵	دیوان	انتشار	//	۱۲۲۳	۱۰۷
۸۶	کلیات	//	//	//	۱۰۸
۱۹۳	چشمۂ فیض	فیض		۱۲۳۸	۲۴۳
۷۶	انتخاب کلام	منور	//	۱۲۵۰	۱۰۰
۱۹۱	دیوان اول	ناسخ	//	//	۲۳۲
۱۹۲	// دوم	//	//	//	۲۳۳
۸۱	منتخب دیوان	نصیر	//	//	۱۰۵
۲۴۹	بیاض غزلیات	آبرو۔ میر۔ سوز یقین۔ کمتر۔ حسن	//	// //	۲۵۷
۲۵۳	انتخاب کلام	میرو شاہی	//	//	۳۰۸
۱۹۶	دیوان اول	مزاج	//	۱۲۹۱	۲۲۷

۱۹۰	دیوان دوم	مزاج	قبل	۱۲۷۶	۲۳۹
۱۹۸	〃 سوم	〃	〃	۱۲۹۱	۲۳۹
۲۷۴	واسوخت	آباد	〃	۱۲۶۸	۲۳۵
۲۴۳	بیاض اشعار	ادب۔ امیر شکوہ		۱۲۷۵	۲۹۲
۲۵۱	دیوان	ناظم	〃	۱۲۸۱	۳۰۵
۲۴۸	〃	شرف	قریب	۱۳۰۰	۲۹۹
۱۹۵	دیوان رباعیات	عصمہ	قبل	۱۳۱۳	۲۳۵

(۷) منظوم قصے

۸	سیف الملوک و بدیع الجمال	غواصی		۱۰۳۵	۲۵
۱۸	چندربدن و ماہیار	مقیمی	قبل	۱۰۴۸	۳۷
۲۴	پھولبن	ابن نشاطی		۱۰۶۶	۴۹
۲۴۳	〃	〃		〃	۲۶۹
۲۶	رضوان شاہ و روح افزا	فائز		۱۰۹۴	۵۱
۱۸	چندربدن و ماہیار	بلبل	قبل	۱۱۰۰	۳۹
۴۵	سرو و شمشاد	سامی	〃	۱۱۷۵	۴۲
۷۴	سوز و گداز	سراج	〃	۱۱۷۷	۹۹
۲۶۹	بوستان خیال	〃	〃	۱۱۷۷	۳۲۷
۲۷۰	لیلی مجنوں	تجلی	قریب	۱۱۹۰	۳۲۸
۶۸	سحر البیان	میر حسن		۱۱۹۹	۹۵
۶۹		〃		〃	۹۶
۷۰	〃	〃		〃	۹۷
۹۹		〃		〃	۱۱۸
۱۱۷		〃			۲۷۵
۱۷۹	قصہ ریبا	؟	قریب	۱۲۰۰	۲۱۷
۱۹۹	قصۂ ابوحمہ	؟	〃	〃	۲۴۰

۶۷	نوبہار عشق	نامی		۱۲۱۱	۹۳
۱۵۵	پدماوت	عبرت		۱۲۱۱	۱۸۸
	شمع وپروانہ	عشرت		۱۲۲۵	
۲۷۲	عشق نامہ	فگار		۱۲۱۲	۳۳۲
۱۰۱	چہار درویش	شوق		۱۲۲۵	۱۱۹
۱۸۹	کہانی وقصہ	مودب	قبل	۱۲۲۶	۲۲۹
۱۷۶	قصۂ سیہ پوش	رحمٰن شاہ	″	۱۲۴۴	۲۰۸
۱۲۶	نظم انور	فقیر اللہ شاہ حیدر		۱۲۴۷	۱۶۳
۲۴۸	بہار گلشن	شوق	قریب	۱۲۵۰	۳۰۱
۱۵۶	اتاولی	حسینی بادشاہ (؟)		۱۲۶۰	۱۹۱
۲۶۰	طلسم اعظم	فضل حسین		۱۲۶۳	۳۱۶
۱۶۸	قصۂ بادشاہ روم	آدم	قبل	۱۲۶۹	۲۰۰

(۸) نثری قصے

۹۴	چہار درویش	میر امن		۱۲۱۵	۱۳۴
۹۵	″ ″	″		۱۲۱۵	″
۹۳	طوطی نامہ	حیدری		″	۱۱۳
۹۶	مذہب عشق	نہال چند		۱۲۱۷	۱۱۵
۹۷	″ ″	″		″	۱۱۶
۲۶۱	″ ″	″		″	۳۱۸
۲۷۲	طوطا کہانی	؟	قریب	۱۲۲۰	۳۲۳
۱۲۵	تناولی	فقیر اللہ شاہ حیدر		۱۲۴۴	۱۶۰
۱۲۷	مرغوب الطبع	حسین علی خان		۱۲۴۸	۱۶۴
۱۲۸	″	″		″	۱۶۵
۹۸	گل باصنوبر	نیم چند	قبل	″	۱۱۷
۱۷۳	اگر گل	؟	″	۱۲۵۰	۲۰۵

۱۲۹	چار درویش	حسین علی خاں		۱۲۵۰	۱۶۵
۱۳۰	ہمیشہ بہار	″		″	۱۶۹
۱۵۷	لالہ کیور اور قاضی	حسینی بادشاہ (۱)	قبل	″	۱۹۲

(۹) لغت وعروض وانشا

۲۳۰	واحد باری	اشرف		۹۰۶	۲۸۴
۲۶۹	ترجمہ آمدنامہ	؟	قریب	۱۱۰۰	۳۲۴
۲۶۵	ریختۂ ہندی کی صرف ونحو	؟		۱۲۲۵	۳۲۲
۲۳۱	مطبوع صبیان	صفی	قبل	۱۲۰۰	۲۷۸
۱۹۶	فیض جاری	فیض		۱۲۵۶	۲۳۴
۲۳۴	تاریخ بدر	واجد علی شاہ		۱۲۶۴	۲۸۱

(۱۰) طب

۲۳۵	حکمت بزرجمہر	؟	قبل	۱۰۵۰	۲۸۲
۲۵۸	معالجات بندہ نواز	عابد شاہ	″	۱۰۹۲	۳۱۴
۲۱۷	حکمت سلیمان	؟	″	۱۱۵۰	۲۶۰
۲۱۸	خوان نعمت	نعمت اللہ (۲)		۱۲۱۷	۱۵۳
۲۲۸	کتاب ادویات	؟	قبل	۱۲۴۹	۲۷۵
۲۳۰	بیان رحم کا	؟	″	″	۲۷۷

(۱۱) سائنس ودیگر علوم

۲۰۰	روپ سنگار	آگاہ		۱۲۱۵	۱۴۱
۲۲۹	مسائل طبیعی	؟	قبل	۱۲۴۹	۲۷۷
۲۲۵	ترجمہ شرح چغمنی	شاہ علی	قریب	۱۲۵۰	۲۷۱

ننھی جل پری

(۱۹۸۰)

مصنف	ہانس کرسٹیان آنڈرسن
مترجم	ہرچرن چاولہ
صفحات	۴۸
قیمت	۳/۵۰

اس کہانی 'ننھی جل پری' کے مصنف ہانس کرسٹیان انڈرسن HANSCHRISTIAN ANDERSEN ڈنمارک میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بچّوں کے لیے پریوں کی بہت سی کہانیاں لکھیں مگر انھیں زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی بلکہ الٹا کچھ لوگوں نے ان کی کہانیوں کو بالکل غیر اہم اور فضول قرار دینا شروع کیا۔ مایوس ہو کر انھوں نے اپنی کہانیوں کے تیسرے مجموعے کے دیباچے میں لکھا کہ اب ان کی پریوں کی کہانیاں لکھنے کی خواہش مدھم پڑ چکی ہے مگر ان ہی دنوں کسی دوسرے بڑے کام پر سوچتے ہوئے ایک نئی کہانی 'ننھی جل پری' کا تصور ان کے ذہن میں ابھرنے لگا۔

آنڈرسن نے ایک بار کہا تھا کہ شاعر یا ادیب اپنے چھوٹے سے آبائی شہر میں ایک غریب انسان ہوتا ہے۔ اس کے لیے عزّت اور شہرت ایک خوبصورت سونے کی چڑیا ہوتی ہے جسے وہ ہر قیمت پر پکڑ لینا چاہتا ہے۔ کیا میں لوگوں کو پریوں کی کہانیاں سنا سنا کر اسے پکڑ سکوں گا؟

ہانس کرسٹیان آنڈرسن نے آخر شہرت اور عزّت کی اس خوبصورت چڑیا کو پکڑ ہی لیا۔ ان کی پریوں کی کہانیوں نے اور خاص طور پر اس 'ننھی جل پری' نے انھیں بچّوں کے ادب میں امر بنا دیا۔

آنڈرسن فیونن (FIUNEN) کے جزیرے اوڈنسے (ODENSE) میں 1805 میں پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن بہت غریبی میں گزرا۔ ۱۸۱۹ میں چودہ سال کی عمر میں اپنی بگڑی بنانے کی خاطر وہ ڈنمارک کی راجدھانی کوپن ہاگن پہنچے۔ شروع شروع میں انھوں

نے ڈراموں میں ناچنے گانے کے ذریعہ اپنی قسمت آزمائی چاہی مگر بے سود۔ انھوں نے نہ شادی کی، نہ گھر خاندان کے چکر میں پڑے۔ طور طریقے بھی اُن کے اجڈ دیہاتیوں کے سے تھے اور شکل و صورت بھی بس ماشاء اللہ تھی، اس لیے لوگوں نے انھیں نظر انداز کرنا شروع کیا۔ انیسویں صدی کا وہ زمانہ ڈنمارک کے ادب کا سنہری دور کہلاتا تھا۔ اس لیے کچھ دانشور اور سمجھ دار لوگ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کی طرف البتہ متوجہ ہوئے۔ کچھ دولت مند دوستوں نے ان کی مالی امداد بھی کی۔ آخر وہ وقت آہی گیا جب انھیں اپنی دل پسند شہرت اور عزت حاصل ہوگئی۔

1875 میں ہانس کرسٹیان آنڈرسن کا انتقال ہوگیا مگر ان کی زندگی میں ان کے پاس ان گنت عقیدت اور خلوص بھرے خطوط آنے لگے تھے۔ ان کو خط لکھنے والوں میں دنیا بھر کے ماہرین جمالیات کے علاوہ ہزاروں بچے بھی شامل تھے۔

کوپن ہاگن میں آنڈرسن کے دو بت ہیں۔ 1880 کا بنایا ہوا آگسٹ سوبی AUGUST SAUBY کا بت "جونگز گارڈن" کے نام سے مشہور ایک پارک میں نصب ہے۔ دوسرا ایک نیابت جوکراتیج۔ لکو نیلسن (H LINCHOW NIELSEN) نے بنایا تھا اور ٹی ہال کے قریب لگا ہوا ہے۔

'ننھی جل پری' کی کہانی لکھ کر ہانس کرسٹیان آنڈرسن تو مشہور ہو گئے۔ خود اس پری نے بھی لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں اپنی ایک روپ ریکھا بنانی شروع کی۔ آخر ڈنمارک کی ایک مشہور ڈرامہ کمپنی رائل تھیئٹر نے 26 دسمبر 1909 کو آنڈرسن کی اس شہرۂ آفاق تخلیق کو ایک ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا جس میں اس وقت کے مشہور موسیقار فنی آن رک (FINI HENRIQUES) اور مانی ہوئی رقاصہ ایلن پرائس ڈی پلین ELLEN PRICE DE PLANE نے اپنے کمالاتِ فن کا مظاہرہ کیا اور یہ کہانی اس وقت کے بیلے تھیئٹر کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ بن گئی۔

ان ہی دنوں ایک مشہور بت تراش ایڈورڈ ایرکسن EDVARD ERIKSEN نے ایلن پرائس کے ناچ سے تحریک پاکر اور اپنی خوبصورت بیوی کو ماڈل بنا کر ننھی جل پری کا ایک شاہکار بت بنایا۔ یہ ننھی جل پری آج کل کوپن ہاگن میں داخلے

کے سمندری دروازے لانگے لینیے (LANGE LINIE) پر ایک بہت بڑے پتھر پر سمندر کے کنارے بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ مورتی اتنی خوبصورت ہے کہ دنیا بھر کی خوبصورت عورتیں اپنے حسن کا اس سے موازنہ کرتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے فوٹو کھنچواتی ہیں۔ پتھروں پر بیٹھی 'ننھی جل پری' کے چھوٹے چھوٹے تانبے کے مجسمے کوپن ہاگن کے اسٹیشنوں اور تحفے تحائف بیچنے والی ہر دکان پر مل جاتے ہیں جنھیں سیّاح بڑے شوق سے خرید کرلے جاتے اور گھر کی زینت بناتے ہیں۔

کہتے ہیں دنیا میں سب سے زیادہ اس ننھی جل پری کے فوٹو لیے جاتے ہیں اور اسے سب بے حد پیار کرتے ہیں۔ ننھی جل پری کوپن ہاگن آنے والے ہزاروں جہاز رانوں کے لیے بندرگاہ کا ایک تاریخی نشان بن گئی ہے۔ ملّاح لوگ اس پر پھول نچھاور کرکے اپنی دلی عقیدت اور پیار کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ ان کے لیے بہت ہی اچھی قسمت لاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ننھی جل پری ڈنمارک اور دوسرے ممالک میں فن بت تراشی کا ایک بہترین شاہکار تصوّر کی جاتی ہے مگر پھر بھی اس کا وجود کچھ لوگوں میں شدید بحث کا موضوع رہا ہے۔ کچھ لوگوں نے فن میں فطرت پرستی اور جذباتیت پر ناک بھوں چڑھائی ہے اور کہا ہے کہ اداسی کی اس چھوٹی سی مورتی کی قدروقیمت اتنی زیادہ لگانا مناسب نہیں ہے۔ یہی بات ننھی جل پری پر ظلم کا باعث بھی بنی ہے کہ ۲۵ اپریل ۱۹۶۴ کی صبح لانگے لینیے پر سیر کرنے والوں نے ایک نہایت درجہ قابل ملامت نظارہ دیکھا۔ انھوں نے ننھی جل پری کا سر دھڑ سے الگ پایا۔ یہ مادہ پرست اور فن سے نفرت کرنے والوں کی خود ایک ناقابل نفرت حرکت تھی۔ بعد کی تفتیش سے پتہ چلا کہ یہ قابل مذمت کام تیز دانتے والے آرے سے کیا گیا تھا۔ جو تقریباً دو راتوں میں ہو پایا ہوگا۔ اس سے پہلے یا موسم بہار ۱۹۶۴ تک ڈنمارک میں قتل کی کسی واردات نے لوگوں کو اتنا متوجہ نہیں کیا تھا جتنا کہ ننھی جل پری کی گردن اتارنے کے واقعہ نے کیا۔ امریکہ کے مشہور اور لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والے رسالے "لائف" نے اپنے مئی ۱۹۶۴ کے شمارے میں لکھا۔

"خدارا بتاؤ۔۔۔ ننھی جل پری۔۔۔ تمہارا خوبصورت سر کون لے گیا؟"

لوگوں کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے پولیس نے اس واقعہ کو ایک قتل کے طور پر درج کیا مگر افسوس کہ مجرم گرفتار نہ ہو سکے۔

مسخ شدہ بت اس پتھر سمیت جس پر ننھی جل پری بیٹھی ہوئی ہے ایک کرین کے ذریعے اٹھا کر تانبے کی ڈھلائی کے کارخانے میں لے جایا گیا جہاں ایڈ ورڈ ایرکسن کا ننھی جل پری کا پلاسٹر کا بنا ہوا اصلی بت ابھی تک محفوظ پڑا تھا۔ آخر پہلی جون ۱۹۶۴ کو ننھی جل پری بنا کسی واضح کاٹ چھانٹ کے واپس اپنی جگہ پر آ گئی اور پھولوں سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

آج 'ننھی جل پری'، ڈنمارک کی زندگی کا ایک جزو خاص ہے۔ اس سے لاکھوں لوگوں کی عقیدت اور پیار شاید ہمیشہ زندہ رہے گا۔

19 اکتوبر 78

اوسلو ناروے — ہرچرن چاولہ

ذ اور ز کا استعمال

" ذ اور ز کے بارے میں بھی اردو میں خاصا غلط مبحث ہے۔ آذر کو عام طور پر آزر، ذکریا کو زکریا اور ذخار کو زخار لکھا جاتا ہے۔ مرزا غالب فارسی میں ذال کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ اس لئے گزشتن اور پزیرفتن کو صحیح سمجھتے تھے۔ حالانکہ صحیح صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔

یہ غلط نگاری یہاں تک عام ہوئی ہے کہ کئی لوگ گزارش کو گذارش اور گذشتہ کو گزشتہ لکھنے لگے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

" املا نامہ" صفحہ ۱۹

حیاتِ جاوید

(۱۹۷۹)

تالیف : الطاف حسین حالی

قیمت : ۲۴ روپے

صفحات : ۹۰۴

سرسید احمد خاں مرحوم کے جہاں ہم پر اور بہت سے احسانات ہیں انھیں میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے ایک ایسی بے بہا زندگی کا نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس سے بہتر ہم اپنی موجودہ حالت کے موافق کوئی نمونہ قوم کی تاریخ میں نہیں پا سکتے۔ اگرچہ ہماری قوم میں بڑے بڑے الوالعزم بادشاہ بڑے بڑے دانشمند وزیر اور بڑے بڑے بہادر سپہ سالار گزرے ہیں مگر ان کے حالات اس کٹھن منزل میں جو ہم کو اور ہماری نسلوں کو درپیش ہے براہ راست کچھ رہبری نہیں کر سکتے۔ ہم کو اب دنیا میں محکوم بن کر رہنا ہے اور اس لیے وہ لیاقتیں جو سلطنت اور کشور کشائی کے لیے درکار ہیں ہمارے لیے بے سود ہوں گی۔ ہمارے اسلاف میں علما حکما و مصنفین کی بھی کچھ کمی نہیں ہے مگر وہ بھی آج ہمارے لیے قابل تقلید نمونے نہیں بن سکتے، ان کو خدا نے ایسے وقت میں پیدا کیا تھا جب کہا جاتا تھا کہ "علم اور لوگوں کا کام ہے اور باورچی گری اور لوگوں کا" مگر ہمارے زمانے میں دونوں کام ایک ہی شخص کو کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے علمی شغل میں کوئی فکر اور خلجان خلل انداز نہ تھا۔ وہ معاش کی طرف سے فارغ البال تھے۔ وہ قوم کی خدمت کرتے تھے اور سلطنت ان کی خدمت کرتی تھی۔ لیکن ہماری حالت ایسی نہیں ہے ہم کو دائیں ہاتھ سے پیٹ کا دھندا کرنا ہے اور بائیں سے کسی دوسرے کام کا ارادہ کرنا ہے۔ ہمارے عرفا و مشائخ کی پاکیزہ زندگی بھی ہم دنیاداروں کی موجودہ حالت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی وہ ہم کو اپنے اپنے قدح کی خیر منانی سکھاتی ہے مگر ہماری خیر اب اس میں ہے کہ سب مل کر ایک دوسرے کی خیر منائیں۔ پس

اس وقت ہمارے سلف کے کارنامے ہم کو براہ راست اس کے سوا کوئی سبق نہیں دے سکتے کہ بزرگوں کی بڑائی پر فخر کرو اور اس شعر کے مصداق بنو۔

ان افتخرت بآباءٍ مضوا سلفا　　قلنا صدقت ولکن بئس ما ولدوا

(یعنی اگر تم کو اپنے بڑوں پر فخر ہے تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایسے ہی تھے مگر اولاد بری چھوڑ گئے)

ہم یہ نہیں کہتے کہ سلف صالح کے حالات ہماری قوم کے لیے بالکل فائدہ مند نہیں ہیں۔ ان کی بائیوگرافی میں وہ تمام اصول موجود ہیں جو قومی زندگی کے لیے بمنزلہ ارکان و عناصر کے ہیں محنت، صبر، استقلال، غیرت، دلیری، اولوالعزمی اور عالی حوصلگی سب کچھ ان کے کارناموں میں موجود ہے۔ مگر جن مہمات میں انھوں نے ان ہتھیاروں سے کام لیا تھا۔ ہماری مہمات ان سے بالکل جداگانہ ہیں جو شاید ان کو کبھی پیش نہیں آئیں۔ جن آلات سے انھوں نے ملک فتح کیے تھے ہم کو انھیں آلات سے دل فتح کرنے ہیں۔ جو عزت اور آبرو انھوں نے اپنی قوم کی سلطنت میں حاصل کی تھی وہ ہم کو غیر قوموں کی حکومت میں حاصل کرنی ہے۔ ان کے زمانے میں سلطنت کے سوا کسی کو مصالح عامہ میں دخل نہ تھا۔ اس لیے انہیں ملک اور قوم کی بہبودی کے لیے ہاتھ پاؤں ہلانے کی مطلق ضرورت نہ تھی مگر ہمارے زمانے کا حال بالکل اس کے برخلاف ہمارے زمانے میں قوموں کی موت اور زندگی خود قوموں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ چاہیں اپنے تئیں بنائیں اور چاہیں بگاڑیں، چاہیں جیئں چاہیں مریں، سلطنت کا کام صرف ان کی حیات و ممات کا رجسٹر رکھنا اور زندوں کو زندوں کے گھاٹ اور مردوں کو مردوں کے گھاٹ اتار دینا ہے اور بس۔ ہمارے اسلاف نے اسلام کا دور دورہ دیکھا تھا جب کہ غیر مذہب والوں کو بھی اسی کا اتباع کرنا پڑتا تھا۔ اور اس کے خلاف کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ اس لیے ان کو دین کی حمایت کرنے کی صرف اسی قدر ضرورت تھی جس قدر کہ صلح کے زمانے میں فوج رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر ہم کو وہ زمانہ ملا ہے کہ بادشاہ اور رعیت دونوں کے مذہب پر نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ آزادی نے گونگوں تک کو گویا کر دیا ہے مذہب کا بدلنا کپڑوں کے بدلنے سے بھی زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ ادھر کرسچینٹی سلطنت کی مقناطیسی کشش سے اپنی طرف کھینچتی ہے ادھر سائنس مذہب کا نقش لوگوں کے دلوں سے

مٹانا چاہتا ہے ۔ جب کہ ہماری حالت سلف کی حالت سے اس قدر بد
ہوئی ہے تو ان کی بائیوگرافی ہمارے مشکلات پر کیا روشنی ڈال سکتی ہے ۔
سچ ہے کہ ان کی ہمت سے ہماری ہمت اور ان کی دلیری سے ہماری دلیر
بڑھتی ہے مگر یہ سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی ہمت اور د
سے کیا کام لیا تھا اور ہم کو اس سے کیا کام لینا چاہئے
جس قدر تیمور کا ایک چیونٹی سے شاہانہ عزم و استقلال سیکھنا عجیب معلوم ہ
ہے اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ تیمور کی لائف سے چیونٹی کا سا عزم و
استقلال سیکھا جائے ۔ پس اگرچہ زمانہ سلف کے مشاہیر بلکہ مجاہیل کی بائیوگ
بھی منفعت سے خالی نہیں لیکن اس میں ہمارے لیے کوئی ایسی صاف اور
شاہراہ موجود نہیں ہے جس پر ہم آنکھیں بند کرکے اپنی دشوار گزار منزل طے ک
چلے جائیں ۔

البتہ سرسید کی لائف ہمارے لیے ایک ایسی مثال ہے جس کی پیروی
ممکن ہے کہ ہماری قوم کی یہ کٹھن منزل جو نگنگنائے دنیا میں ظاہرا اس کی س
سے آخری منزل ہے آسانی کے ساتھ طے ہو جائے ۔ اس بزرگ کی لائف ہم
نصیحت کرتی ہے کہ زمانے کی مخالفت کو خدا کی مخالفت سمجھ کر اس کے س
موافقت پیدا کرو تاکہ دنیا میں آرام سے رہو اور عزت سے زندگی بسر کرو ۔ جب
تم میں عمدہ حاکم بننے کی لیاقت باقی نہ رہے تو عمدہ رعیت بننے میں کوشش کرو
دونوں عمدگیوں سے ہاتھ نہ دھو بیٹھو ۔ وہ بتاتی ہے کہ کوئی قوم محکوم ہونے کی حالت
کیونکر قومی عزت حاصل کر سکتی ہے اور ایک شائستہ گورنمنٹ میں کیونکر اس کا
و اعتبار بڑھ سکتا ہے ۔ وہ جس طرح ہم کو آزادیٔ رائے کی تعلیم دیتی ہے اسی طرح
بھی سکھاتی ہے کہ ہم کیونکر اپنی آزادی کو قائم رکھ سکتے ہیں ۔ وہ ایک طرف
خودداری اور سیلف رسپکٹ کی تاکید کرتی ہے اور غلامانہ خوشامد
نفرت دلاتی ہے اور دوسری طرف حکمران قوم کا ادب ۔ اور اس کی سرگذشت
ہمارے دلوں پر نقش کرتی ہے وہ ہم کو خبردار کرتی ہے کہ قومی تنزل سے قوم کے مذ
کو کیا صدمہ پہنچتا ہے اور اس کا تدارک کیونکر ہو سکتا ہے اور مذہب سے
متہم ہونے سے قوم کن آفتوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس کا علاج کیا ہے

لو اسلام کے وہ اعلیٰ اصول یاد دلاتی ہے جن کو قرونِ اولیٰ کے بعد قوم نے بالکل فراموش
دیا تھا۔ اور جن کا مطلب یہ تھا کہ قوم اور وطن کی محبت کو جزوِ ایمان جانو اور قوم
خدمت کو سرداری کا تمغہ سمجھو۔ وہ ہم کو سبق دیتی ہے کہ قوم کی حقیقی خیر خواہی اس
ت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ بہت سے کام ان کی عقل اور عادت اور مرضی
خلاف نہ کیے جائیں اور ان کی مخالفت کو صبر اور استقلال کے ساتھ برداشت
یا جائے۔ وہ ہم کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر دنیا میں بڑا بننا چاہو تو حرص و طمع خود غرضی
ٹ، آرام طلبی اور عیش و عشرت سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو جاؤ۔ وہ ہم
قین دلاتی ہے کہ تھوڑی سی تعلیم اور بہت سا تجربہ اور بالکل سچائی یہ تینوں ملکر
ے ایسے عظیم الشان کام انجام کر سکتی ہیں جو بڑے بڑے حکیموں اور مدبروں
ے انجام نہیں ہو سکتے۔ وہ ہم کو تعصبات سے متنفر کرتی ہے، غیر قوموں کے ساتھ
ن معاشرت سکھاتی ہے، دوستوں کے ساتھ، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان،
ائی ہوں یا یہودی، خلوص اور سچائی سے ملنا بتاتی ہے۔ وہ ہم کو ہدایت کرتی
ہے کہ جیسا دل میں سمجھو ویسا ہی زبان سے کہو اور جو کچھ کہو اس کو کر دکھاؤ۔ وہ
واز بلند کہتی ہے کہ وقت کی قدر کرو، ڈیوٹی کا خیال رکھو، ایک لمحہ بے کار نہ ہو
کام کرتے کرتے مر جاؤ۔

تعجب کی بات ہے کہ ایسی قابل قدر بائیوگرافی جس کا لکھنا مسلمانوں کا نہایت
ں تھا اس کے لکھنے کا خیال سب سے پہلے ایک شریف انگلش مین کو آیا۔
بل گریہام نے سرسید کی لائف ان کی وفات سے تیرہ برس پہلے انگریزی میں
یر شایع کر دی اور اس ضروری کام میں سبقت کرنے کا فخر مسلمانوں کے ہاتھ
، جاتا رہا۔ اگرچہ صاحب ممدوح کے ہم دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے
جود غیر قوم ہونے کے ہمارے واجب التعظیم لیڈر کی ایسی قدر کی اور ان کی
دگرافی کی سب سے پہلے بنیاد ڈالی لیکن سچ یہ ہے کہ اس عجیب و غریب شخص
بائیوگرافی ایسی چیز نہیں ہے جس کے لکھنے کا حق ایک آدھ مصنف سے ادا ہو سکے
نچہ کرنل گریہام کی کتاب پر ایک انگریزی اخبار میں یہ ریمارک کیا گیا تھا کہ
ہ ایک مکمل بائیوگرافی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔" ہم کو پہلے بھی یہی امید تھی
ب جب کہ سرسید کی وفات نے ایک حیرت انگیز غلغلہ تمام ہندوستان میں

ڈال دیا ہے وہ امید یقین کے درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ جس قدر زیادہ زمانہ گزرتا جائے
اسی قدر سرسید کے کاموں کی زیادہ قدر اور ان کے حالات کی زیادہ چھان بین ہو جائے
متعدد لوگ ان کی بائیوگرافی لکھنے پر قلم اٹھائیں گے اور صدیوں تک اس ہیرو کا راگ
ہندوستان میں گایا جائے گا۔

راقم کو سرسید کی زندگی کے حالات لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا
جبکہ وہ اپنے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ مفید کام کی بنیاد ڈال چکے تھے
مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں قایم ہو چکا تھا اور باوجود سخت مخالفتوں کے بہت تیزی
ساتھ ترقی کرتا جاتا تھا۔ اور اسی کے ساتھ تہذیب الاخلاق میں سرسید کی دلنشیں
جیسی کہ اردو زبان میں پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھیں، شائع ہو رہی تھیں۔ اگرچہ سر
نے اپنی زندگی عام بھلائی کے کاموں میں مدت سے وقف کر رکھی تھی مگر ابھی تک
حال پہلی رات کے چاند کا ساتھ تھا کہ کسی نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا لیکن مدرسۃ
اور تہذیب الاخلاق نے ان کی کوششوں کو چودھویں رات کے چاند کی طرح سد
روشن کر دیا۔ اگرچہ قوم میں عموماً مخالفت پھیلی ہوئی تھی مگر ایک گروہ ایسا بھی تھا جو
کے کاموں کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میرے دل میں بھی ان کی وقع
روز بروز زیادہ ہونے لگی۔ اسی وقت سے میں نے کچھ نوٹ ان کی لائف کے متعلق
کرنے شروع کیے اور کم و بیش سو سوال ایک کاپی میں لکھ کر سرسید کے پاس بمقام
اس غرض سے بھیجے کہ ان کے جواب مختصر طور پر لکھ دیں مگر وہ کاپی ان کے پاس
ہی پڑی رہی۔ کسی سوال کا جواب وہاں سے نہ ملا۔ میں نے یہ بھی چاہا کہ برس چھ م
علی گڑھ میں جاکر رہوں جہاں اس کام کے لیے قیام کرنا نہایت ضروری تھا مگ
کے تعلق کی وجہ سے یہ موقع بھی نہ مل سکا۔ بعض صاحبوں کی یہ رائے ہوئی کہ سر
زندگی میں ان کی لائف لکھنی مناسب نہیں۔ اس کی جو وجوہات انھوں نے اس
بیان کیں وہ مجھے بھی معقول معلوم ہوئیں ان اسباب سے آخر کار یہ ارادہ موقوف کر

کچھ دنوں بعد سرسید کے نہایت خالص و مخلص دوست آنریبل حاجی ا
خاں رئیس دتاولی کو خیال پیدا ہوا کہ یہ معزز لائف جہاں تک جلد ممکن ہو اور د
میں مکمل طور پر لکھی جائے چنانچہ ان کی تحریک سے میرے دوست منشی سراج ا
ملک و مہتمم چودھویں صدی سرسید کی لائف لکھنے پر آمادہ ہوئے۔ انھوں۔

ہش سے اس کے لیے میٹریل جمع کیا اور ایک خاص حد تک اس کو ترتیب دے کے
صاحب کو دے دیا۔ کئی برس تک وہ مسودہ رکھا رہا مگر اس کے چھپنے کی نوبت
نہ
: چونکہ کرنل گریہم اور منشی سراج الدین سرسید کی زندگی ہی میں ان کی لائف
ہی راہ نکال چکے تھے میرے دل میں پھر ایک ولولہ اٹھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگرچہ
لائق آدمی روز بروز بڑھتے جاتے ہیں مگر مزدوروں کا گھاٹا ہوتا جاتا ہے۔
فضل سے ایسے لوگوں کی کچھ کمی نہیں ہے جو سرسید کے کاموں کی دل سے قدر
ہیں ان کی خدمات کی داد دیتے ہیں ان کی بائیوگرافی کو قوم کے حق میں مفید سمجھتے ہیں
کوئی ان کی بائیوگرافی لکھے تو اس پر نکتہ چینی کی اعلیٰ لیاقت رکھتے ہیں مگر اس کا
الا کوئی نظر نہیں آتا۔ جوہریوں سے بازار بھرا پڑا ہے مگر کان کھودنے والے مفقود
یسی حالت میں اس ضروری کام کو لیت و لعل میں ڈالنا اور اس وقت کا انتظار
معلوم نہیں کہ اول ہم کو پیش آئے یا سرسید کو، ٹھیک نہیں ہے جس طرح ہو سکے
ہم کو ان کی زندگی ہی میں پورا کر لینا چاہیے تاکہ جب کبھی موقع آئے اس کو فوراً شایع
ہائے۔
ا ان خیالات سے میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ سب کام چھوڑ کر پہلے اس قومی فرض
رنا چاہیے۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء میں اسی غرض سے میں نے چند ماہ علی گڑھ میں قیام کیا۔
ود سرسید اور ان کی لائف لکھنے کا تمام سامان موجود تھا۔ اور اس کے بعد کئی دفعہ
یلم کے لیے وہاں جا جا کر ٹھہرا۔ میں آنریبل حاجی اسمٰعیل خاں کا شکر گزار ہوں کہ
لت ان کو میرا یہ ارادہ معلوم ہوا انھوں نے وہ تمام مسودات جو منشی سراج الدین نے
کیے تھے میرے حوالہ کر دیے اور اپنے دوست منشی سراج الدین کا بھی ممنون ہوں
کے مسودات سے میں نے فائدہ اٹھایا ہے۔
اگرچہ سرسید کی لائف کا لکھنا بظاہر ایک آسان کام معلوم ہوتا ہے کیونکہ ۵۷ء
کر آخیر تک جو کچھ انھوں نے کیا وہ سب چھاپے کے ذریعہ سے مشتہر ہو گیا ہے
ء سے پہلے کے حالات بھی معتبر ذریعوں سے معلوم ہو گئے ہیں مگر درحقیقت
مام سوانح عمری کا سمیٹنا نہایت دشوار کام ہے۔ ان کی زندگی ایسے اہم واقعات
ری ہوئی ہے کہ نہ کسی واقعہ کو سرسری سمجھ کر چھوڑا ہی جا سکتا ہے اور نہ ہر ایک

واقعہ کو مفصل بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوست نے بالکل سچ کہا کہ جس قدر سر
کی زندگی میں ان کے مخالف یا موافق لکھا گیا ہے اور جس قدر ان کی وفات پر اطراف
ہندوستان میں رنج والم کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف اسی کو جمع کیا جائے تو متعدد ضخ
جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص سرسید کی لائف ایک
آدھ جلد ختم کرنی چاہتا ہے۔ اس کو کیسا مشکل کام کرنا ہے۔ اس سے بھی زیادہ سخت
جو بائیوگرافی کے مضمون سے علاقہ رکھتی ہے یہ ہے کہ سرسید کی ذات میں اس ق
مختلف الجنس حیثیتیں جمع تھیں کہ ہر ایک حیثیت پر اس کی شان اور اس کے درجہ ـ
موافق گفتگو کرنا ایک ایسا کام ہے جس کا پورا پورا حق وہی مصنف ادا کر سکتا ہے جو خ
بھی سرسید کے برابر جامع حیثیات ہو۔ مذہب، اخلاق، معاشرت، تعلیم، گجمنٹ
پالٹکس، لٹریچر، پبلک اسپیکنگ، انجینیرنگ، آرکیولوجی وغیرہ وغیرہ کس کس بات کو بہ
کیا جائے؟ اور کس کس حیثیت پر گفتگو کی جائے؟ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ہم نے کام
مشکلات دیکھ کر جی نہیں چھوڑا اور اس عربی مثل کے موافق کہ "مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ
لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ" سرسید کی لائف پوری یا ادھوری جیسی کہ ہم سے بن آئی قوم کے
مرتب کر دی ہے اور اگر ہمارا قیاس غلط نہ ہو تو آیندہ مصنفوں کے لیے کم سے کم ایک
داغ بیل ضرور ڈال دی ہے جس کی حدود میں وہ ایک وسیع اور عالیشان عمارت آ
سے تیار کر سکتے ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی
خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ کسی شخص کی بائیو
کرٹیکل طریقہ سے لکھی جائے۔ اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھ
جائیں اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چن
اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے اس میں
تک ہم کو معلوم ہو سکیں ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں اور ان کے
کو کہیں ٹھیس لگنے دی۔ لیکن اول تو ایسی بائیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ
وقعت نہیں رکھتی اس کے سوا وہ انھیں لوگوں کے حال سے زیادہ مناسبت رکھ
ہے۔ جنھوں نے اس موج خیز اور پرآشوب دریا کی منجدھار میں اپنی ناؤ نہیں ا
کنارے ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ صحیح سلامت جا اترے۔ ان کو سب نے بھ

لہ ان کو کسی کی بھلائی یا برائی سے کچھ سروکار نہ تھا۔ وہ کہیں رستہ نہیں بھولے
لہ انھوں نے گلی بھیڑوں کی لیک سے کہیں ادھر ادھر قدم نہیں رکھا۔ لیکن ہم کو اس
ب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے جس نے چالیس برس برابر تعصب اور جہالت
ابلہ کیا ہے، تقلید کی جڑ کاٹی ہے بڑے بڑے علماء و مفسرین کو لتاڑا ہے، اماموں
مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے، قوم کے پکے پھوڑوں کو چھیڑا ہے اور ان کو کڑوی
ئیں پلائی ہیں جس کو مذہب کے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے تو دوسرے
زندیق خطاب دیا ہے اور جس کو پالٹکس کے لحاظ سے کسی نے ٹائم سرور سمجھا
تو کسی نے نہایت راست باز برل جانا ہے۔ ایسے شخص کی لائف چپ چاپ کیونکر
جا سکتی ہے۔ ضرور ہے کہ اس کا سونا کسوٹی پر کسا جائے اور اس کا کھرا پن ٹھوک بجا
دیکھا جائے۔ وہ ہم میں پہلا شخص ہے جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد
ہے اس لیے مناسب ہے کہ سب سے پہلے اسی کی لائف میں اس کی پیروی کی
ے اور نکتہ چینی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے
ہم کو دعویٰ ہے اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں لیکن اس بات کو ہم
دھی یقین ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں کہ سرسید کا کوئی
سچائی سے خالی نہ تھا اور اس لیے ضرور ہے کہ ان کے ہر ایک کام کو نکتہ چینی کی نگاہ
۔ دیکھا جائے کیونکہ سچ میں اور صرف سچ ہی میں یہ کرامت ہے کہ جس قدر اس میں
نہ کرید کی جاتی ہے اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے

یہ کتاب بہ نظر سہولت دو حصوں پر تقسیم کی گئی ہے پہلے حصے میں سرسید
ندگی کے تمام واقعات اور ان کے کام ابتدا سے آخیر تک ترتیب وار بقید تاریخ
کیے گئے ہیں اور دوسرے حصے میں ان کی تمام لائف اور ان کے ورکس پر ریویو
یا ہے۔ سرسید کی زندگی کا زیادہ نمایاں حصہ جو غدر کے زمانے سے شروع ہوتا
س کے متعلق زیادہ تر حالات علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق اور
نیف احمدیہ سے لیے گئے ہیں اور بہت سی اطلاعیں سرسید کے دوستوں کی زبانی
و سرسید کے خطوط سے جو انھوں نے اپنے دوستوں کو وقتاً فوقتاً لکھے یا سرکاری
رٹوں انگریزی اخباروں اور بعض مدبران سلطنت کی تحریروں سے جن میں سرسید

کا ذکر کیا گیا ہے اور بعض اور معتبر ذریعوں سے جن کی ہر ایک موقع پر تصریح کر دگ
ہے، حاصل ہوئی ہیں۔

غدر سے پہلے کے حالات کسی قدر ان کی قدیم تصنیفات سے جو غدر سے
لکھی جا چکی تھیں یا سیرت فریدیہ سے جو حال ہی میں انھوں نے اپنے نانا کے حالات
پر لکھی تھی یا ان کے بعض رشتہ داروں کی زبانی اور زیادہ تر ایک مختصر تذکرہ سے
مخدومی خان بہادر غلام نبی خاں مرحوم نے ۱۸۹۴ء میں راقم کی درخواست پر میرٹھ۔
ایک رسالہ کی صورت میں خود لکھ کر بھیجا تھا اور خاص کر خاندان، بچپن اور تعلیم کے
خود سرسید مرحوم کی زبانی لکھے گئے۔ اس کے سوا کرنل گریہم کی کتاب اور منشی سراج ا
کے مسودات سے بھی جا بجا مدد لی گئی ہے اور ان رسالوں اور اخباروں پر بھی ایک
سرسری نظر ڈالی گئی ہے جو خاص کر سرسید کی مخالفت کی غرض سے ہندوستان م
وقتاً فوقتاً جاری ہوئے اور سرسید کے اخلاق و عادات وغیرہ کے متعلق کچھ اپنی
واقفیت سے اور کچھ ان کے قدیم دوستوں کے بیانات سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سرسید کی لائف اگر ان کی زندگی میں شائع ہو
تو وہ عظمت جس کی وہ مستحق تھی اس کو حاصل ہونی دشوار تھی مگر ایک خاص وجہ۔
ہم کو اس بات کا افسوس رہ گیا کہ وہ سرسید کی زندگی میں شائع نہ ہو سکی اول اول
جب کبھی سرسید کے سامنے ان کی لائف لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا جاتا تھا تو وہ ہمیشہ یہ ک
کہ میری لائف میں سوا اس کے لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں، کنکوے اڑائے، ک
پالے ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری، کافر اور بے دین کہلائے، اور رکھا
کیا ہے مگر آخر میں جیسا کہ عام طبائع انسانی کا خاصہ ہے، ان کو اس بات۔
دریافت کرنے کا زیادہ خیال معلوم ہوتا تھا کہ ان کی بائیوگرافی میں کیا لکھا جا
اور اسی لیے وہ اپنی لائف کے جلد شائع ہونے کے مشتاق معلوم ہوتے تھے۔ ظ
ہے کہ جس شخص نے چالیس برس مذہب کی حمایت میں بسر کیے ہوں اور سوا
تکفیر و تضلیل کے قوم کی طرف سے کچھ انعام نہ پایا ہو اس سے زیادہ کون شخص
بات کے دیکھنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان اس کی مذہبی تصنیف
پر نظر انصاف سے بحث کرے۔ پس اگر ہم یہ جانتے کہ سرسید کا ناگزیر وقت ق
آپہنچا ہے تو کم سے کم جو کچھ ہم نے ان کی مذہبی خدمات کی نسبت لکھا تھا وہ ضر

ہا نظر سے گزران دیتے۔ مگر ہم کو امید ہے کہ جو دائمی سرور اور روحانی خوشی مرنے
بعد ان کو اپنی خالص اور بے ریا خدمات کے صلے میں حاصل ہوئی ہو گی اس نے
ی ناچیز و حقیر قدر دانیوں سے ان کو ابدالآباد تک مستغنی کر دیا ہوگا۔

اب ہم دیباچہ کو ختم کر کے لائف لکھنی شروع کرتے ہیں اور ناظرین کی خدمت
التماس کرتے ہیں کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت اس بات کا خیال رکھیں کہ دنیا
بڑے سے بڑے آدمیوں کی زندگی بظاہر اسی طرح شروع ہوتی ہے جس طرح عام
ں کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اس میں کوئی کرشمہ ایسا صاف اور صریح نظر نہیں آتا
سے ان کی آیندہ زندگی کی عظمت کا سراغ لگ سکے لیکن جب ان کی اعلیٰ قابلیتو
جوہر بتدریج اپنے موقع پر ظاہر ہوتے ہیں اس وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ جو معمولی
ان کی ابتدائی حالت میں ناچیز اور کم وزن نظر آتی تھیں وہی ان کی آیندہ ترقیات
یاد تھیں۔ پس اس معزز لائف کی وہ عظمت جس کی طرف دیباچہ میں اشارہ کیا گیا
آغاز کتاب میں ڈھونڈھنی نہیں چاہیے بلکہ اس موقع کا منتظر رہنا چاہیے جہاں
سید کی ترقی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں اور دکھایا گیا ہے کہ جو کچھ ان سے ۴۔
ں بعد ظہور میں آیا وہ اس کے بیج بچپن ہی سے نیا رہو رہے تھے۔

ما فیکولوجی :۔ فوق فطرت۔ فوق الفطرت۔ ما فوق الفطرت (انگریزی اصط
اردو میں ایک اصطلاح کی تین شکلیں مروج ہیں۔ اگرچہ فوق فطرت، زیاد
ہیں عربی حرف کی ہمزۃ الوسط کا استعمال نہیں ،

کلیات سودا جلد دوم (۱۹۸۴)

مرتب ڈاکٹر محمد حسن

قیمت ۱۳/-

صفحات ۲۴۰

سودا کی مرثیہ نگاری کے سلسلے میں سب سے پہلی بحث لازمی طور پر یہ اٹھتی ہے کہ ان میں سے کتنے مرثیے سودا کی تصنیف ہیں۔ مروجہ کلیات میں چھوٹے بڑے ملا کر کوئی نوّے مرثیے سودا کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے بعض میں مہربان کا تخلص بھی موجود ہے جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مرثیے سودا کے بجائے مہربان خاں کی تصنیف ہوں گے لیکن یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ امرا کے نام سے مراثی اور غزلیں کہنا قدما کے ہاں عیب میں داخل نہیں تھا اس کے علاوہ یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ سودا کی زندگی میں مرتب کئے ہوئے اکثر کلیات مراثی سے خالی ہیں مثلاً نسخۂ حبیب گنج اور نسخۂ انڈیا آفس میں ایک مرثیہ بھی شامل نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ کلیات سودا کے کسی معتبر اور مستند مخطوطے میں ان کے مراثی شامل نہیں ہیں مگر یہ خیال صحیح نہیں، کئی مخطوطے ایسے ہیں جن میں ان کے مراثی موجود ہیں گو ان مراثی کی تعداد مختلف ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ سودا کی مرثیہ نگاری مسلمہ ہے اور اس شک وشبہ کی گنجائش نہیں البتہ ان کی غزلیات کی طرح ان کے مراثی میں بھی الحاقی کلام موجود ہے جس کی چھان بین اب بہت دشوار ہے۔

مروجہ کلیات میں جو مراثی موجود ہیں ان کو سودا کی تصنیف تسلیم کیا جائے تو ان میں تین اقسام کے مراثی ملیں گے پہلے وہ جنھیں عوامی کہا جا سکتا ہے، ان مرثیوں کا لب ولہجہ نہ صرف روزمرہ کی بول چال سے بہت قریب ہے بلکہ خیالات وجذبات اور ان کے اظہار کی سطح بھی زیادہ بلند نہیں ہے اس میں وہ مرثیے بھی شامل ہیں

جو دکنی، پنجابی، برج بھاشا کے دوہوں اور اشعار سے معمور ہیں اور ایسے مرثیے بھی ہیں جو عورتوں کی بولی ٹھولی میں لکھے گئے ہیں۔ اسی ذیل میں متعدد منفردہ مراثی بھی آتے ہیں۔

دوسری قسم قصیدہ نما مرثیوں کی ہے جن میں ادبی شان پیدا ہوگئی ہے اس قسم کے مرثیوں میں سودا نے تخیل کی رنگ آمیزی کی ہے اور اندازِ بیان زیادہ پُر جوش اور رنگین ہے ان مراثی کو قصیدے کے طرز پر ڈھالا گیا ہے قصیدے کی تکنیک سے مراد یہ ہے کہ مراثی میں تشبیب اور گریز کے آداب کو پوری شان و شکوہ کے ساتھ برتا گیا ہے اور جگہ جگہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی مدح و ستائش کی گئی ہے گو ان قصائد میں سراپا نگاری، سیرت نگاری یا رزمیہ نگاری کے وہ عناصر موجود نہیں، جو بعد کو مراثی کے عناصر ترکیبی قرار پائے۔ اس قسم کے مراثی میں قصیدوں کی طرح تغزل سے بہت فائدہ اٹھایا گیا ہے جگہ جگہ پر غزل کی فضا، کیفیت اور اس کی مخصوص لفظیات اور علامتوں کو بھی برتا گیا ہے مثلاً

کیوں مضطرب الحال نسیم سحری

ایک اور مرثیہ کا پہلا بند ہے :-

بولے ہیں مرغ چمن آج کہ نالاں ہیں ہم
کہتے ہیں کہ سدا چاک گریباں ہیں ہم
ہے یہ سنبل کے زباں زد کہ پریشاں ہیں ہم
نرگستاں کا سخن یوں ہے کہ حیراں ہیں ہم

ایک اور مرثیہ اس طرح شروع ہوتا ہے :-

اشجار غم سے ہوگئے بے برگ و برصبا
گل شبنم الم سے ہوئی چشم ترصبا

جس طرح قصیدہ نگار ایسے مضامین سے تشبیب کی ابتدا کرتا ہے جو بظاہر اصل موضوع سے غیر متعلق معلوم ہوتی ہو اور پھر اچانک گریز کرکے اس غیر متعلق موضوع و اصل مضمون سے ہم آہنگ کرتا ہے اسی طرح سودا مراثی کی ابتدا بھی بظاہر غیر متعلق مضامین سے کرتے ہیں اور پھر گریز کی مدد سے مرثیہ کے نفس مضمون کی طرف مراجعت

کر کے پڑھنے والوں کو خوشگوار استعجاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مرثیہ اس طرح شروع ہوتا ہے :-

دیکھ کر صبح کو میں مضطرب الحال نسیم
پوچھا کیوں ڈھونڈھتی ہے آج تو یہ ہفت اقلیم

دوسرا مرثیہ مناظرے سے شروع ہوتا ہے :-

میں ایک نصاریٰ سے یوں از راہ نادانی
پوچھا کہ مسلمان ہے بولا یہ وہ نصرانی
عیسیٰ کے نواسے کو ہم عید کی قربانی
کرتے تو ہمیں پھبتا دعوائے مسلمانی

ایک اور مرثیہ کا پہلا بند :-

ابر رونے کو اٹھا ہے آج کہاروں کے بیچ
ساغر خون جگر چلتا ہے مے خواروں کے بیچ
خاک سر پر کرتے آئے مست ہشیاروں کے بیچ
گھر گیا باغ رسالت کا وہ گل خاروں کے بیچ
یعنی ابن ساقی کوثر ستم گاروں کے بیچ

ایک اور مرثیہ اساڑھ اور جیٹھ کے مہینوں کے مناظرے سے شروع ہوتا ہے ان میں تشبیب کے اشعار کم ہیں لیکن مرثیے کی ترتیب قصیدے کی یاد دلاتا ہے۔

تیسری قسم کے مراثی وہ ہیں جن میں سودا واقعہ نگاری کو اہمیت دیتے ہیں، ان میں واقعات کربلا میں سے کوئی واقعہ چند جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور اس واقعے کے مختلف مراحل سلسلہ بلسلہ سامنے آتے ہیں ان میں بھی انیس کے مراثی کی طرح قصہ گوئی اور حسن ترتیب موجود نہیں ہے لیکن اس دور کے جو مراثی ملتے ہیں ان کی روشنی میں سودا کے مراثی میں واقعہ نگاری کی شان زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ سودا واقعات کے انتخاب میں بھی ایک انوکھا طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ زیادہ تر واقعۂ شہادت کے بعد اہل بیت کے مصائب، شام میں ان کی قید و بند کی سختیاں اور پھر مدینے کی طرف مراجعت کے قصوں کا بیان زیادہ پسند کرتے ہیں۔

عام مرثیہ نگاروں کی طرح ان کے یہاں بھی روایات کی صحت پر زیادہ اصرار نہیں بعض ضعیف روایتوں کو بھی نظم کرتے ہیں اور ان میں بعض اس قدر ضعیف ہیں جنھیں بعد کے مرثیہ نگاروں نے بھی ترک کر دیا مثلاً دست کربلا میں حضرت امام حسینؓ کی لاش کو بے حرمتی سے بچانے کے لیے شیر کا ظاہر ہونا۔ شہادت حسینؓ کے بعد خاک مدینہ کا سرخ ہو جانا یا حضرت حنیف کا قصہ یا دربار یزید میں ایک فرنگی کا حضرت زینب کی حمایت کرنا۔

ان مراثی میں جگہ جگہ سیرت نگاری کی کامیاب کوشش ملتی ہیں۔ ان میں حضرت امام حسینؓ زین العابدین، عباس، قاسم، زینب، شہربانو کے کرداروں کی بعض خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عورتوں کی زبان سے سودا جو مکالمے ادا کرتے ہیں ان کی زبان دکھنی، پنجابی، برج یا اودھی ہوتی ہے اور ان میں ہندوستانی رنگ و آہنگ زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے مثلاً :-

کہتی ہیں بانو پیٹ کے سر کو اصغر میرا ہر گئے لو
خشک ہوئے لب جس دم اس کے دہن اُسے تر گئے لو
جس کا ان لاکھ طرح کے دکھ بھر بھر میں مر گئے لو
ہائے ہائے وائے دریغا گود وہ خالی کر گئے لو

یا

بانو کہتی تھیں کہ ان کا قصہ مت کر سائیاں
مر چکے تیرے تو سب خویش و برادر سائیاں
ایک تو تنہا رہا جاتا ہے کیدھر سائیاں
تجھ بن آفت آئے گی ہم سب کے سر پر سائیاں

یا

جا دُبھرے اے بڑے قاسم تیری بڑی گھر میں روئے

یا

کوکدی زینب پیٹ کے سر تو سناوے جھند کھپاون

سیرت نگاری کے اعتبار سے سودا کے ہیرو حضرت قاسم ہیں جن کی شادی اور

شہادت کے قصے کو سودا نے کئی طریقوں سے نظم کیا ہے اور ان میں شاعرانہ انداز بیان اور ندرت ادا پیدا کی ہے۔ کئی مرثیوں میں انھوں نے قادر الکلامی سے شادی کی تقاریب اور اصطلاحات کے پردے میں شہادت کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ یہ واقعی ان کا کارنامہ ہے۔ ان مراثی میں جہاں ایک طرف اس عہد ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے وہاں شادی کی ان تمام رسموں کے پیچھے شہادت کا خونیں منظر بھی نظروں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ ایک مرثیے میں بیاہ کی لگن دھرنے سے لے کر تخت کی شب تک حال اسی انداز سے بیان کیا ہے۔ (یاروستم تو یہ سنو چرخ کہن کا) دوسرے مرثیے میں شادی کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ شہادت کا بیان کیا گیا ہے۔ یہ عجیب دغریب مرثیہ سودا کی طباعی، ذہانت اور فنکاری کی بے مثل یادگار ہے۔

کیا کروں شادی قاسم کا میں احوال رقم
واسطے دیکھنے کے آرسی مصحف جس دم
بیاہ کی رات رکھا تخت پہ نوشہ نے قدم
گائے تقدیر و قضا نے یہ بدھاوے باہم
قاسما مرگ جوانانہ مبارک باشد
جلوۂ شمع بہ پروانہ مبارک باشد

اس مرثیے میں برات کا آنا۔ شربت کے جام سے ان کی تواضع ہونا، مالنوں کا پھولوں کے ہار گوندھنا اور دروازے پر بندھنوار باندھنا، دف اور طنبور بجنا، نیگ دینا، اور سہلے سننا، سہرا باندھنا، آرسی مصحت کی رسم ادا ہونا، شادی بیاہ کی کئی اہم تقریبات کا ذکر اسی التزام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایک اور مرثیے میں اسی شادی کا بیان اس طرح ہوا ہے۔

نئی یہ شادی بیاہ کی کس کے تو نے فلک اٹھائی ہے
کس دکھیاری کا ہے جایا کس دکھیا کی جائی ہے
سر چھاتی نقارے ہیں فریاد و فغاں شہنائی ہے
سوز جگر ہے آتشبازی ہر ایک آہ ہوائی ہے

سودا نے حضرت قاسم کے مرثیوں میں اس طرز کو نبا ہا ہے۔ اپنی یہ جدت شاید سودا کو بھی عزیز تھی۔ اس لیے اس انداز سے انھوں نے کئی مرثیے لکھے اور شادی کی تقاریب اور رسم و رواج کو نئے ڈھنگ سے بیان کیا۔ ان میں حضرت قاسم یا ان کی دلہن کی سیرت یا ان کے دلوں کی کیفیت بیان نہیں ہوئی ہے بلکہ شادی کی تقاریب کے یک بیک شہادت اور بین کی مجلس میں تبدیل ہو جانے سے قارئین پر جو شدید تاثر طاری ہوگا اسے پیدا کرنا سودا کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔

سودا کے مراثی میں یہ معاشرتی اور تہذیبی عکاسی نمایاں وصف کی حیثیت سے موجود ہے وہ رزم کے مرد میدان نہیں، ممکن ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ سودا کا عہد جنگ و جدل سے دوچار تھا۔ سودا نے اپنی آنکھوں کے سامنے نادر شاہ کا قتل عام اور احمد شاہ ابدالی کی لوٹ اور جاٹ اور مرہٹوں کی فوج کشی دیکھی تھی۔ انیس کے زمانے میں جنگ بھی ایک نادر عجوبہ بن چکی تھی اور اس کے ذکر میں بھی طرفہ تازگی آگئی تھی اس لیے انیس کے ہاں تلوار دلہن کی طرح ناز و غمزے سے راہ چلتی ہے اور میدانِ جنگ خاک و خون سے اٹے ہوئے صحرا کے بجائے تختہ گلزار نظر آتا ہے۔ سودا صرف پرامن زمانے کی خاندانی اور گھریلو زندگی کے عکاس ہیں اور وہ حضرت امام اور ان کے خانوادے کی تباہی کا حال بھی اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ اس دور کی معاشرت کے کئی گوشے سامنے آجاتے ہیں۔

شادی غمی کی تقریبات، مشاغل، رسم و رواج، لباس اور ماکولات و مشروبات کے بارے میں تو سودا کے ان مرثیوں میں خاصی معلومات موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اس دور کے سپاہیوں کا حال، سماج میں عورت کے درجے اور خورد و بزرگ کے تعلقات فرائض اور حقوق اور اخلاقی معیار و اقدام کی کیفیت بھی ان مرثیوں سے واضح ہوتی ہے۔ مرثیوں میں واقعہ نگاری اور سیرت نگاری کی روایت غالباً محمد شاہی دور اس سے قبل دکن سے شروع ہوئی ہوگی اور اسی زمانے سے مرثیہ نگاروں نے حضرات اہلِ بیت کو ہندوستانی روپ میں مقامی رسم و رواج، عادات واطوار اور پوشش اور پوشاک کے ساتھ پیش کیا ہوگا۔ اس سلسلے کے لاتعداد مرثیے اب نایاب ہیں اس لیے اس ضمن میں سودا کی اولیت یا کارنامے کی صحیح قدر و قیمت کا

تعین دشوار ہے لیکن مرثیہ نگاری کے موجودہ سرمائے میں یقیناً سودا نے جس طرح واقعۂ کربلا کے کرداروں کو ہندوستانی روپ میں ڈھالا ہے اس کی کوئی نظیر سودا سے قبل نہیں ملتی۔

محمد شاہی دور اور اس کے بعد دہلی میں لشکر پر جو ابتری آئی تھی اس کے شواہد تاریخ ہند کے اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں۔ سودا کے مرثیے بھی ان سے خالی نہیں۔ سپاہیوں کو سرکاری خزانے سے تنخواہ ملنا دشوار تھا اور مالی منفعت کے خیال سے سپاہی کبھی ایک سیاسی گروہ کی حمایت میں لڑتا تھا کبھی دوسرے کی اس کے پاس وفاداری کی روشنی تھی نہ عقیدے کی چمک۔ اس کا مقصد صرف مالی منفعت ہو کر رہ گیا تھا۔ یزیدی فوج کے سپاہی کی زبان سے سودا ایک مرثیے میں کہلواتے ہیں۔

مستقل تا کہ ہو تو دین سے ہم موڑا ایک کو آل محمدؐ سے نہ جیتا چھوڑا
مزد تو دے ہمیں کس چیز کا ہے یاں توڑا کسی کو بخش تو گھوڑا کسی کو دے جوڑا
اتنے ہی واسطے کرتا ہے سپاہی محنت
تا کہ محنت کے عوض دے اسے آقا راحت

اسی طرح فوجوں کی لوٹ مار، طمع زر، سفاکی اور بدنظمی کی تصویریں بھی اسی دور کی نمائندہ ہیں۔

عورت کے تین روپ ان مراثی میں نظم ہوئے ہیں۔ ماں کی حیثیت سے بی بی زینب اور بیوی کی حیثیت سے حضرت قاسم کی دلہن کی تصویریں سودا نے کامیابی سے کھینچی ہیں۔ حضرت علی اصغر کا مرثیہ مفرد مستزاد۔

بانو یوں کہتی ہیں سرو رکیا ہوا ہے ہے اصغر لاڈلا

نہایت موثر مرثیہ ہے۔ ایک اور مرثیے میں ہندوستانی گھروں کی فضا او ہندوستانی بچوں کے کھیل اور مشاغل اور ہندوستانی ماؤں کے ارمانوں کی تصویر کشی نہایت خوبی سے ہوئی ہے۔

آنکھ مچولا کھیلیں ہیں لڑکے چھپ چھپ چاندنی راتوں میں
پاؤں تمہیں چلے ہی نہ دیکھا بلا گئے تم ہاتھوں میں

ہے ہے اصغر میرے لال

کھول کے اب انکھیاں تم اپنی غوں غاں اماں پاس
خاک کے نیچے مت دبواؤ میری تم امید اور آس

ہے ہے اصغر میرے لال

چاؤ تھا میرے دل میں تمہارا دیکھ مروں کی بیاہ برات
نیند تمہیں پر ایسی آئی جن نے کھوئی سب وہ بات

ہے ہے اصغر میرے لال

آپ نے پیکاں کے یہ تمنا میرے دل کی ڈبوئی ہے
موت ہی تیری ہو کے تمہارے ساتھ تمہیں سے سوئی ہے

ہے ہے اصغر میرے لال

زینب وکلثوم کا ذکر یوں توکئی جگہ آیا ہے مگر ایک مرثیے میں اہلِ بیت کے قید سے رہا ہو کر شام سے مدینے آنے کا ذکر ہے تو ان دونوں کے جذبات بڑی خوبی سے بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بھی ہندوستانی رنگ نمایاں ہے۔ ہمسائیوں کے طعنہ زن ہونے کے اندیشے کا اظہار کیا گیا ہے اور اپنے عزیزوں کی شہادت کے بعد اپنے زندہ رہنے پر اظہار افسوس ہے۔

کربلا سے شام ہو کر جب مدینے آئیاں
زینب وکلثوم دونوں فاطمہ کی جائیاں
رو رو کہتی تھیں کہ طعنہ دیگی یوں ہمسائیاں
کھو کے سارے وارث اک عابد کو جیتا لائیاں

حضرت قاسم کے عروس کی ایک نہایت پُر اثر تصویر:۔

سرنگوں بیٹھی ہے غمگین دلہن من ماری
دم بدم آنکھوں سے ٹپکے ہیں لہو کے قطرات

ایک اور مرثیے میں عروس کے بین اور شدت کرب کا حال طرح بیان ہوا ہے۔

غم کی شدت سے وہ پیٹے ہے سر اپنے کو نوچے ہے مو
اور پچھاڑیں کھا کر دکھیا زخمی کرے ہے ناخن سے رو

دوست نہیں ہے کوئی اس کا دیکھتی ہے ہیں ہر سو
کون ہے اب جو راہ بتادے تیرے غم کٹنے کی اس کو
روتی ہے بنری تیری لے لے تیرا ناؤں
کہتی ہے تجھ کو سنے چھوڑ کدھر کو جاؤں

سماج میں جو عورتوں کا جو درجہ تھا اس کی طرف بی بی شہر بانو کی زبان سے ایک مرثیے میں سودا نے اشارے کیے ہیں۔ مرد گویا گھر اور خاندان کا رکھوالا، عورتوں کی عزت کا محافظ، بچوں کا سرپرست اور ان کا سہارا تھا، عورتیں صرف اس کی مددگار ہوسکتی تھیں اور مرد کے بغیر بے آسرا محسوس کرتی تھیں۔

بانو کہتی تھیں ان کا قصہ مت کر سائیاں
مر چکے تیرے تو سب خویش و برادر سائیاں
ایک تو تنہا رہا جاتا ہے کیدھر سائیاں
تجھ بن آفت آئیگی ہم سب کے سر پر سائیاں

تو چلا مرنے ہمیں کس کے حوالے کر چلا
کاٹ اپنے ہاتھ سے پہلے ہمارا بھی گلا
کیونکہ تجھ بن ہم کو اس جینے سے مرنا ہی بھلا
لوٹ لیویں گے ہمیں یاں سب ستمگر سائیاں

سودا کے مرثیوں پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو عورتوں کے سماجی مرتبے کے بارے میں خاصی مفید معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ یہ بات حیرت ناک ہے کہ مرثیے کے علاوہ اردو شاعری کی شاید ہی کوئی صنف سخن ایسی ہو جس میں عورت کو محبوبہ یا بیوی کے سوا کسی اور حیثیت سے دیکھا گیا ہو عورت سامان نشاط رہی اور اس کی مادرانہ حیثیت اور گھریلو زندگی کے پس منظر میں اس کی شفقت پیار اور دردمندی کو اہمیت نہیں دی گئی گویا عورت کی فطرت کا صرف ایک پہلو جو مردوں کے لیے دوسری تمام حیثیتوں سے زیادہ دلچسپی کا باعث تھا پیش کیا جاتا رہا، صرف مرثیوں میں عورت بیٹی، بہن اور ماں کے روپ میں بھی سامنے آئی ہے۔ سودا کے مرثیوں میں بھی یہ

تصویر نمایاں طور پر ملتی ہے اور ان میں گھریلو فضا کے ساتھ اور گرہستن کے طور طریقوں کے ساتھ عورت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

سودا کے نزدیک مرثیہ رزمیہ نہیں المیہ نظم کی حیثیت رکھتا ہے وہ اس کی عظیم اخلاقی اور مجاہدانہ مقصد کو پیش کرنے کے بجائے مصائب اور دُکھ درد کو پیش کرتے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں ایثار و کرم سروشی اور جانبازی پر اتنا زور نہیں ہے جتنا حضرات اہلِ بیت کی مظلومیت پر ہے وہ واقعۂ کربلا کو شہدا ہی کو نہیں بلکہ ان اہل بیت کو بھی تو قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے ہیں اپنے مراثی کا موضوع قرار دیتے ہیں۔ واقعۂ کربلا کی توجیہ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عروج اسلام کے بعد مصلحتہً ڈر کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر دل سے وہ اسلام اور بانیِ اسلام کے "عدوئے جانی" تھے اور دراصل انھیں کی اولاد تھی جو یزید کی سر کردگی میں بانیِ اسلام کے وارثوں سے جنگ آزما ہوئے۔ جگہ جگہ اہلِ بیت کے سخت مصائب کے بیان کے ساتھ ساتھ صبر و قناعت کی تلقین بھی موجود ہے۔ حضرت امام حسینؑ وصیت فرماتے ہیں۔

راغب کرو دل صبر پہ حق کا ہے یہ مرغوب　　گو جی ہے غم انداز
اس امر میں بندے کو خموشی ہے بہت خوب　　از نالۂ جاں سوز
اکر یہ مبادا نہ کہیں حضرت ایوبؑ　　محشر کے تمہیں روز
صابر نہ رہی مرضی ایزد پہ کوئی دم　　اولاد پیمبرؐ

لیکن یہ مراثی سودا کا بنیادی آہنگ نہیں ہے۔ سودا مرثیہ کو خیر و شر کی طاقتوں کے درمیان ایک عظیم رزمیے کی شکل نہیں دیتے بلکہ نیک سرشت انسانوں کی قوتِ برداشت اور ظلم و جور میں مبتلا ہونے کی روداد سمجھتے ہیں۔

سودا کو مرثیہ نگاری کی دشواریوں کا اندازہ تھا۔ انھوں نے میر تقی نامی مرثیہ گو پر جو اعتراضات کیے ہیں ان سے بھی مرثیہ نگاری کے بارے میں ان کے تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

"مشکل ترین دقائق طریق مرثیہ کا معلوم کیا کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ میں ربط معنی سے دیا چنانچہ اس کام محتشم سا کسو نے عز قبول نہیں پایا ہے۔"

یعنی مرثیہ کو دقیق ترین صنف شعر قرار دینے کی وجہ سودا کے نزدیک یہی ہے کہ

ایک ہی مضمون یا واقعے کو بار بار دہراتا ہوتا ہے اور تخیل کے زور اور بیان کی قدرت سے ہر بار اس میں نئی کیفیت اور تازگی پیدا کرنی ہوتی ہے۔ سودا محتشم کے قائل اور معتقد ہیں اور "مرثیہ درنظر رکھ کر" مرثیہ کہنے پر زور دیتے ہیں اور برائے گریۂ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ میر تقی مرثیہ گو کے کلام پر اسی نقطۂ نظر سے مختلف اعتراضات کرتے ہیں۔ ان اعتراضات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ سودا مرثیہ کو صنف ادب میں شمار کر کے اس میں ادبی محاسن، فصاحت اور روانی کا ہونا لازمی سمجھتے ہیں اور بندش کی چستی، صفائے گفتگو اور ندرت ادا پر اصرار کرتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سودا کے مراثی پر بھی وہ تمام اسقام ملتے ہیں جن کی نشان دہی انھوں نے میر تقی کے مراثی میں کی ہے خصوصاً بندش کی سستی اور بے ربطی کا عیب جگہ جگہ ملتا ہے غالباً اسی وجہ سے مولانا محمد حسین آزاد نے مرثیے اور سلام کے سلسلے میں اس خیال کا اظہار کیا کہ "ان کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے"؛ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ سودا کے مراثی ادبی خوبیوں سے خالی اور عیوب سے پر ہیں۔

سودا کے مراثی کے بعض حصے تخیل کی پرواز اور انداز بیان کی ندرت کے اعتبار سے فنکاری کا اعلیٰ نمونے ہیں۔ محاکات، جذبات نگاری، ندرتِ ادا تشبیہ و استعارے کی جدت اور کیفیت کے لحاظ سے ان کے مراثی کی بڑی اہمیت ہے۔ انھیں کی بدولت مرثیہ کو صنف شاعری سمجھا جانے لگا اور ادبی شان اور اہمیت نصیب ہوئی۔ اہلِ بیت کا قافلہ کربلا سے گرفتار ہو کر شام کی طرف لے جایا جارہا ہے اس دردناک سفر کا ایک منظر جو محاکات کی اچھی مثال ہے -

لیے جاتے ہیں وہ جس راہ سے ہے خارستاں
نہیں تا لاب کنویں کا کسی منزل میں نشاں
پا برہنہ چلے واں زین عبا تشنہ وہاں
سر کھلے اور وہ اشخاص بہ پشت شتراں
جن کے محمل کی طرف دیکھ نہ سکتا تھا فلک
مہر ومہ کی نہ پڑی جن پہ نظر آج تلک

جذبات نگاری کے سلسلے میں حضرت قاسم کی عروس اور بی بی سکینہ اور

حضرت شہربانو کے جذبات کا بیان قابل ذکر ہے۔ فرزندانِ مسلم کی گرفتاری کے بیان میں چند بندوں میں جذبات نگاری کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ بی بی شہربانو کی زبانی علی اصغر کی شہادت پر جو مرثیہ نظم کیا گیا ہے ان میں حضرت علی اصغر کے بڑے ہونے اور دولہا بننے کے ارمان کا ذکر بھی جذبات نگاری کی اعلیٰ مثال ہے۔
یک مرثیے میں بی بی شہربانو کی زبانی کہلواتے ہیں :-

جاگ پیارے ہوئی اویر　　　　سومت لالا اتنی دیر
مجھ ماں سے مت آنکھیں پھیر　　　　زیست سے مجھ کو مت کر سیر
تجھ بن میرے نور العین
کیوں کر ہوا اس دل کو چین

بی بی سکینہ کے جذبات کی ایک تصویر :-

عابد جیتا ایک تسے تپ کی بیماری
روتی ہے دن رین سکینہ دکھ کی ماری
کہتی ہے جو ڈھونڈھ مرے باباکو لادے
اس کے صدقے جاؤں جو لا مجھ پاس بٹھادے
کب سنتے ہیں دوزخی اب یہ آہ و فغاں
بھول گئے سب اس گھڑی نانا کا احساں

تخیل کی پرواز اور ندرتِ ادا کی متعدد مثالیں ان مراثی میں بکھری ہوئی
ہ۔ حضرات اہلِ بیت کی لاشیں دشت کربلا میں بے کفن پڑی ہوئی ہیں :-

پپیہا منہ میں لا کر واں کہیں سے بوند پانی کی
اڑے ہے آکے ہر اک نعش پر کہتا ہوا پی پی
پئے پانی تو وہ کوئی کہ جس کے تن میں ہووے جی
ترحم لیکن اس کے دل میں اس کے حال پر آیا

جوش اور قدرتِ بیان کی مثالیں جابجا ملتی ہیں ان میں خلوص کے ساتھ
ندت جذبات کا اظہار بھی ہوا ہے۔

پہنچ اے ابر کہ مرجھائے شجر حیدر کے　　　　نیر بن جھڑتے ہیں بستاں کے ثمر حیدر کے

پیار سے تڑپے ہیں پڑے نورِ بصر حیدر کے
خشک لب دیکھ انھیں چشم ہیں تر حیدر کے

گزرا اے ابرِ تر اکہہ تو نہیں کس جا پر
گاہ تو کوہ پر برسے ہے سگہے صحرا پر
حیف صد حیف کہ ترسے ہیں لب دریا پر
بوند پانی کے لیے لختِ جگر حیدر کے

غرض سودا کے مراثی بیش قیمت ادبی اور تہذیبی امانت ہے۔ ان میں اس عہد کی لسانی، ادبی اور معاشرتی تاریخ کے ذخیرے چھپے ہوئے ہیں اور ان کا مطالعہ ہمیں اس دور سے روشناس کرا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اردو مرثیہ کو ادبی مرتبہ بخشنے میں سودا کے مراثی کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ انیس کے مراثی کی طرح عظیم فن پارے نہ سہی لیکن یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ اگر سودا نہ ہوتے تو انیس کے مراثی کے لیے راہ ہموار نہ ہوتی اور کسی عظیم فنکار کا کامیاب پیش رو ہونا بڑی سعادت ہے۔

سودا کے مراثی علیحدہ جلد میں پہلی بار شائع ہو رہے ہیں۔ ان مراثی کا متن کلیات سودا کے متداولہ نسخوں پر مبنی ہے کہیں کہیں اغلاط نظر آئیں گی مگر متداولہ متن سے تجاوز نہیں کیا گیا ہے۔

کلیات سودا کی دونوں جلدوں کی تیاری میں میرے عزیز دوست عظیم الشان صدیقی نے میری جو مدد کی ہے اس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ اس کی زحمت اور کارکردگی کا شکریہ رسمی الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا دراصل یہ ان کی اَن تھک محنت کا نتیجہ ہے کہ کلیات سودا کی یہ دو جلدیں شائع ہو کر پڑھنے والوں کے ہاتھ میں پہنچ سکیں۔

ڈاکٹر محمد حسن

نالاڈیار

(۱۹۸۰)

مترجم — غازی حمید اللہ خاں

صفحات — ۸۴

قیمت — ۵-۰۰-۴

تعارف

تامل ہندوستان کی ایک قدیم زبان ہے۔ ماہرین لسانیات اسے دنیا کی دوسری قدیم زبانوں مثلاً سنسکرت، یونانی لاطینی، فارسی اور عربی کا ہم پلہ وہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ تاریخی کتبات اور دوسرے شواہد بھی اس کی قدامت کو ثابت کرتے ہیں۔ آج بھی یہ زبان جنوبی ہندوستان کے وسیع علاقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ریاست تامل ناڈو میں اسے سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔

تامل زبان میں کئی کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں سال پرانی ہیں نالاڈیار کے متعلق بھی ایسا ہی دعویٰ ہے پشپا رتھ چیٹی شائع کردہ شرح میں اس بات کی خاص طور پر وضاحت کی گئی ہے۔

وہ قدیم تامل کتابیں جن کی ادبی حیثیت مسلّم ہے 36 ہیں اور انھیں دو حصوں میں بانٹا گیا ہے "پت پاٹ"، اور ایٹ توگھئی، قدیم ترین 8 کتابوں پر مشتمل ہیں۔ ان کو 'میل کنک' کہتے ہیں، اسی طرح باقی 8 کتابوں کو مجموعی طور پر کیز کنک کہتے ہیں اور یہ میل کنک سے کچھ بعد کی ہیں۔ نالاڈیار کو کیز کنک میں شمار کیا جاتا ہے، تامل کی مشہور ترین کتاب کرل بھی "کیز کنک" کتابوں میں سے ایک ہے۔ ان تمام قدیم ادبی شاہکاروں کی فہرست جو مندرجہ ذیل ہیں، ایک تامل شلوک میں دی گئی ہے۔

نالاڈیار نان منی، نال ناپدو، این دِنئی، میال (کرل) کدُوکم، کو دئی پڑ موڑی،

مامولم، کل وڑی، اِنّا اِنی یُوئی، تنی مائی، مُدومُوڑی کانچی اوز ایلادی

نالاڈیار کا نام اس میں ہے، اسی سے اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ ایک تامل شلوک میں کرل اور نالاڈیار دونوں کو ہم پلہ قرار دیتے ہوئے ان کی عظمت کا اس طرح اعتراف کیا گیا ہے "جس طرح بڑ اور نیم کے درختوں کی دتون سے دانتوں کو طاقت ملتی ہے اسی طرح نالاڈیار اور کرل کے شلوکوں کا حوالہ دینے سے بات زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے۔"

یہ شلوک اس بات کا ثبوت ہیں کہ زمانۂ قدیم ہی سے نالاڈیار کے شلوکوں کو حوالے اور سند کے لائق سمجھا گیا ہے۔

نالاڈیار کے متعلق ایک نہایت ہی دلچسپ قصہ مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ میں مدورا کے شمال میں قحط پڑا تھا لہٰذا وہاں کے باکمال آدمی مدورا آکر بس گئے تھے۔ مقامی راجا کو ان کی عالمانہ صحبت اس قدر پسند آئی کہ جب کچھ عرصہ بعد انھوں نے وطن جانے کا خیال ظاہر کیا تو اسے بہت رنج ہوا اور اس نے انھیں مدورا چھوڑنے کی اجازت نہ دی لہٰذا وہ لوگ راجا کے ڈر سے رات کے اندھیرے میں مدورا سے بھاگ نکلے۔ جاتے وقت ان میں سے ہر ایک تاڑ کے پتوں پر ایک ایک شلوک لکھ کر چھوڑ گیا۔ اگلی صبح جب راجا کو ان کے چلے جانے کا علم ہوا تو اس نے وہ تمام تاڑ پتر منگوائے اور انھیں مقامی دریا ویگئی میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے 400 تاڑ پتر دریا کے دھارے کے بہاؤ کے خلاف بجائے نیچے کی طرف بہنے کے اوپر کی طرف بہنے لگے اور ایک جگہ کنارے سے لگ گئے۔ انھیں پھر راجا کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسی مجموعہ کو نالاڈیار کہتے ہیں۔ اس کہانی میں سچائی کس حد تک ہے یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ ایک بات البتہ ظاہر ہے کہ یہ 400 اشلوک تامل ادبِ عالیہ میں اتنا بلند مقام رکھتے ہیں کہ زمانہ کے تھپیڑوں نے بھی انھیں برباد نہ کیا اور اہلِ علم و دانش نے انھیں ہمیشہ یاد رکھا اور ان کا درس دیا۔ نالاڈیار کو "ویلالر ویدم" بھی کہتے ہیں یعنی "مقامی آدمیوں کا وید"۔

پوپ (G.U. POPE) کا خیال ہے کہ نالاڈیار اور دیگر تامل ادبی شہ پارے آٹھویں صدی عیسوی اور بارہویں صدی عیسوی کے درمیان لکھے گئے ہوں گے۔ لیکن مشہور تامل محقق ڈاکٹر ویدربیلو کا خیال ہے کہ نالاڈیار تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں ضبطِ تحریر میں آئی۔ گیتو سوامی مدلیار کا خیال ہے کہ کرل اور نالاڈیار دونوں پہلی صدی عیسوی میں لکھی گئی ہوں گی کیونکہ یہ مدورا کے تیسرے سنگم کے ادبی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ مدورا کا تیسرا سنگم پہلی صدی عیسوی کے اواخر اور دوسری صدی عیسوی کے شروع میں قائم تھا۔ بہرحال یہ بات ظاہر ہے کہ نالاڈیار ایک قدیم ادبی کارنامہ ہے اور صدیوں سے لوگ اسے سینہ سے لگائے چلے آتے ہیں۔

نالاڈیار کو ایک مشہور تامل پدُومنار نے ترتیب دیا اور اس کے شلوکوں کو کرل کی طرح مختلف سرخیوں کے تحت یکجا کر کے سارے مجموعہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ "پدُومنار" نے نالاڈیار کے مجموعہ کے شروع میں خود اپنا ایک شلوک بھی شامل کیا ہے جس میں مالکِ حقیقی کی حمد و ثنا کی گئی ہے۔

نالاڈیار چار سو شلوکوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لیے اسے تامل میں اکثر نالاڈی۔ نانوُر یا چار سو شلوک

کہتے ہیں ۔ تامل زبان میں "نالاڈیار" لفظ کا مطلب یہی چار مصرعوں والا شلوک ہے ۔ ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں شلوکوں کا اس سے بہتر مجموعہ تامل زبان میں نہیں تھا ۔ یہ شلوک ایک گلدستہ ہیں اور اس میں بہت سے شاعروں کا کلام شامل ہے جن کے نام تک کسی کو معلوم نہیں ۔ لیکن عام خیال یہ ہے کہ یہ شلوک جَین شعرائ کے تصنیف کردہ ہیں ۔ کپو سوامی مدلیار، ڈاکٹر وردرا جنار دونوں کا یہی خیال ہے ۔ یوپ کی بھی یہی رائے ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ سب شلوک شاید جَین شعرا کے نہ ہوں ۔

ان شلوکوں میں جو مضامین نظم کیے گئے ہیں وہ سب اخلاقیات سے متعلق ہیں اگرچہ کہیں کہیں ہجر و فراق کا ذکر بھی آگیا ہے ۔ ان میں انسانی جسم کی ناپائداری، ترکِ علائق، گزشتہ اعمال کا پھل، صبر کی تلقین، انکساری، سخاوت، قرابت داروں کے ساتھ سلوک، استقلال اور دانشمندی اور دوسرے اخلاقی موضوعات کا بیان ملتا ہے ۔ استعارے اور تشبیہات مقامی رنگ لیے ہوئے ہیں ۔

یہ ترجمہ میں نے براہ راست تامل سے کیا ہے ۔ اس کتاب کی شرحیں بھی دیکھی ہیں اور جہاں کہیں شارحین میں اختلافِ رائے نظر آیا تو ان پر خود غور کیا ہے ۔ اس ترجمہ کے سلسلہ میں ای ۔ را ۔ سبرامنیم پلّے مرحوم دی ۔ ایس سبیا ڈاکٹر دے لکشمی اور ڈاکٹر جو بڑا نے میری بہت ہمت افزائی کی ۔ محترمی حبیب الرحمٰن صدیقی مرحوم نے پہلے 26 شلوکوں کا ترجمہ کو دیکھا اور ان پر نظرثانی کی اور بہت سے مفید مشورے دیے الفاظ، محاورات، تشبیہات اور استعارے، جملوں کی تراکیب غرض ہر طرح والد مرحوم نے ان شلوکوں کے سلسلے میں میری رہبری کی ۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اسی بات کا ہے کہ وہ اس کتاب کے شائع ہونے کی حسرت اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ اگر انھوں نے ہر قدم پر میری ہمت افزائی نہ کی ہوتی تو یہ کام کبھی تکمیل کو نہ پہنچتا ۔

ترجمہ ایک مشکل کام ہے اور یہ کام مشکل ترین اس وقت ہو جاتا ہے جب کسی قدیم معیاری کتاب کا ترجمہ کیا جائے ۔ "تامل زبان سے اردو میں بہت کم کتابیں منتقل ہوئی ہیں ۔" اردو سے تامل "یا" تامل سے اردو" کوئی لغت تک نہیں ہے اس لیے ہر قدم پر مشکلات اور پیچیدگیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے ۔ بہرحال میری یہ محنت کہاں تک پذیرائی کے قابل اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کر سکتے ہیں ۔

(غازی حمید اللہ خاں)

اس کتاب کے ... بند و اشعار کا ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں

جھوٹی دوستی

اے ایسے خوشنما کوہستانی علاقے کے والی! جہاں دوں کی سیاہ چوٹیوں سے دھواں دھار آبشار گرتے ہیں، وہیں لوگ ایسی پرانی اور بوسیدہ چھتوں کے نیچے جہاں بارش کے پانی سے بچاؤ نہیں ہوتا۔ کیچڑ کے چھوٹے چھوٹے بندھ بنا کر اور بارش کا پانی نکال نکال کر بڑی مصیبت سے رہتے ہیں تاوقتیکہ مقصدِ زندگی نہ حاصل ہو جائے۔

●

اے ایسے کوہستانی ملک کے والی! جہاں صاف و شفاف پانی گرتا ہے۔ باوقار آدمیوں سے اخلاص نہایت پسندیدہ چیز ہے اور موسمی بارش کی طرح خاطر خواہ نتائج پیدا کرتا ہے لیکن بے وقار آدمیوں سے دوستانہ تعلقات چاہے بظاہر بہت گہرے ہوں مگر پھر بھی قحط سالی کی بارش کی طرح نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔

●

اصحاب فہم و ادراک سے اخلاص اور ان کی صحبت سے فیض یابی ایک ایسا پسندیدہ کام ہے جیسے جنت کی نعمتوں سے لطف اندوزی جو لوگ فہم و ادراک سے عاری ہیں اور جن کی صحبت نفع رساں نہیں ہے ان سے اختلاط جہنم میں جانے کے برابر ہے۔

●

اے ایسے کوہستانی ملک کے والی! جہاں پہاڑوں کے دامن میں صندل کے درختوں کے گھنے جنگل پھیلے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی دوستی جن میں خلوص نہ ہو ایسی ہے جیسے سوکھی گھاس کے ڈھیر میں آگ جس کے لگتے وقت یہ خیال ہو کہ یہ بڑھے گی مگر جو نہ بڑھے بلکہ وہیں ختم ہو جائے۔

●

جو کام ممکن نہ ہو اس کے لیے یہ کہنا کہ اسے ہم پورا کر دیں گے جو کام ممکن ہوں انھیں کیے بغیر حیلے بہانوں میں وقت گزارنا اور دیر لگانا ایسی حرکت ہے جو ان لوگوں کو روحانی اذیت پہنچاتی ہے

جو ترک دنیا کر چکے ہیں۔

●

چاہے ایک ہی پانی میں پیدا ہوئے ہوں اور ایک ہی ساتھ بڑھے ہوں لیکن چھوٹے کنول کا پھول نیلوفر کے وسعت پذیر پھول کے برابر کبھی نہ ہوگا۔ (اسی طرح) نیک طینت آدمیوں کی صحبت میسر ہونے کے باوجود جو لوگ نیک طینت نہ ہوں گے ان کے اعمال مختلف ہوں گے۔

●

اے کوہستانی ملک کے والی! جہاں ایک نادان اور چھوٹا سا بندر کا بچہ اپنے باپ کے سامنے اگر سیم کی پھلی جیسی اپنی نرم و نازک انگلی اپنے باپ کو چبھا کر اس کے ہاتھ سے چیز چھین لیتا ہے! سچ ہے جن میں یگانگت نہ ہو ان کی دوستی تلخ ہوگی۔

●

مصیبت آنے پر اگر میں اپنے کسی ایک دوست کی مدد کو جلد ہاتھ نہ بڑھاؤں اور اپنی قیمتی جان تک پیش نہ کر دوں تو میں (اس قابل ہوں کہ) اس جگہ چلا جاؤں جہاں اپنے دوست کی منکوحہ کی بے حرمتی کرنے والا جاتا ہے اور یہ وسیع دنیا (اس پر حقارت سے) ہنستی ہے۔

●

ایسے خوشگوار کوہستانی ملک کے والی! جہاں شہد کی نہریں بہتی ہیں جو لوگ نیکی کی قدر کرتے ہیں (ان کی) دوستی ترک کرنے کے بعد کم ظرف آدمیوں کی دوستی (اختیار کرنا) ایسا ہے جیسے کسی برتن سے خالص گھی پھینک کر اس میں نیم کا تیل رکھا جائے۔

●

جو لوگ صورت شکل کے اچھے ہوں مگر جن میں سخاوت نہ ہو تو یہ ایسا ہے جیسے کہ پینے کے لیے رکھے ہوئے (خالص) دودھ میں پانی ملا دیا جائے۔ جو خود سمجھ دار ہیں اگر وہ خراب صحبت اختیار کریں تو یہ ایسا ہے جیسے کہ ایک ناگ ایک مادہ افعی کے ساتھ ناچے۔

دانش مستری

معقول آدمی، دشمن کو ذلیل ہوتا دیکھ کر خود شرمندہ ہو جاتے ہیں اور اس کے سر پر نہیں چڑھ بیٹھتے۔ دیکھو! جب چاند نازک ہلال کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے تو وہ اژدھا جس کی طاقت کا زائل ہونا

محال ہے (اس حالت میں) چاند کے قریب نہیں جاتا۔

●

اے وسیع سمندر کے سرد ساحل کے مالک! مسکینوں کے لیے انکساری ایک خوبصورت زیور ہے لیکن اگر کوئی (تمکنت) میں حد سے بڑھ جائے اور وہ منکسر المزاج نہ ہو تو سارے شہر میں اس کے خاندان (کی برائیوں) کا چرچا ہوگا۔

●

کیلا کے بیج کو کسی بھی زمین میں بوئیں تو (اس سے) ناریل کا درخت کبھی پیدا نہ ہوگا۔ جنوبی علاقہ کے باشندے بھی بہشت میں داخل ہو چکے ہیں۔ عاقبت اپنے اعمال پر منحصر ہے۔ شمال کے علاقہ کے اکثر باشندے ناکارہ ہیں۔

●

موز اگر نیم کے پتوں میں پکا ہو تو بھی اس کی مٹھاس میں کمی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر نیک طینت آدمی پست خاندان کے ہوں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان کی صحبت سے دماغ پر برا اثر پڑے۔

●

بعض اوقات سمندر کے قریب میٹھا پانی نکل آتا ہے اور کبھی پہاڑی چشمے کا پانی بھی نمک سے کھارا ہوتا ہے۔ چنانچہ جو انسان کہلانے کے (مستحق) ہیں محض اپنے خاندان والوں جیسے نہیں ہوتے بلکہ خود اپنی ایک انفرادیت رکھتے ہیں اے بحر مواج کے سرد ساحل کے والی!

●

اے سمندر کے ایسے سرد ساحل کے والی! جہاں ناگیسر کے تناور درخت کثرت سے ہوتے ہیں مستقل مزاج آدمی جب کسی سے مخلصانہ دوستی کرتے ہیں تو وہ پائندار ہوتی ہے کیونکہ مزاج میں تلون ہونا اچھی بات نہیں ہے۔

●

ایسے لوگوں سے تعلق قایم کرنا جو ذہین اور عقل مند ہوں، خوشی کا باعث ہوتا ہے اور ایسے لوگوں سے جن میں ذہانت کا فقدان ہو رابطہ قایم کرنے کے بعد تعلق توڑ نا گویا مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرلینا ہے۔

●

خود کو اچھی حالت میں قایم رکھنے والا، اپنی حالت بدل کر خود کو ذلیل کرنے والا اور اپنی حالت

[redacted]

بدل کر خود کو ذلیل کرنے والا اور اپنی حالت کو بہت بلند کرنے کے بعد قایم رکھنے والا۔ خود کو لوگوں کا سردار بنانے والا۔ خود انسان ہی ہوتا ہے۔

●

ایسے بحر متواج کے پر شور اور سرد ساحل کے والی جہاں زمانہ قدیم سے ساحل کے ساتھ موجوں کے ٹکرانے کی آواز گونجتی رہی ہے اپنے کام کی غرض سے بڑے آدمیوں کا جاہلوں کے پیچھے دوڑنا حماقت نہیں بلکہ عین دانشمندی ہے۔

●

فرائض کی ادائیگی (جائز) خوشیوں سے لطف اندوزی مستحق آدمیوں کے ساتھ فیاضی، اگر اس ایک جہنم میں ان تینوں (امور) کی تکمیل بلا مزاحمت ہو سکے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سفینہ کنارے پر آ لگا۔

●

نادانی

لطیف احساسات کا فقدان (دراصل) افلاس ہے اور ان کا ہونا دولت عظمیٰ۔ اگر غور کرو تو کیا ایک ایسا مخنث جس میں تذکیر کم اور نسائیت زیادہ ہو دیدہ زیب زیورات سے اپنی آرائش نہ کریگا

●

مختلف علوم پارینہ کی تحصیل کا انتہائی ذوق رکھنے والے نہایت بے قدری کی حالت میں اور افلاس زدہ (نظر آتے) ہیں۔ کیا تم جانتے ہو؟ قدیم شرف رکھنے والی علم کی دیوی اگر ساتھ رہے تو دولت کی دیوی آزردہ خاطر ہو جاتی ہے اور قریب تک نہیں آتی۔

●

ایسا شخص جس کے والد نے بچپن میں اسے پڑھنے (لکھنے) کی تاکید کی تھی مگر جس نے اس بات کو قابل توجہ نہ سمجھا اور اسے حقیر جانا اسے جب کچھ لوگوں کے سامنے کوئی شخص بڑے ادب سے تاڑ پتر پیش کرے تو وہ مارے غصہ کے اسے مارنے کو ایک لاٹھی لے کر اٹھ کھڑا ہوگا۔

●

اگر کوئی پڑھے (لکھے) بغیر بڑا ہو جائے اور عالموں کی مجلس میں وہاں خاموش بیٹھا رہے تو وہ ایسا ہے جیسے ایک کتا بیٹھا ہوا ہے۔ اور اگر خاموش رہنے کے بجائے کچھ بول بیٹھے تو وہ ایسا ہے جیسے کتا بھونکے

ذلیل (قسم کے) لوگ، ادنیٰ طبقے کے ادیبوں (کی مجلس میں داخل ہوکر (جس موضوع کا علم نہ ہو اس پر) بول اٹھتے ہیں لیکن عالی نہاد آدمی (جو مختلف علوم پر حاوی ہوں) جس چیز کا علم ہو اس کے متعلق سوال کرنے پر بھی کچھ نہیں بولتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لوگ توجہ نہیں دیں گے۔

●

جو لوگ عالم بھی ہیں اور خطیب بھی وہ خود تو غلطیوں کے ڈر سے منہ نہیں کھولتے، لیکن دوسرے جنھیں کچھ معلومات نہیں وہ فوراً بول اٹھتے ہیں۔ تاڑ کے درخت پر سوکھے پتے آواز پیدا کرتے ہیں۔

●

جو نہیں جانتے کہ اچھائی کسے کہتے ہیں ایسے آدمیوں کو اگر تم نیکی کا راستہ بتاؤ تو یہ ایسا ہے جیسے کسی سور کے کھانے کے برتن میں میٹھے آم کا رس نچوڑا جائے۔ نیک بات کبھی ان کے کانوں میں داخل نہیں ہوگی جیسے اگر لکڑی کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔

●

اگر کوئلے کو دھوکر اسے دنوں بھی سکھایا جائے سب بھی اس کا سفید ہونا ممکن نہیں ہے جن لوگوں نے ریاضت نہ کی ہو ان میں علم کا داخل ہونا ناممکن ہے چاہے انھیں بید امارسا سبق سکھایا جائے۔

●

جن کی فطرت میں سفلہ پن کوٹ کوٹ کر بھرا ہو وہ لوگ اس غلاظت کی خواہش کرنے والی مکھی کی طرح ہیں جو تیز ... اور خوشبودار پھول کو چوسنے کے لیے نہیں جاتی لائق آدمیوں کے منہ سے نکلے ہوئے شیریں الفاظ اور ان کا صاف اور واضح اسلوب بیان ایسے لوگوں کی فہم سے بالاتر ہی ہوتا ہے

●

ایک ادنیٰ قسم کا آدمی ادب اور فنون لطیفہ کی قدیم روایات کا علم خود اپنی صلاحیت کے سبب حاصل نہیں کر پاتا للہ وہ اپنے جیسے اور ہم مذاق لوگوں ... حاصل کرنے اپنی کم حقیقی ... علم تک بنا لیتا ہے۔

●

- - - - - - - - - - - -

زبان اور قواعد

۱۹۷۶

مصنف رشید حسن خاں

صفحات ۵۰۲

قیمت ۱۸/۷۵

مشکور: جس طرح "عادت گیرندہ" کے معنی میں "عادی" کو غیر صحیح کہا گیا تھا، اور اس کی جگہ "معتاد" بولنے کی فرمائش کی گئی تھی، اسی طرح یہ بھی کہا گیا کہ "مشکور" صحیح لفظ نہیں، اس کے بجائے "متشکر" یا "شاکر" کہنا چاہیے۔ مولفینِ قاموس نے لکھا ہے کہ مشکور بہ معنیِ ممنون صحیح نہیں۔ اور اس پر اظہارِ تعجب کیا ہے کہ "ایک واقف کار شخص بھی لکھ گیا ہے"۔ واقف کار شخص سے مراد غالباً مولانا شبلی ہیں؛ ان کا شعر ہے:

آپ کے لطف و کرم سے مجھے انکار نہیں
حلقہ در گوش ہوں، ممنون ہوں، مشکور ہوں میں

مولفینِ آصفیہ و نور بھی اس لفظ سے کچھ خوش نہیں:

"اگر ممنون و مشکور کی بجائے، ممنون شاکر کہیں تو بجا ہے" (آصفیہ)

"اہلِ علم اس معنی میں استعمال نہیں کرتے۔ مشکور، صفت اس شخص کی ہوگی جس نے احسان کیا ہے، نہ اس شخص کی جس پر احسان کیا گیا ہے" (نور)

عربی قواعد کے لحاظ سے لغت نویسوں کا فیصلہ بالکل صحیح ہے، لیکن ایک دوسری زبان اُن قواعد کی پابند کیوں ہو؟ مشکور، بہ معنیِ شکر گزار، آج بھی برابر استعمال ہوتا ہے اور پہلے بھی بے تکلف استعمال کیا گیا ہے۔ مولفِ نور نے لکھا ہے کہ اہلِ علم اس معنی استعمال میں نہیں کرتے؛ "اہلِ علم" ہی میں سے ایک ممتاز فرد کا یہ قول ہے:

"عربی میں "مشکور" اُس کو کہتے ہیں جس کا شکریہ ادا کیا جائے مگر ہماری زبان میں اس کو کہتے ہیں جو کسی کا شکریہ ادا کرے۔ اسی لیے بعض عربی کی قابلیت جتانے والے، اس کو غلط سمجھ کر، صحیح لفظ "شاکر" یا "متشکر"، بولنا چاہتے ہیں، مگر ان کی یہ اصلاح شکریے کے ساتھ واپس کرنا چاہیے"

مولانا سید سلیمان ندوی (نقوش سلیمانی ص ۹۸)

پنڈت دتاتریہ کیفی نے لکھا ہے:

"جب عادی" اور "مشکور" مدتوں سے "عادت گرندہ" اور "احسان مند کے معنی میں استعمال ہو رہے ہیں اور متکلم اور سامع دونوں کا ذہن انہی معنی کی طرف جاتا ہے، تو اب قاموس اور صراح سے فتوا لے کر، ان الفاظ کو اردو سے خارج کرنے میں کیا مصلحت ہے؟" (منثورات ص ۷۴)

اتمامِ حجت کے طور پر دو چار مثالیں بھی پیش کی جاتی ہیں:

رنگ رنگ اطعمہ ہیں بذل پھر اس درجہ وفور　　کیا خداوندی ہے اللہ، خدائی مشکور

میر (کلیات مرتبہ آسی ص ۲۳۷)

آپ کے لطف و کرم سے مجھے انکار نہیں　　حلقہ درگوش ہوں ممنون ہوں، مشکور ہوں میں

شبلی (کلیاتِ نظمِ اردو ص ۱۲۰)

"جو کچھ ہو سکے وہ لکھا کرو اور ممنون و مشکور کیا کرو" امیر مینائی

مکاتیبِ امیر مینائی مرتبۂ احسن اللہ خاں ثاقب، طبعِ دوم ص ۱۷۰)

"ان کے سبب سے میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں، سرسید

(مکاتیبِ سرسید مرتبہ مشتاق حسین ص ۲۷۴)

"آپ کا خط پہنچا، میں ممنون و مشکور ہوا" سید حسن بلگرامی

تاریخِ نثرِ اردو ص ۵۹۸)

"خادم آپ کی عنایتِ بے عنایت کا حد درجہ ممنون و مشکور ہوا" ابوالکلام آزاد

(مرقعِ ادب ص ۴۵)

رشک نے ایک جگہ "شکور" اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

شکرِ خدا کہ عشقِ بتاں میں شکور ہوں
راحت ملی، جو رنج مجھے یار سے ملا

(مجموعۂ دواوینِ رشک ص ۴۹)

"شکور" نام کے طور پر مستعمل ہے، مگر اس معنی میں اس نے رواج نہیں پایا۔

تبصرے

نئی اردو قواعد

مصنف : عصمت جاوید

صفحات : ۳۱۴

قیمت : ۱۷ روپے

اردو میں قواعد نویسی کا انداز بہت ہی روایتی رہا ہے عربی قواعد کے نمونے پر اردو میں قواعد لکھی گئی ہیں۔ حالاں کہ دونوں زبانیں دو الگ الگ لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ عربی کا تعلق سامی خاندان سے ہے اور اردو کا رشتہ آریائی خاندان سے ہے۔ عربی کی اصطلاحیں اردو کے لیے موزوں نہیں۔ مولوی عبدالحق نے اس راہ میں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی "قواعد اردو" اس لحاظ سے ایک نئی پیش کش تھی لیکن اسے بھی پانچ دہائی سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا اور اب یہ قدیم ہونے کے ساتھ روایتی ہو چکی ہے۔ عصمت جاوید نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بڑی محنت اور ریاضت سے نئے طرز پر "نئی قواعد اردو" لکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ قواعد اردو کوئی ایسا فن نہیں جس میں تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہو۔ یہاں اصول و ضابطے کی بات ہوتی ہے۔ حرف و صوت، صرف و نحو، زبان و بیان اور الفاظ کی تشکیل سے بحث ہوتی ہے۔ اردو میں پہلی بار اس نوعیت کی قواعد منظر عام پر آئی ہے جہاں بقول مصنف "اردو میں پہلی بار نئے مباحث ملیں گے۔"

اس کتاب کے ابتدائیہ میں مصنف نے قواعد، اصول قواعد اور روایتی قواعد پر روشنی ڈالی ہے

زبان اور قواعد کے رشتے کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کتاب میں پانچ حصے ہیں۔ حصہ اول میں اردو صوتیے سے بحث کی گئی۔ ہے حصہ دوم میں صرف کے تحت 'اجزائے کلام' اور جنس و تعداد و زمانہ حصہ سوم میں 'نحو' کے تحت جملہ، جملے کی ساخت اور سادہ و جملے کی قسمیں، حصہ چہارم میں مشتقات و مرکبات کے زیر عنوان تشکیل الفاظ سے بحث کی گئی ہے اور آخر میں اردو انگریزی اور انگریزی اردو اصطلاحات کی فہرست دی گئی ہے جو بہت ہی کارآمد ہے۔ اس کے ذریعہ دونوں زبانوں کی قواعد کا تقابلی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ کتاب طلباء اور اسکالر دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہوگی۔ جس باب کا بھی مطالعہ کیا جائے کچھ نئی باتیں ملیں گی اور کچھ نئے گوشے روشن ہوتے ہوئے نظر آئیں گے۔ "اردو صوتیے" کا باب بھی کافی توضیحی ہے۔ اس ضمن میں مصنف نے مصوتہ اور مصمتہ کا جائزہ تفصیل کے ساتھ لیا ہے اور اشکال کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بمصوتہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اردو میں دو نیم مصوتے مستعمل ہیں 'ی' اور 'و' یہ دراصل مسرع مصمتے ہیں لیکن ان کی رکاوٹ اس قدر کم ہوتی ہے کہ مصوتے کے قریب ہو جاتے ہیں اور انہیں نیم مصوتہ کہا جاتا ہے۔"

اور یہ نیم مصوتہ 'ی' کس طرح 'ئے' اور 'یے' بنتی ہے اس کے اصول بھی بتائے گئے ہیں۔

باب چہارم میں جملہ سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"زبان لفظوں سے نہیں بلکہ جملوں سے عبارت ہوتی ہے" اور "کسی زبان کا مطالعہ دراصل اس کے جملوں کا مطالعہ ہے۔" اس باب میں جملہ، جملہ کی ترتیب و تنظیم اس کی ترکیب اور ساخت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ طرز تحریر سائنٹفک ہے موضوع گرچہ خشک ہے لیکن مصنف نے اسے سہل اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے اردو میں یہ پہلی کوشش ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب علمی اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

اشرف صدیقی

سہ ماہی زبان و ادب پٹنہ اپریل تا جون ۱۹۹۴ء

ٹرانسسٹر کے بنیادی اصول

مصنف : سید اقبال حسین رضوی

قیمت : ۱۱ روپے ۲۵ پیسے

ناشر : ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، دہلی۔

ترقی اردو بیورو کی شائع کردہ یہ کتاب اردو میں ایک مفید اور قابل تحسین کوشش ہے۔ اس کتاب میں مصنف سید اقبال حسین رضوی نے ٹرانسسٹر سیٹس تیار کرنے کے بارے میں اہم اور بنیادی باتوں کی معلومات فراہم کی ہیں۔

ٹرانسسٹر کے سرکٹ، ایمپلیفائر، کنڑکٹر، ملٹی وائبریٹر، ڈٹیکٹر اور اس کے اندر کے دوسرے سامانوں کے بارے میں مختلف ابواب قائم کر کے مختصر جانکاری دینے کی کوشش کی ہے۔ یوں تو انگریزی اور دوسری زبانوں میں اس موضوع پر تفصیلی معلومات کی کتابیں ملتی ہیں لیکن ایسے افراد کے لیے جو اردو کے علاوہ اور کسی زبان کی اچھی واقفیت نہیں رکھتے لیکن ٹرانسسٹر مرمت کرنے یا اسے تیار کرنے کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں یہ کتاب کارآمد ثابت ہوگی۔ اور ٹرانسسٹر ٹیکنیشن کے پیشہ میں قدم رکھنے میں ان کی معاون بھی ہو سکتی ہے۔

کتاب کے آخری باب میں ٹرانسسٹر اور ریڈیو میں پیدا ہونے والی عام خرابیوں کو دور کرنے کے بھی کچھ طریقے بتائے گئے ہیں جو بہت مختصر ہیں اس باب کو کچھ اور وسیع کرنا چاہئے تھا۔ آج کل ٹرانسسٹر اور ٹیپ ریکارڈ کا چلن زیادہ ہے۔ یہ کتاب اور بھی کارآمد ہوتی اگر اس میں ٹیپ ریکارڈر سے متعلق بھی اہم اور بنیادی باتیں بتائی جائیں اور اس کی عام خرابیوں کو دور کرنے کی کچھ معلومات دی جاتیں۔

ٹرانسسٹر اور ٹیپ ریکارڈر کو ہینڈل کرنے کے صحیح اور محتاط طریقے اور ٹیپ ٹوٹنے یا پھنسنے کی صورت میں، اسے درست کرنے یا اس طرح کی چھوٹی اور عام خرابیوں کو دور کرنے

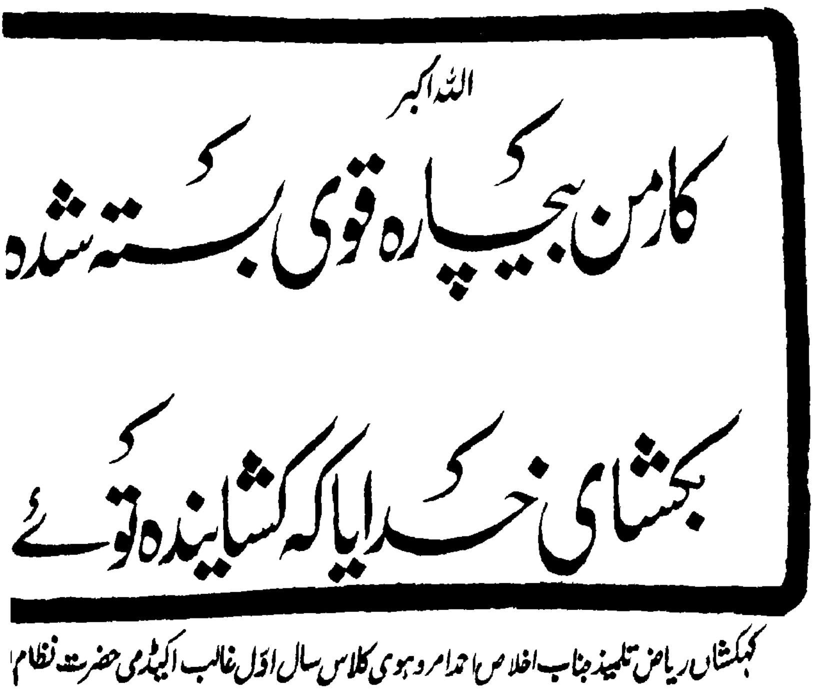
کے بارے میں بھی اگر کچھ باتیں بتا دی جاتیں تو یہ کتاب عام قاریوں میں بھی مقبول ہو سکتی تھی ۔

کتاب ۸/۱ ڈیمائی سائز کے ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب ہے لیکن قیمت زیادہ ہے۔

سید محمد شکیل

سہ ماہی زبان و ادب پٹنہ اپریل تا جون ۸۹ء

کتابت کا ایک نمونہ



کہکشاں ریاض تلمیذ جناب اخلاص احمد امروہوی کلاس سال اوّل غالب اکیڈمی حضرت نظام

پریم چند کی کہانیاں

مرتب : جوگیندر پال

ناشر : ترقی اردو بیورو - ویسٹ بلاک نمبر ۸ آر کے پورم نئی دہلی

صفحات : ۲۴۰ سائز : $\frac{18 \times 22}{8}$

قیمت : دس روپے

منشی پریم چند اردو افسانوی ادب کے ان چند ممتاز افسانہ نگاروں میں ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش ان کے بعد بھی کی جاتی رہی۔ان کے افسانوں کا عمومی موضوع ہندستان کے دیہات اور نچلے طبقے میں پھیلے توہمات تھا۔ ایسے افسانوی ادب کے لیے عام طور پر اصلاحی ادب کی اصطلاح استعمال کی جاتی تھی، لیکن ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کے بعد جس کے پہلے اجلاس کی صدارت خود منشی پریم چند نے کی تھی ان کا قلم طبقاتی کش مکش کا نقیب اور سماجی انقلاب کے لیے صدائے جرس بن گیا۔ اگرچہ انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کے بعد منشی پریم چند کو زندگی کے بہت ہی مختصر لمحات ملے پھر بھی ترقی پسند ادبی تحریک کی پرورش میں پورے شعور کے ساتھ انھوں نے وہ لمحات صرف کر دیئے جس کا اندازہ ان کے آخری زمانے کے ان خطوط سے کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے انجمن کے جنرل سکریٹری سید سجاد ظہیر کو لکھے تھے۔ منشی پریم چند کی زیر نظر منتخب کہانیاں ان کے پورے تحریری سرمایے سے چنی گئی ہیں، اس میں ان کی مشہور کہانی "کفن" بھی شامل ہے جس سے ان کے آخری عمر کے ادبی رویے کی پوری ترجمانی ہو جاتی ہے۔ اور یہی ان کی آخری کہانی بھی ہے جو ان کی وفات کے بعد چھپی۔

۲۱ کہانیوں کے اس انتخاب میں اگر ہر کہانی کا عہد بھی دے دیا جاتا تو ان کے فن کے ارتقا اور ادبی رجحان کے نشیب و فراز کے سمجھنے میں عام پڑھنے والوں کو بھی سہولت ہوتی یہ انتخاب جن کہانیوں پر مشتمل ہے ان کے نام یہ ہیں :

پنچایت، صرف ایک آواز، اندھیرا، دودھ کی قیمت، آہ بیکس، عیدگاہ، دو بیل، بوڑھی کاکی، پنہاری کا کنواں، شطرنج کی بازی، نئی بیوی، ریاست کا دیوان، پوس کی رات، گھاس والی، راہ نجات، بند دروازہ، بے غرض محسن، دو بہنیں، اکسیر، کفن اور نمک کا داروغہ۔

منشی پریم چند کی ایک کامیاب کہانی "شطرنج کی بازی" میں اودھ کی نوابی کے بالکل آخری دور کے لکھنو کے مائل بہ زوال بے حس معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ بے حسی کی انتہا دکھانے کے لیے منشی جی نے ایک غیر واقعاتی معاملے کا سہارا لیا، اگر اس غیر واقعیت کا تعلق تاریخ سے نہ ہوتا تو کھٹک نہ ہوتی "نواب واجد علی شاہ معزول کر دیئے گئے تھے اور فوج انھیں گرفتار کیے لیے جا رہی تھی" واجد علی شاہ کو انگریزی فوج نے نہ گرفتار کیا تھا نہ کہیں لے گئی تھی، وہ خود اپنی مرضی سے معزولی کے کچھ دنوں کے بعد لکھنؤ سے لندن کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔

شروع میں مرتب کا پانچ صفحات کا دیباچہ ہے۔

خبرنامہ اتر پردیش، اردو اکیڈمی

زراعتی جغرافیہ

مصنف : محمد شفیع

صفحات : ۲۳۲

قیمت : ۱۴ روپے ۷۵ پیسے

ناشر : ترقی اردو بیورو، دہلی

ترقی اردو بیورو کے سال ۱۹۸۴ء کی تازہ ترین کتابوں میں سے ایک اہم کتاب "زراعتی جغرافیہ" ہے اس کے مصنف محمد شفیع صاحب ہیں جن کا تعلق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہے۔

زراعتی جغرافیہ پر اردو میں یہ پہلی پہلی کتاب ہے جس کی تصنیف کا شرف انھیں ہی حاصل ہوا ہے بلاشبہ اردو زبان میں اس موضوع پر لکھی گئی مذکورہ کتاب زراعتی جغرافیہ ایک اضافہ ہے اس کتاب میں زراعتی جغرافیہ کے اصول کے تحت زراعتی جغرافیہ کا مفہوم مقصد واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور وہ عناصر طبعی، معاشرتی، سماجی تاریخی جن کا زراعتی جغرافیہ سے گہرا تعلق ہے ان پر نظر ڈالی گئی ہے پھر زراعت کی ابتدا اور ارتقا کا کامیاب جائزہ لیا گیا ہے اور زراعت میں طبعی، اقتصادی، سماجی،

معاشرتی اور تکنیکی عوامل کے اثرات کی جانچ تجزیاتی انداز میں کی گئی ہے جس کے تحت دنیا میں مختلف زراعتی نظام کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس نظام کے وہاں رائج ہونے پر بحث و تنقید بھی کی گئی ہے زرعی اہلیت کے تصور اور اس کے اندازے اس کی پیمائش کے معیار اور زرعی خطوں سے کیا مراد ہے ان کے تعین کے طریقے اور تمام مسائل پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اس کے ماسوا زمین کی درجہ بندی اور قومی زندگی میں ان کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کیونکہ زراعت کے بنیادی اصول میں اس کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

مذکورہ کتاب زراعتی جغرافیہ کا یہ پہلا حصہ ہے جس میں زرعی جغرافیہ کے تمام اصولوں اور نظریوں کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ماسوا اس کتاب میں موضوع کے اعتبار سے اور بھی اہم مضامین شامل ہیں جیسے دنیا میں زمین کے استعمال کے سروے دنیا میں زرعی ثائی پالوجی دنیا میں زرعی پیداوار اور خوراک کی فراہمی دنیا میں خوراک کے نظام کا تحقیقی مطالعہ ان سب کا بھی تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنف نے اپنے دیباچہ میں اس بات کا بھی دعویٰ کیا ہے کہ اردو میں لکھی اس کتاب میں شائع مضامین یکجا طور پر انگریزی میں بھی موجود نہیں ہیں اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف جغرافیہ کے طالب علم بلکہ تمام آبادی اور خوراک کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے تمام لوگوں کے لیے غور و خوض کا مواد فراہم کرے گی۔

سلطان آزاد
عظیم آباد ۔ ایکسپریس، پٹنہ ۔
۳۰ جولائی ۱۹۸۴ء

"ہمارے (بعض) سائنس داں انگریزی کے ذریعہ سے سائنس کی تعلیم کے حامی ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے انگریزی کی تعلیم حاصل کر کے کون سا تیر مارا ہے۔ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے کتنے سائنس داں ہم نے پیدا کیے اور جو گنے چنے سائنس داں اس حیثیت کے مالک ہیں کیا ان کی یہ ترقی اس لیے ممکن ہوئی کہ انہوں نے انگریزی کے ذریعہ تعلیم حاصل کی۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے انگریزی سے نہیں جرمنی سے فیض پایا ہے۔ پھر وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ انگریزی کے بجائے جرمنی میں سائنس کی تعلیم زیادہ مفید رہے ہے۔"

(ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

(ادب اور لسانیات، صفحہ ۱۱۱)

نام کتاب	کامرس کیسے پڑھائیں
مصنف	محمد شریف خاں
صفحات	۱۶۴
قیمت	۱۴/- روپے
ناشر	ترقی اردو بیورو

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اردو میں شعری مجموعوں، ناولوں اور افسانوں وغیرہ پر بہت زور دیا جا رہا ہے یہاں تک کہ اب ہندوستان میں اردو کی بقا کی خاطر اگرچہ بہت ساری اکیڈمیاں بھی قایم ہو چکی ہیں لیکن اس کے باوجود اردو میں سائنسی ادب کا فقدان ہے اردو زبان کی ارتقا اور بقا کی خاطر ہر اردو داں اور اردو ادارے اردو میڈیم اسکول اور کالج کھولنے کے لیے مانگ کرتے ہیں لیکن اردو زبان میں نصابی اور مختلف مضامین وادب کی کتابیں شائع کرنے کی نہ کوشش کرتے ہیں اور نہ اس پر دھیان دیتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ حکومتِ ہند کا ایک فعال اردو ادارہ ترقی اردو بیورو اس کمی کو پورا کرنے کی ہمہ جہت کوشش کر رہا ہے اور اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ واحد سرکاری اردو ادارہ ہے جسے ملک کے اردو ماہروں اور فن کاروں کا تعاون حاصل ہے۔

ترقی اردو بیورو کی طرف سے سائنسی علوم کی کتابیں جغرافیہ، تاریخ، سیاسیات، سماجیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع ہوتی ہیں ان میں سے ایک کتاب بہ نام "کامرس کیسے پڑھائیں؟" زیر نظر بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اس کتاب کے مصنف محمد شریف خاں نے اپنے دیباچہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس موضوع پر اردو میں کتابوں کا فقدان ہے شاید اپنی اردو نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے انھوں نے مذکورہ کتاب لکھی انھوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ ہندوستانی مصنفین میں درس کامرس کی پہلی کتاب انگریزی میں بھی انھوں نے لکھی تھی اور اردو زبان میں بھی پہلی تصنیف کا شرف انھیں ہی حاصل ہو رہا ہے۔

میں ایک
زیر نظر کتاب کامرس کیسے پڑھائیں
طرف کامرس کے تعلیم کے اصول اور عمل اور دوسری طرف کامرس کے مختلف مضامین جیسے کھاتہ نویسی مبادیات، علم تجارت، ٹائپ رائٹنگ مختصر نویسی اور دفتری ضابطوں کی تدریس کے طریقے تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس کتاب کا خصوصی پہلو یہ ہے کہ اس میں بنیادی ہنرمندی بنیادی معلومات فہم اور رویہ کی تدریس کے لیے تفصیل کے طور پر لکھا گیا ہے آخر میں کتاب کے مصنف نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ یہ کتاب بی ایڈ کے طلبا کے لیے مفید ثابت ہوگی ہیں مصنف کی حوصلے کی تائید کرتے ہوئے یہ امید ظاہر کرتا ہوں کہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایسی مفید اور کارآمد ساتھ ہی جاذت نظر کتاب کو اردو داں طلبا کے لیے تمام یونیورسٹیاں ..... نصاب میں شامل کرلیں۔

(سلطان آزاد) عظیم آباد ایکسپریس

نام کتاب	تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری
مصنف	عبدالغنی مدہوش
صفحات	۱۹۲
قیمت	۱۲/۷۵ پیسے
ناشر	ترقی اردو بیورو

زیر نظر "تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری" ترقی اردو بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت ایک اچھی پیشکش ہے اس کتاب کے مصنف عبدالغنی مدہوش صاحب ہیں جو بنیادی طور پر اردو داں اور اردو نواز ہیں تخلص کے اعتبار سے شاعر مگر زیر نظر کتاب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اچھے نثر کار بھی ہیں چونکہ مصنف نفسیات اور ایجوکیشن کے ماہر ہیں، مذکور کتاب انھوں نے بڑی ہی دلچسپی اور دل لگا کر تصنیف کی ہے۔

"تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری" کی تمام راہوں پر چلنے کی تلقین بڑی ہی موثر ڈھنگ سے کی ہے۔ مذکور کتاب میں تعلیم کے دوران رہنمائی اور صلاح کاری کے منازل میں جو بنیادی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ یا جن پر بہت کم نظر پڑتی ہے اسے نفسیاتی ڈھنگ سے سلجھانے اور سمجھانے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں چھ ابواب میں ہر باب میں الگ الگ لیکن تسلسل کے ساتھ مضامین تعلیمی رہنمائی اور صلاح کاری پر پورا پورا زور دیا گیا ہے خاص طور سے رہنمائی کی خدمت ابتدائی مدارس میں رہنمائی ثانوی مدارس میں رہنمائی اور پیشہ ورانہ رہنمائی کے عنوانات سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

غرض یہ ہے کہ یہ کتاب کتابت وطباعت اور موضوع کے اعتبار سے دلچسپ جاذب نظر اور قابل مطالعہ ہے۔

(سلطان آزاد) عظیم آباد ایکسپریس

نام کتاب	ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا حیات اور کارنامے
مصنف	کبیر احمد جائسی (۱۹۸۳ء)
تبصرہ نگار	خلیق انجم
قیمت	۱۲/۰ روپے
ناشر	ترقی اردو بیورو

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی فارسی کے استاد ہیں۔ چونکہ اردو میں کبیر صاحب کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو قدیم اور جدید فارسی ادب کا اپنی اردو تحریروں کے ذریعے تعارف کراتے رہے ہیں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) نے کبیر احمد جائسی کی ایک کتاب "تاریخ ادبیات تاجکستان" چار پانچ سال قبل شائع کی تھی یہ کتاب دراصل برژی بیچکا کی فارسی تصنیف کا ترجمہ تھی۔ جائسی صاحب نے فارسی موضوعات پر کئی اہم مضامین بھی لکھے ہیں۔

فارسی کے جدید ادب میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کا بہت اہم مقام ہے اب تک مختلف موضوعات پر ڈاکٹر صفا کی چالیس کے قریب کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور انھوں نے سیکڑوں کی تعداد میں مقالے بھی لکھے ہیں۔

ڈاکٹر صفا کا نام اردو میں خاصا جانا پہچانا ہے۔ لیکن عام اردو والے صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ڈاکٹر صفا فارسی کے ادیب اور محقق ہیں۔

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کا یہ کام قابل مبارکباد ہے انھوں نے ایک ایسی کتاب لکھی ہے جو مختصر ہونے کے باوجود ڈاکٹر صفا کے سوانح، شخصیت اور ادبی کارناموں کا احاطہ کرتی ہے۔

کتاب کے شروع میں صفا کے مختصر سوانح دیے گئے ہیں پھر موصوف کی اڑتیس تصنیفات اور تالیفات کی فہرست دی گئی ہے۔

کتاب میں دو ابواب اور ہیں پہلے باب میں صفا کی ایک کتاب "حماسہ سرائی در ایران" اور دوسرے میں تاریخ ادبیات در ایران کا اس انداز سے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے کہ صفا کی شخصیت افکار عقائد پر خوب روشنی پڑجاتی ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم۔ (ہماری زبان)

کلیات سودا (جلد دوم)

مرتب : ڈاکٹر محمد حسن

صفحات : ۲۴۰

قیمت : -/۱۳ روپے

ناشر : ترقی اردو بیورو

اردو ادب میں سودا کی پہچان کی ہجونگاری سے ہوتی ہے کیونکہ وہ بنیادی طور پر ہجو نگار تھے ہجو نگار شعرا کی فہرست میں نمایاں ترین نام سودا کا ہی ہے ان کی ہجو نگاری کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی کتاب "اردو ادب میں طنز و مزاح" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ سودا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ظرافت کی طرف ان کا میلان اتنا قوی تھا کہ اگر زمانہ انھیں یہ طریق اختیار کرنے کی دعوت دیتا تو وہ ظرافت کے میدان میں اپنی مثال آپ ہوتے لیکن اگر غور کیا جائے تو در حقیقت سودا کی ساری ظرافت محض ہجو نگاری تک محدود ہے۔

مگر کلیات سودا (جلد دوم) نامی کتاب جو زیر نظر ہے اس میں نہ تو ہجو یات ہے اور نہ غزلیات بلکہ مرثیے اور سلام ہیں (ممکن ہو ہجو یات و غزلیات کلیات سودا کی پہلی جلد میں شامل ہوں) کلیات سودا (جلد دوم) کے مرتب اردو ادب کے جانے پہچانے محقق و ناقد ڈاکٹر محمد حسن صاحب ہیں، جنھوں نے اپنی تحقیقی نظر اور تنقیدی بصیرت سے اس کلیات کو خوب سے خوب تر بنانے میں ہر ممکن کوشش کی ہے۔

سودا کی مرثیہ نگاری کے سلسلے میں یہ بحث رہی ہے کہ انھوں نے مرثیہ نگاری کی ہے۔ یا نہیں اور اگر طبع آزمائی کی ہے تو سودا ہی کے نام سے یا فرضی نام سے؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن نے مقدمہ مرتب کے عنوان سے ایک جگہ لکھا ہے ..... "سودا کی زندگی میں مرتب کیے ہوئے اکثر کلیات مراثی سے خالی ہیں مثلاً نسخہ حبیب گنج اور نسخہ انڈیا آفس میں ایک مرثیہ بھی

شامل نہیں ہے بعض لوگوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ کلیات سودا کے کسی معتبر اور مستند مخطوطے میں ان کے مراثی شامل نہیں ہیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ کئی مخطوطے ایسے ہیں جن میں ان کے مراثی موجود ہیں۔ گو ان مراثی کی تعداد مختلف ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بے جا نہ ہوگا کہ سودا کی مرثیہ نگاری مسلمہ ہے"۔

کلیات سودا (جلد دوم) میں شامل تمام مرثیے اور سلام تین اقسام کے ہیں اول وہ جو عوامی کہے جا سکتے ہیں ان مرثیوں کا لب ولہجہ روزمرہ کی بول چال سے بہت قریب ہے اس میں شامل دکنی، پنجابی، برج بھاشا کے دوہوں اور اشعار سے بہت حد تک معمور ہیں۔ دوسری قسم قصیدہ نما مرثیوں کی ہے جن میں ادبی شان کی جھلک ملتی ہے۔ ان مراثی کو قصیدے کے طرز پر ڈھالا گیا ہے جس کے باعث قصیدوں کی طرح تغزل سے استفادہ کیا گیا ہے تیسری قسم کے مراثی وہ ہیں جن میں سودا نے واقعہ نگاری کو اہمیت دی ہے۔ ان میں واقعات کربلا میں سے کوئی نہ کوئی واقعہ کو چند جزبات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کے باعث واقع کے مختلف مراحل سلسلہ بسلسلہ سامنے آتے ہیں اس دور کی تصنیف کردہ تمام مراثی کی روشنی میں سودا کے مراثی میں واقعہ نگاری کی شان زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کے ماسوا ان کے مراثی میں جگہ جگہ سیرت نگاری کی بھی کامیاب کوشش ملتی ہے۔

مختصر یہ کہ سودا کے مراثی میں تخیل کی پرواز اور انداز بیان کی قدرت کے اعتبار سے سے فنکاری کے نمونے ہیں۔ محاکات، جذبات نگاری، ندرت ادا، تشبیہہ واستعارے کی جدت اور کیفیت کے لحاظ سے ان کے مراثی کی بڑی اہمیت ہے۔

کتاب کی کتابت وطباعت نفیس ہے ایسی عمدہ کتاب کی اشاعت اور کم قیمت کی فراہمی پر ترقی اردو بیورو کی ڈائریکٹر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم مبارکباد کی مستحق ہیں۔

(سلطان آزاد)

نام کتاب : پودوں اور جانوروں کی دنیا مصنف : اطہر پرویز

شائع کردہ : ترقی اردو بورڈ

قیمت : ۲/- روپے

تبصرہ نگار : ڈاکٹر کے۔ بھکدوتسل راؤ (حیدرآباد (اے۔ پی)

سائنس پر اردو زبان میں بہت کم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ دنیا میں شاید ہر ایک منٹ میں ایک پرچہ سائنس کے موضوع پر چھپتا ہے۔ سائنس کی رفتار تیز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادب میں ترقی کے ساتھ رفتار کی بھی ضرورت ہے۔ سائنس کا بھی دخل اردو ادب میں رہا ہے۔ سہل زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دارالترجمہ حیدرآباد نے پچاس سال پہلے کوشش کی ہے۔ پاکستان میں جیمس جینس کی کتابوں کے ترجمے اُردو میں آچکے ہیں۔ ہندوستان میں اندرجیت لال، شاہ نواز، اطہر پرویز و دیگر اصحاب نے کچھ عنوانات پر قلم اٹھایا ہے۔ اس طرح کی کارکردگی ایک مہم ہے۔ نوجوان نسل کے لیے سائنس کا ذخیرہ فراہم ہوجاتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں پودوں اور جانوروں کے حیاتیاتی پہلوؤں کا ذکر ہے۔ زبان سادہ اور پراثر ہے۔ نفیس اندازِ بیان ہے۔ چند تکنیکی معلومات شامل کرنے کی گنجائش ہے۔ اردو زبان سے واقفیت رکھنے والے عام آدمی کے لیے کافی سمجھا جاسکتا ہے۔
صفحہ (۵) پر حیاتیات کا مفہوم اولاً دینا اہم ہے۔ شاخوں کا ذکر بعد میں کیا جاسکتا ہے۔
صفحہ (۶) پر "ترقی کرتی رہتی ہیں" کے بجائے "نموپاتی رہتی ہیں" موزوں ہوتا صفحہ (۷) پر جاندار کی خاصیتیں کی زیادہ وضاحت کی ضرورت تھی۔ صفحہ (۱۰) پر (EMOEBA) کے بجائے ایبا (AMOEBA) ہونا چاہیئے۔ صفحہ (۱۱) پر "پروٹوپلازم" کا ترجمہ اردو میں "تخدمایہ" ہونا چاہیئے۔ معدنی اشیاء نامیاتی وغیرنامیاتی مرکبات کا تناسب دینا ضروری ہے۔ پانی کی مقدار (۹۰٪) بتلا سکتے ہیں۔ صفحہ (۱۲) پر الکٹران مامیکروسکوپک ساخت خلیہ کا خاکہ طور پر دینا اہم ہے۔ صفحہ (۲۹، ۳۰) پر شوکہ کو (SPINE)، خار کو (PRICKLE)، کانٹہ کو (THORN) کہدیں تو ٹھیک ہوگا۔ صفحہ (۴۰) پر FIN کو پنکھ، (SCALES) کو فلس کہا گیا ہے۔ دراصل فن ہی کہنا بہتر ہے۔ (SCALES) کو "چھلکے" کہنا عمدہ ہوگا۔ صفحہ (۴۴) میں رینگنے والے فقری جانور میں کچھوے کی تصویر بھی شامل کریں تو مناسب ہوگا۔ صفحہ (۴۸) میں سانپوں کی تعداد کا ذکر ہے لیکن ہمارے ملک کے چار زہریلے سانپ کا ذکر نہیں ہے۔ (TORTOISE OR TURTLE) ناگ، وائیپر، فورسہ، کریٹ کا تذکرہ ضروری ہے۔
صفحہ ۵۲ پر "میملس" کے بجائے "پستانیے" کہہ سکتے ہیں۔ پروٹوعقیرین پستانیوں کا

کچھ ذکر ضروری ہے۔ دوسری اشاعت میں ان امور پر غور کریں اور ہو سکے تو شامل کریں۔

مصنف قابلِ مبارکباد ہیں۔ ادارہ نے بھی محنت سے اس کتاب کو پیش کیا ہے۔ یحیاتیات کے بنیادی اصولوں کو بتلانے والی کتابوں میں نفیس ہے۔

(بذریعہ ڈاک)

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

عبدالمتین بنارسی تلمیذ جناب اخلاص امروہوی - [illegible] اکیڈمی نئی دہلی

چند اور تبصرے

تبصرہ نگار: فضیل جعفری

۱۔ کتب خانہ داری ۔ ایک تعارف

مصنف : شہاب الدین انصاری

صفحات : (۲۹۴)

قیمت : ۲۴/= روپے

۲۔ ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس

مصنف : اے بی ایم حبیب اللہ

مترجم : مسعود الحق

صفحات : ۴۲۴

قیمت : ۲۵ روپے

۳۔ موجز القانون (عربی)

مصنف : ابوالحسن علی

تلخیص و ترجمہ : کوثر چاند پوری

صفحات : ۴۶۴

قیمت : ۲۶/= روپے

۴۔ بین الاقوامی معشیات

مصنف : چارلس بی کنڈل

مترجم : ڈاکٹر لیاقت علی خان ایم اے

صفحات : ۴۴۷

قیمت : ۲۵/= روپے

ملنے کا پتہ :۔ ترقی اردو بیورو ویسٹ بلاک ۸، آر کے ۔ پورم ۔ نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۶۶

ہندوستان میں اردو کتابوں کی کھپت کا جو حال ہے وہ ہر کس و ناکس پر آشکار ہے ۔ کتابیں خرید کر پڑھنا بلکہ یوں کہیے کہ کتابیں پڑھنا اب اردو کلچر کا کوئی اہم پہلو نہیں رہ گیا لوگ بالگ اب مشاعروں میں اور مشاعروں سے باہر گائی جانے والی غزلوں سے اردو کلچر کی شناخت کرنے لگے

ہیں۔کتابیں آج بھی بہ کثرت شائع ہوتی ہیں لیکن ایک تو یہ کہ ان کتابوں کے متعلقہ شاعر اور ادیب خود اپنے خرچ پر شائع کرتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ آج کل شائع ہونے والی بیشتر کتابوں کا تعلق یا تو شاعری سے ہوتا ہے یا پھر افسانے سے بات یہ ہے کہ جب اردو زبان اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ سرکاری امتحانات کی سطح پر میڈیم کی حیثیت ہی نہیں رکھتی تو پھر مختلف علوم و فنون سے تعلق رکھنے والی کتابیں کوئی کیوں لکھے یا پھر کوئی ادارہ انھیں کیوں لکھوائے اور شائع کرے۔

ترقی اردو بیورو بڑے بجٹ والا ایک بڑا سرکاری ادارہ ہے گزشتہ چند برسوں میں اس ادارہ نے مختلف علوم و فنون سے تعلق رکھنے والی بہت سی کتابیں شائع کی ہیں یہ کتابیں خواہ فوری طور پر زیادہ کارآمد ثابت نہ ہوں لیکن ان کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا زیر تحریر تبصرے میں ترقی اردو بیورو کی جانب سے شائع کردہ ایسی ہی چند کتابوں پر گفتگو کی جائے گی آگے بڑھنے سے پہلے یہ واضح کردوں کہ اس گفتگو کا مقصد کوئی تنقیدی یا تجزیاتی مطالبہ نہ ہو کر صرف یہ ہے کہ عام اردو دان طبقہ ان سے متعارف ہو جائے اور افراد نہ سہی تو کم از کم مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے کتب خانے انھیں خرید کر اپنے یہاں محفوظ کر سکیں۔

سب سے پہلے کتبخانہ داری ایک تعارف "کا ذکر کردوں کا جسے شہاب الدین انصاری نے جون کیٹس کی کتاب

کو سامنے رکھ کر لکھا ہے اور جس میں لائبریری سائنس کے آغاز اس کے ارتقا منازل نیز اس سے وابستہ بہت سے پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

کتب خانوں کا علم ایک باقاعدہ علم ہے جس نے گزشتہ سو برسوں میں مغرب میں تو بہت زیادہ لیکن مشرق میں بھی اچھی خاصی ترقی کی ہے۔ انصاری صاحب نے اس کتاب میں عہد قدیم سے لے کر دور جدید تک کے کتب خانوں کی تاریخ کا مفصل مطالعہ کیا ہے مصر، روم، یونان، اسلامی ممالک چین اور ہندوستان میں کتابوں کے کیسے کیسے اور کہاں کہاں ذخیرے رہے ہیں یہ کتب خانے کب اور کن ہاتھوں پروان چڑھے اور ان میں سے بعد میں کب اور کس طرح تہس نہس ہو گئے وغیرہ

سب ہی باتیں اس کتاب میں ملتی ہیں۔

آگے چل کر کتب خانوں کی مختلف اقسام اور ہر قسم کے کتب خانے کی تنظیم اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے علاوہ ازیں امریکہ برطانیہ اور ہندوستان جیسے ممالک میں کتب خانوں کی اصلاح اور ترقی کی خاطر جو خصوصی کمیشن بٹھائے گئے اور پھر ان کی سفارشات کے مدنظر مرکزی اور صوبائی حکومتوں نے جو قوانین بنائے ان کا ذکر بھی تفصیل سے کیا گیا ہے کتاب کے آخری حصے میں لائبریرین اور دوسرے عہدیداروں کے انفرادی حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا بیان ہے۔

"ہندوستان میں مسلم حکومتوں کی اساس" جناب اے بی ایم حبیب اللہ کی ایک اہم تصنیف ہے جسے مسعود الحق نے انگریزی سے اردو میں منتقل کیا ہے یہ کتاب سترہ ابواب اور چار ضمیموں پر مشتمل ہے اور ۱۲۰۶ء اور ۱۲۹۰ء کے درمیانی عرصے میں ہندوستان میں مسلم حکومتوں کے قیام اور ان کے فروغ کی مفصل اور مستند تاریخ ہے مصنف نے اپنی اس کتاب کے لیے مواد جمع کرنے میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور اس سلسلے میں طبقات ناصری اور تاریخ مبارک شاہی سے لیکر برٹش میوزیم اور دوسرے اہم مراکز میں موجود کتابوں اور مخطوطات سے استفادہ کیا ہے۔

مصنف نے کتاب کے آغاز میں ہندوستان سے عربوں کے قدیم تجارتی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کو موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ برصغیر میں اسلام کا پھیلاؤ بادشاہوں اور حکمرانوں کا نہیں بلکہ صوفیائے کرام کی روشن خیالی کا مرہون منت ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے مختلف ادوار میں ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں اور افسروں کو پیش آنے والے مسائل اقتدار کے لیے ان کی آپسی کشمکش اور سازشیں اور وقتاً فوقتاً ہونے والی مقامی بغاوتوں کا مفصل ذکر کرنے کے علاوہ ہر دور کے معاشرتی اور معاشی نظام کا تذکرہ اور اس پر اپنا تبصرہ پیش کیا ہے۔

تبصراتی اور تجزیاتی انداز بیان نے زیر نظر کتاب کو واقعات کی کھتونی ہونے سے بچا لیا ہے ہر باب کے بعد حوالہ جات کی مفصل فہرست ہے تاکہ علم تاریخ کے ماہرین اساتذہ اور طلبا اگر چاہیں تو کتاب میں شامل واقعات اور شواہد کی خود چھان بین کر سکیں ترجمہ نہایت

ہی سلیس دلچسپ اور شگفتہ ہے

۳۔موجز القانون (اردو) جالینوس ثانی، علاالدین ابوالحسن علی المعروف بہ ابن نفیس کی مشہور عالم عربی کتاب "قانون" کا خلاصہ ہے جسے مشہور اور بزرگ ادیب حکیم کوثر چاند پوری نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

قدیم طب جسے عام طور پر حکمت یونانی کے نام سے جانا جاتا ہے یونان سے عرب اور پھر عرب سے ایران ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا علاج کا یہ طریق کار ہمارے یہاں سینکڑوں سال تک مقبول ترین طریق علاج رہا سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ انگریزی دواؤں کی ترقی نے اور کچھ زندگی کی برق رفتاری نے پچھلی تین چار دھائیوں میں یعنی خصوصاً آزادی کے بعد یونانی طب کو خاصا نقصان پہنچایا یونانی ادویات کو انگریزی ادویات کے مقابل لا کھڑا کرنے کے سلسلے میں ہمدرد دواخانہ (دہلی) نے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ان سے ہر شخص واقف ہے۔ کوثر چاند پوری بھی برسوں سے اسی ادارے سے وابستہ ہیں۔ ہمدرد دواخانہ اور بعض دوسرے اداروں کی کوششوں کے نتیجے میں مرکزی حکومت اور بہت ساری صوبائی حکومتوں نے بھی یونانی اور آیورویدک طریق علاج کو بڑھاوا دینے کا بیڑا اٹھایا ہے اور جگہ جگہ یونانی اور آیورویدک کالج قائم کیئے جارہے ہیں بہتر اور زیادہ سازگار ہوتی ہوئی فضا میں ترقی اردو بیورو کی طرف سے موجز القانون اردو کی اشاعت ایک مستحسن قدم ہے۔ ۴۷۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مختلف اقسام کے جسمانی، دماغی نفسیاتی اور اعصابی امراض کا مفصل ذکر ہے اور پھر موسم آب وہوا، مریضوں کے مزاج اور ان کی عمروں کے اعتبار سے ان امراض کا علاج تجویز کیا گیا ہے یہ کتاب پیشہ ور حکیموں کے علاوہ طبیہ کالجوں کے اساتذہ اور طلبا کے لیے یقیناً نہایت مفید مطلب ثابت ہوگی۔

۴۔بین الاقوامی معاشیات" چالرس پی کنڈل کی مشہور انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے مترجم کا اسم گرامی ڈاکٹر لیاقت علی خان ایم اے ہے یہ کتاب ۲۸ ابواب پر مشتمل ہے سب جانتے ہیں کہ صنعتی انقلاب کے بعد تجارتی نظام میں بے حد اہم تبدیلیاں ہوئی ہیں آج کوئی بڑے سے بڑا صنعتی

ادارہ یا پھر پورا ملک تجارت میں خود مکتفی نہیں ہے۔ بڑے پیمانے پر تجارت کرنا اب ایک پیچیدہ ہمہ جہتی اور بین الاقوامی عمل ہے۔ یہی وجوہ بین الاقوامی معاشیات کا مطالعہ دن بہ دن اہمیت اختیار کرتا چلا جارہا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں تجارت کے تعلق سے پہلے بعض مشہور ماہرین معاشیات مثلاً مارشل ایج ورتھ اور گراہم وغیرہ کے نظریات کا تقابلی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے پھر ترقی یافتہ ترقی پذیر اور پس ماندہ معیشتوں کی موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے معاشی نظام اور معیشت سے منسلک دوسرے اہم پہلوؤں مثلاً نقل وحمل پر لاگت، نظام، قیمت طویل اور مختصر مدتوں کے لیے سرمائے کی فراہمی مدت خرید کے فلسفے وغیرہ سے مفصل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ جدید معاشیات کے پس منظر میں یہ ایک ایسی اہم کتاب ہے جسے ریفرنس کے طور پر بھی استعمال کیا جائیگا اور نصابی کتاب کے طور پر بھی کتاب کا ترجمہ سلیس ہے۔

مندرجہ بالا سبھی کتابیں کتابت طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے عمدہ معیار پیش کرتی ہیں اور سبھی کتابوں کی قیمتیں نہ صرف مناسب بلکہ کم ہیں۔ بلظر

۱۵/ستمبر ۸۴ ۱۹ء

بچوں کی چند نئی کتب

اوڈیسی ۔ ہومر اطہر پرویز ۰۰/۷ روپے

خواجہ میر درد ۔ ظہیر احمد صدیقی ۵۰/۴

اکبر الہ آبادی ۔ صغریٰ مہدی ۵۰/۴

پودوں اور جانوروں کی دنیا۔ اطہر پرویز ۵۰/۲

انوکھی کہانیاں ۔ محمد قاسم صدیقی ۲/۲۵

اردو اکیڈمیاں

اتر پردیش اردو اکیڈمی کی سالانہ رپورٹ

اتر پردیش اردو اکیڈمی کا قیام ۱۹۷۲ میں اتر پردیش سرکار نے اردو زبان وادب کے فروغ، ترقی و تدریج کے لیے کیا تھا اس وقت اس کی سالانہ گرانٹ پانچ لاکھ روپے تھی۔ اکیڈمی کے بڑھتے ہوئے کاموں کے پیش نظر وقتاً فوقتاً حکومت نے اس کی امداد میں اضافہ کیا اور اب اس کی سالانہ گرانٹ بیس لاکھ روپے ہے۔ اتر پردیش اردو اکیڈمی کے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن میں جو اغراض و مقاصد بنائے گئے ہیں وہ مختصر طور سے یہ ہیں، اردو زبان وادب کی بقا و تدریج، اردو میں علمی، ادبی اور بچوں کے ادب کے سلسلے میں کتابیں شائع کرنا، ادبی سائنس اور دوسرے موضوعات پر دوسری زبانوں کی اہم کتابوں کے ترجمے شائع کرنا اردو مصنفین کو ان کی غیر مطبوعہ کتابوں کی اشاعت میں مدد دینا، اردو مصنف کو ان کی کتابوں پر انعام دینا، اردو طالب علموں کو وظائف دینا، اردو کتب و رسائل و اخبارات خریدنے کے لیے کتب خانوں کو امداد دینا، وغیرہ وغیرہ۔

اتر پردیش اردو اکیڈمی نے اپنے قیام سے اب تک جو کام انجام دیے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اشاعت کتب

اتر پردیش اردو اکیڈمی کے اغراض و مقاصد میں ایک خاص مقصد اکیڈمی کے زیر اہتمام مفید اور اہم کتابوں کی اشاعت شامل ہے اس پروگرام کے تحت اکیڈمی مختلف موضوعات پر تقریباً ۴۰۰ کتابیں شائع کر چکی ہے۔ اکیڈمی کی یہ کتابیں اعلیٰ معیار کے علاوہ سستی بھی ہیں۔

اکیڈمی کے جرائد

کتابوں کے علاوہ اکیڈمی ایک ماہنامہ "خبرنامہ" اور ایک دو ماہی علمی، وادبی مجلہ

"اردو اکیڈمی" کے نام سے بھی شائع کرتی ہے جس میں تحقیقی و تنقیدی مضامین ہندو بیرون ہند کے ممتاز شعرا و ادیب کی نگارشات بھی شائع کی جاتی ہیں ۔

اردو طلبا کو وظائف

اردو تعلیم کو فروغ دینے کے لیے اور اردو طلبا کی ہمت افزائی کرنے کے لیے اکیڈمی اپنے بجٹ میں ایک وافر رقم طلبا کو وظائف کے طور پر فراہم کرتی ہے یہ وظائف ایک محدود تعداد میں قابلیت کی بنیاد پر دیے جاتے ہیں وظائف درجہ چھ سے ایم ۔ اے درجات کے طالب علموں کو دیے جاتے ہیں نیز پی ۔ ایچ ۔ ڈی کرنے والے طلبا کو بھی اکیڈمی وظائف دیتی ہے ۔

عوامی کتب خانوں کی امداد

اکیڈمی اترپردیش کے رجسٹرڈ کتب خانوں کو کتب، اخبارات و رسائل خریدنے کے لیے اپنے منظور شدہ قواعد و ضوابط کے تحت سالانہ امداد دیتی ہے یہ امداد پچاس فیصد نقد اور ۵۰ پچاس فیصد کتابوں و رسائل کی شکل میں دی جاتی ہے ۔

مسودات پر مالی امداد

اکیڈمی اترپردیش کے ادیبوں اور شعرا کے مطبوعہ مسودوں کی طباعت کے لیے اپنے قواعد و ضوابط کے مطابق طباعت کے کل اخراجات کا ۷۵ (پچھتر فیصد) تک رقم منظور کرتی ہے ۔

اردو کتابوں پر انعام

اکیڈمی ہر سال مارچ میں سال گذشتہ کے دوران طبع شدہ منتخب کتابوں پر ان کے مصنفین کو انعام دیتی ہے علاوہ ازیں اردو زبان و ادب کی مجموعی خدمات پر بھی دو انعامات دیے جاتے ہیں ان انعامات کے علاوہ اچھی کتابت و طباعت وغیرہ پر بھی اکیڈمی ہر سال انعام دیتی ہے ۔

امداد مصنفین

اکیڈمی اترپردیش کے معمر، بیمار، اور ضرورت مند ادیبوں، شعرا کو ان کے دوا و علاج کے لیے ماہانہ یا یک مشت مالی امداد دیتی ہے امسال سے اکیڈمی نے کاتبوں کو بھی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اکیڈمی کا کتب خانہ

اکیڈمی کے دفتر کی عمارت میں ایک کتبخانہ و دارالمطالعہ بھی ہے جس میں عوام اور بالخصوص اردو ریسرچ اسکالرس کے لیے اردو کی تقریباً تمام اہم کتابیں، کمیاب کتابوں کے مائکروفلم اور مخطوطات وغیرہ جمع کیے گئے ہیں اس وقت اس کتب خانہ میں ہزار کتابیں موجود ہیں۔

اردو کتابت اسکول

کاتبوں کی روز افزوں قلت کے پیش نظر اردو اکیڈمی نے ۱۹۷۷ سے ایک کتابت اسکول قائم کیا ہے اس کے علاوہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام اکیڈمی کے تعاون سے اعظم گڑھ میں بھی کتابت اسکول چلایا جارہا ہے اور عنقریب لکھنؤ میں ایک خواتین کتابت اسکول بھی کھلنے جارہا ہے۔

اردو کوچنگ اسکول اور اردو ٹائپ اسکول

اکیڈمی کے دفتر میں اردو ٹائپ اسکول سال گذشتہ قائم کیا گیا ہے اور خیال یہ ہے کہ اردو ٹائپ سیکھ کر اردو نوجوانوں کو روزگار کے لیے مواقع فراہم ہو سکیں گے

غیر اردو داں طبقہ کے لیے اردو کی تعلیم کا بندوبست کرنے کی غرض سے ایک اردو کوچنگ اسکول ۱۰ اگست ۱۹۸۰ سے قائم کیا گیا ہے جس میں تقریباً ۵۰ طلبا اردو کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی سالانہ رپورٹ کا خلاصہ

عالی جناب صدر محترم اور معزز ارکان اکیڈمی، آپ حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ!
اس سے قبل اکیڈمی کی جنرل کونسل کی میٹنگ ۲۲ جنوری ۱۹۸۴ء کو ہوئی تھی جس میں سال رواں کے بجٹ اور سال گذشتہ کی آڈٹ رپورٹ پیش کی گئی تھی۔ سال رواں میں مالی دشواریوں اور بجٹ میں منظور شدہ رقم کی عدم حصولی کے باعث اب تک بہت سی اسکیموں پر خاطر خواہ کام نہیں ہو سکا کوششیں بہرحال جاری ہیں۔ ارباب حکومت سے ہمارے وفود مل چکے ہیں اور مل رہے ہیں۔

اکیڈمی کے منصوبے کے مطابق ایک معیاری سہ ماہی ادبی جریدہ "روح ادب" کے نام سے اردو عوام کے سامنے پیش کرنے میں کامیابی ہوئی ہے اور اب تک اس کے دو شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں جنھیں ملک گیر سطح پر اردو دوستوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

درسی کتابوں کی اشاعت کی کوششوں میں بھی تھوڑی سی کامیابی حاصل ہوئی ہے مغربی بنگال کونسل آف ہائر سکنڈری ایجوکیشن کے تعاون سے سکنڈری کے لیے "منتخبات اردو" شائع کی گئی ہے۔ ہائر سکنڈری کے لیے پولیٹیکل سائنس، ورلڈ ہسٹری اور مدھیامک کے درجہ نہم و دہم کے لیے الگ الگ لائف سائنس کی کتابیں اس وقت کتابت اور طباعت کے مرحلے سے گذر رہی ہیں۔ علاوہ ازیں اکنامک جغرافیہ برائے ہائر سکنڈری، انڈین ہسٹری برائے ہائر سکنڈری، انڈین ہسٹری برائے مدھیامک، اکانومکس برائے ہائر سکنڈری، فزیکل سائنس برائے مدھیامک کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور امید ہے کہ اکیڈمی جلد ہی ان کتابوں کو بھی شائع کر سکے گی۔

علمی اور ادبی کتابوں کی تیاری و اشاعت ایک بہت ہی اہم اور مشکل کام ہے

ستہ دنوں کی مسلسل کوششوں کے بعد اکیڈمی مندرجہ ذیل مسودات کی تکمیل میں کامیاب
ہے اور اب یہ مسودے کتابت و طباعت کے مرحلے سے گذر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اکیڈمی
ی مطبوعات کو منظر عام پر لا سکے گی۔

پرس پکٹیو	از مجید عبدل
صدائے زنداں (نذر الاسلام کی ۵۰ نظمیں)	
بنگالی شعرا	از نصر غزالی
نساخ سے وحشت تک	از سید لطیف الرحمن
مضامین پرویز شاہدی	از پروفیسر فضیلت پرویز
آغا جو شرف	از کاظم علی خاں
بنگال میں تذکرہ نگار	از ڈاکٹر عبدالمنان
خواتین بنگال کی اردو خدمات	از شانتی رنجن بھٹا چاریہ
مقالات	از اکیڈمی

کتابوں کی اشاعت پر مالی اعانت کے تحت سال رواں میں کوئی کتاب منظر عام پر
آسکی آئندہ کے لیے درج ذیل کتابوں پر مالی اعانت دینا منظور کیا گیا ہے ۔ ان
ں کی ۵۰۰ جلدوں کے اشاعتی اخراجات کا ۷۰ فیصد اکیڈمی دے گی۔

نقش بر آب	از فیروز عابد
وہ جو تاریک راہوں میں مارے گئے	از سجاد نظر
شاخ زیتون	از حامی گورکھپوری
غواص بن داد شخصیت	از فیروز اختر
صغیر بلگرامی بحیثیت غزل گو	از ڈاکٹر ظفر اگانوی
مثنوی کلیان سنگھ	از ڈاکٹر منصور عالم
حسن و عشق	از شیخ نور بخش
شیشے کا گلستاں	از ارمان شام نگوی
نصیبوں والا	از ایس ضیا الدین
معصوم کرنیں	از حشمت کمال پاشا

۱۱۔ درخت کی گواہی — از نذیر احمد یوسفی

۱۲۔ عمل سائنس — از محمد موسیٰ

بنگال میں اردو تاریخ کی تیاری اور اشاعت کا کام تیزی سے جاری ہے۔ شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے بنگال میں اردو صحافت کی تاریخ کا مسودہ تیار کر کے اکیڈمی میں جمع کر دیا ہے بقیہ مسودے بھی جلد ہی ملنے کی توقع ہے۔

گزشتہ نشست میں اطلاع دی گئی تھی کہ بنگلہ اردو ڈکشنری کی تیاری کے لیے جناب اعزاز افضل پراجکٹ رپورٹ تیار کر رہے ہیں لیکن اپنی مصروفیت کی بنا پر وہ اسے تیار نہیں کر سکے۔ گورننگ باڈی کی گذارش پر سکریٹری، اردو اکیڈمی نے ایک پراجکٹ رپورٹ تیار کی جس کی منظوری کے بعد بنگلہ اردو ڈکشنری کی تیاری کا کام تیزی سے ہو رہا ہے اور جناب فیصر شمیم، سمیع اللہ اسد، شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ اور جناب مصطفےٰ ناشاد نند ہی کے ساتھ کام کر رہے ہیں ان حضرات سمیت چیرمین اور سکریٹری پر مشتمل ایک بورڈ آف ایڈیٹرس کی تشکیل کی گئی ہے۔

ترقی اردو بورڈ کے تعاون سے "ہندوستان میں اردو" (مغربی بنگال) کے مسودے کی تیاری مکمل ہو چکی ہے جسے ڈاکٹر عبدالمنان نے تیار کیا ہے امید ہے کہ یہ کتاب بھی ترقی اردو بورڈ، دہلی کے زیر اہتمام منظر عام پر آ جائے گی۔

بہت دنوں کی مسلسل کوشش کے بعد ہمیں رفیق تحقیق (ریسرچ فیلوشپ) کی اسکیم تیار کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس وقت دو "رفیق تحقیق" محترمہ یاسمین اختر اور محترمہ شبانہ نسرین "اردو کی ترویج و اشاعت میں بنگال کے دینی مدارس کا حصہ" اور "دبستان نساخ کی ادبی و تاریخی اہمیت" پر مولانا معصومی اور جناب سالک لکھنوی کی نگرانی میں بالترتیب کام کر رہی ہیں

غیر اردو داں حضرات کے درمیان اردو کی مقبولیت بڑھانے اور انھیں اردو زبان سکھانے کے لیے اردو کلاس شری شانتی رنجن بھٹاچاریہ اور جناب مصطفےٰ ناشاد کے زیر ترتیب جاری ہے۔

اردو ٹائپ رائٹنگ کی تربیت کے لیے ایک مرکز، اکاڈمی کے دفتر میں کھولا گیا ہے

جس کے لیے چھ اردو ٹائپ رائٹر مشینیں خریدی گئی تھیں اردو دو جز وقتی ٹرینر مقرر کیے گئے ہیں جو ۲۶ طلبا کو تربیت دے رہے ہیں امید ہے کہ اردو ٹائپ رائیٹنگ ٹریننگ مرکز کے موجودہ طلبا دسمبر ۸۴ تک اپنی تربیت مکمل کر لیں گے اور آئندہ جنوری سے دوسرا سیشن شروع ہوگا۔

ریاست مغربی بنگال کے سابق گورنر بی ڈی پانڈے کی پیش کش پر اکیڈمی نے خطاطی ایوارڈ کی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد کل ہند سطح پر اخبارات میں اعلان شائع کیا تھا جس پر جوابات موصول ہوئے ہیں لیکن فیصد اب تک نہیں کیا جا سکا ہے۔

اردو لائبریری کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے جگہ کی تنگی اور مالی دشواریوں کے باوجود سال رواں میں لائبریری میں ۵۰۶ کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۹۸۳ کے لیے اردو کتابوں پر انعامات کا اعلان حال ہی میں ہوا ہے اور جن کتابوں پر مصنفوں اور ناشروں کو انعامات دیے گئے ہیں ان کی فہرست منسلک ہے۔

اردو اکیڈمی کے پروقار پرویز شاہدی اور مولانا ملیح آبادی ایوارڈ میں ۱۹۸۳ کا فیصلہ ملک بھر کے دانشوروں کی کثرت آرا کی روشنی میں مولانا سید احمد اکبر آبادی اور جناب مالک لکھنوی کے حق میں کیا جا چکا ہے ایوارڈس کی تقسیم عنقریب کسی تقریب میں کی جائے گی۔

کتابت اور صحافت کے تربیتی مراکز کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ گذشتہ سیشن کے خاتمے کے بعد نئے سیشن کا آغاز کیا جا چکا ہے۔

اردو کے ضرورت مند ادبا، شعرا، اساتذہ اور دیگر حضرات اور ان کے لواحقین کو مالی امداد دینے کا کام حسب روایت جاری ہے۔

اردو لائبریریوں کو کتابیں گرانٹ کرنے کا سلسلہ حسب روایت جاری ہے۔ کتابوں کی عدم دستیابی اور مالی دشواری کی بنا پر ۸۴ - ۸۳ ۱۹ میں لائبریریوں کو گرانٹ نہیں دیا جا سکا تھا۔ ۸۵ - ۸۴ ۱۹ کے لیے درخواستیں طلب کی گئی ہیں۔ ۱۱۵ درخواستوں کی جانچ پڑتال جاری ہے اور جلد ہی فیصلہ کر لیا جائے گا۔

طلبا کو وظائف دینے کا سلسلہ جاری ہے ۱۹۸۴ ایل۔ لب وارجہ ششم کے کے طلبا کو وظائف دیے گئے ہیں۔ ایم اے، بی۔ اے اور ہائر سکنڈری کے طلبا

سے درخواستیں طلب کی گئی ہیں ۔

ریاست مغربی بنگال مختلف شہروں میں اردو کی مقبولیت بڑھانے اور اردو ڈراموں کو فروغ دینے کے لیے آسنسول ، اسلام پور ، پرولیا ، اور کلکتہ میں ڈرامے منعقد کرنے کے انتظامات کیئے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مختلف ڈرا گروپ سے بات چیت کی گئی ہے اور جلد ہی ہم مندرجہ ذیل ڈرامے عوام کے سامنے پیش کرسکیں گے ۔

۱ ۔ گرداب	از کمال احمد	آسنسول
۲ ۔ آخری موڑ	از ظہیر انور	اسلام پور
۳ ۔ صدا بہ صحرا	از صدیق عالم	پرولیا
۴ ۔ بلیسہ	از یوتھ آرٹس	کلکتہ

محمد فخرالدین
سکریٹری

مغربی بنگال اردو اکیڈمی کا اعلان انعامات

۱۹۸۳ کی مطبوعات پر مغربی بنگال اردو اکیڈمی کے انعامات کے اعلان کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

(الف) ادبی کتابوں کی اشاعت پر مندرجہ ذیل ناشروں کو انعامات دیے گئے ہیں ۔

۱ ۔ موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی	۱۰۰۰ روپے
۲ ۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی	۱۰۰۰ روپے
۳ ۔ نکھار پبلی کیشنز مئو ناتھ بھنجن	۵۰۰ روپے
۴ ۔ مکتبہ پیام تعلیم	۵۰۰ روپے

(ب) بہترین طباعت پر ۵۰۰ روپے کے انعامات درج ذیل ناشرین کو دیے گئے ۔

۱ ۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی کو "کہانی کے پانچ رنگ از شمیم حنفی" کی طباعت پر ۔

۲ ۔ موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی کو "گوپال مِتّل فن اور شخصیت" کی طباعت پر ۔

(الف) مغربی بنگال کے مصنفین ۔

مندرجہ ذیل دو کتابوں پر ۱۵۰۰ روپے کے انعامات منظور کئے گئے ہیں۔

۱۔ تحقیق و تنقید از جاوید نہال ۲۔ تحقیق و تدقیق از مشتاق احمد

(ب) کل ہند کے مصنفین۔

(۱) ۳۰۰۰ روپے کا انعام ڈاکٹر رضیہ حمید بھوپال کو ان کی کتاب "نواب صدیق حسین خاں" پر دیا گیا۔

(۲) ۲۰۰۰ روپے کے انعامات مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنفین کو دیئے گئے۔

۱۔ یوسف زلیخا از ڈاکٹر سیدہ جعفر (حیدرآباد)

۲۔ بچوں کا آرٹ اور اس کی تدریس از عبدالحق (نئی دہلی)

۳۔ سب رس کی تنقید و تدوین از ڈاکٹر حمیرہ جلیلی (حیدرآباد)

(۳) ۱۵۰۰ روپے کے انعامات مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنفین کو دیے گئے۔

۱۔ تنقیدی مضامین از ڈاکٹر محمد اکرم خان (نئی دہلی)

۲۔ الفاظ کا مزاج از غلام ربانی (حیدرآباد) ۳۔ آواز اور آدمی از مغنی تبسم (حیدرآباد)

۴۔ گرتی دیواریں از اوپندر ناتھ اشک (الہ آباد) ۵۔ اصول و افکار و آثار علی قلی خان والی داغستان از ڈاکٹر عبدالغفار انصاری (بھاگلپوری) ۶۔ معویت کی تلاش از عنوان چشتی (نئی دہلی)

(۴) ۵۰۰ روپے کے انعامات مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنفین کو دیے گئے۔

۱۔ مقالات چکبست از کالی داس گپتا رضا (بمبئی) ۲۔ مرزا کلب حسین بہادر نادر حیات و خدمات از معز قیصر (لکھنؤ) ۳۔ خاکے اور لکیریں از نازش پرتاپ گڑھی (پرتاپ گڑھ)

۴۔ غبار کارواں از رضا انیس قدوائی (دہلی) ۵۔ شہرستان واہی از رضا انیس قدوائی (پٹنہ)

۶۔ تلوک چند محروم حیات و شاعری از ڈاکٹر ایم یوسف انصاری (کامپٹی) ۷۔ شہد از والی آسی (لکھنؤ)

۸۔ کینواس کا صحرا از دیویندر اسر (دہلی) ۹۔ گولڈن جوبلی از کلام حیدری (گیا)

۱۰۔ نادید از جوگندر پال (نئی دہلی) ۱۱۔ از بلراج حیرت (نئی دہلی) ۱۲۔ مسائل و مباحث از ڈاکٹر نجم الہدیٰ (مدراس) ۱۳۔ بات بیں گھات از فکر تونسوی۔ ۱۴۔ اجالا از رحمت امروہوی (احمد آباد) ۱۵۔ جدید شاعری کی ابجد از سلیم شہزاد (مالیگاؤں)

۱۶۔ بانس کے جنگلوں سے گزرتی ہوا از مخمور سعیدی (دہلی) ۱۷۔ تذکرہ شعرا ہریانہ از رانا گنوری (ہریانہ) ۱۸۔ زندہ کتبے از فیاض علی عروج زیدی (رامپور)۔

۱۹۔ لے سانس بھی آہستہ از شاہد احمد شعیب (گیا)

چند خطوط

گرامی قدر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم زاد الطافہا

سلام مسنون!

مزاج مبارک جریدہ علمیہ **اردو دنیا** پہونچا۔ اس کی آمد سے حیرت اور اس کے مطالعہ سے مسرت ہوئی۔ ترقی اردو بیورو نئی دہلی بلا شبہ اردو کی اساسی اور ارتقائی اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ خصوصاً اس عہد میں کہ اردو کی سرپرستی رسمی اور سیاسی حیثیت رکھتی ہے لیکن اردو دنیا کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی کا نقطۂ نظر اردو خدمات کے یے حقیقی اور جامع ہے۔ مشغلۂ **خطاطی** بنیادی قدروں کا ترجمان ہے اور مخطوطات کی اشاعت ارتقائی قدروں کی حامل ہے۔ موجودہ نازک حالات میں اردو کی یہ اہم خدمات لائق ستائش ہیں۔ جو آپ کی سرپرستی میں بروئے کار آ رہی ہیں۔ اور آپ کے علمی ذوق اور دلی لگن کی ترجمان بھی ہیں، اللہ پاک آپ کو اجر جزیل عنایت فرمائے۔ آمین

اردو دنیا کے مطالعہ سے میری معلومات میں اضافہ ہوا، اور دلی مسرت حاصل ہوئی۔ مطبوعات کے دیکھنے کا بھی اشتیاق ہے۔ اگر ناتوانی نے مہلت دی تو انشاء اللہ حاضر ہوں گا اور اس علمی ذخیرے کے معائنے سے لطف اندوز ہوں گا۔ میں آپ کی اور آپ کے معاونین کی ان علمی خدمات کا معترف بھی ہوں اور شکر گذار بھی۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور بھی زیادہ۔

متوقع ہوں کہ **خطاطی** مراکز کے قیام کی مثل ابتدائی مدارس و مکاتب میں اردو خواندگی کے اجرا کی طرف ترقی اردو بیورو توجہ کرے گا۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ پاک آپ کی سرپرستی کو برقرار رکھے۔ آپ کی خدمات کو قبولیت نصیب ہو اور اللہ پاک آپ کی عمر میں برکت عنایت فرمائے اور آپ سے اردو کی احسن خدمات سر انجام ہوں۔

والسلام

نیازمند

اخلاق حسین دہلوی۔ لال محل

بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳

مجی شیخ سلیم احمد صاحب تسلیم

گھر آکر "اردو دنیا" پڑھا، آپ نے ازراہ کرم "ترقی اردو بیورو میں مشاہیر کی آمد" کے تحت میرا بھی ذکر فرمایا ہے، یہ آپ لوگوں کی عنایت ہے، ورنہ مشاہیر میں میرا کہاں گذر! بہرحال اس کے لیے شکر گذار ہوں ۔

آپ کا یہ سہ ماہی رسالہ اس لحاظ سے بہت مفید ہے کہ اس سے ترقی اردو بیورو کی علمی و ادبی سرگرمیوں اور خدمات کے بارے میں بہت مفید معلومات مل جاتی ہیں، کیا اس کی افادیت میں اضافے کے لیے، مجلس ادارت کے علاوہ، دوسرے اہل قلم سے تعاون لیا جا سکتا ہے ؟ اگر اس کی گنجائش ہو تو کچھ نئے گوشوں کا اضافہ کیجئے ۔

" اردو دنیا کی منتخب خبریں" اور " وفیات" دونوں مفید اور ضروری کالم ہیں " وفیات" کے سلسلے میں میری رائے ہے کہ متوفی ادیبوں کی تاریخ وفات ضرور دی جائے اور اگر آسانی سے تاریخ پیدائش مل جائے تو اس کا بھی اضافہ کر دیا جائے ۔

آپ کا

عبداللطیف اعظمی بٹلہ ہاؤس۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ صاحبہ سلام مسنون

اس مرتبہ کے اردو دنیا کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ۔ اور اس تعریف کے سچے حق دار آپ لوگ ہیں ۔ مجھے مواد سے زیادہ اس کی طباعت پسند آئی ۔ ورنہ بعض رسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے سے قبل آنکھیں بوجھل ہو جاتی ہیں ۔

بیورو کی شائع کردہ مختلف تصانیف کا انداز الوکھا اور دل موہ لینے والا ہے ۔ فرہنگ اصطلاحات پر جو کام ہو رہا ہے ۔ وہ حوصلہ افزا ہے ۔ مجھے جو بات سب سے زیادہ پسند آئی وہ یہ کہ آپ نے فاضل اور بے کار جگہ کا جائز استعمال کیا ہے ۔ اور اچھا خاصہ اخلاقی درس دیا ہے ۔ مثلاً

موت کا ایک دن مقرر ہے ۔ سامنے بڑھاپا اور ایسی ضعیفی ہے جو نفرت کا باعث ہوتا ہے، پیچھے بیماری ہے ۔ جو غرور کا سر نیچا کرتی ہے ۔ لہٰذا فضولیات میں نہ پڑے رہو، دولت کو پکڑ کر نہ بیٹھے رہو بلکہ جب تمہارے پاس مال و دولت ہو تو اس میں دوسروں کو بھی محروم نہ کرو ۔

مخلص: سید نظام الدین احمد ہاشمی، ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ۔
مجگوری ۔ گلبرگہ

مکرمہ۔ تسلیم!

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی کا خبرنامہ "اردو دنیا" بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ ناچیز کی یادآوری کا شکریہ۔ خبرنامہ میری نظر سے پہلی مرتبہ گزرا، کتابت وطباعت خوب ہے۔ مجلّہ دیکھ کر اس بات کا احساس ہوا کہ آپ حضرات بڑی لگن کے ساتھ اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں اور وہ بھی ایک ایسے دور میں جب کہ علم وادب کی قیمت گرتی جا رہی ہے۔ آپ کے بیورو کے ساڑھے چار سو سے زائد مطبوعات اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ مشہور غیر ملکی کتابوں کا ترجمہ مثلاً شعریات، اوڈیسی بادشاہ وغیرہ سے اردو داں حضرات مستفیض ہوں گے۔ اس کے علاوہ اردو انسائیکلوپیڈیا اور اصطلاحات سازی پر اگر کام تکمیل تک پہونچ جائے تو بے شک یہ تاریخی کام ہوگا، اسی طرح حیاتِ جاوید کو شائع کر کے آپ نے گراں قدر ادبی سرمایہ کو ختم ہونے سے بچا لیا ہے۔

امید ہے کہ آپ مجھے اپنے خبرنامے سے نوازتی رہیں گی۔ میرے والد صاحب قبلہ (پروفیسر فخرالدین صدیقی اثر) کو بھی ایک کاپی موصول ہوئی ہے۔

خاکسار

شمس عفیف صدیقی

۱۷۔ چھاتو بابو لین۔ کلکتہ ۱۴۔

محترمہ فہمیدہ بیگم صاحبہ۔ سلام مسنون

اردو دنیا نمبر ۱۱ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔ اب پچھلے ایک سال سے یہ رسالہ پابندی سے مل رہا ہے۔ اس میں جو تبدیلی آئی ہے وہ نمایاں ہے۔ معیار کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ میں پورا رسالہ بغور پڑھتی ہوں اور ایمانداری سے کہتی ہوں کہ میرے لیے اس میں بہت معلومات ہوتی ہیں۔ ہر صفحہ آراستہ ہے۔ اردو میں تو اب کوئی علمی رسالہ نکلتا ہی نہیں ہے۔ اس رسالہ کو اگر ماہنامہ نکالا جائے تو اچھا ہے۔

اس کامیابی کے لیے مبارکباد۔

اردو دنیا کے اگلے شمارہ کا بےچینی سے انتظار ہے۔

آپ کی بہن۔

رشیدہ خاتون آر کے۔ پورم۔ نئی دہلی۔

مکرمی و محترمی ڈائریکٹر، ترقی اردو بیورو

آپ کا اشتہار مورخہ ۳۱/۷/۸۴ کو "سیاست جدید" کانپور میں نظر سے گذرا۔ چند اہم منصوبے اور نئے پروگرام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس کے لیے میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ضروری تحریر یہ ہے کہ میں چند چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ اردو کتابوں کی ببلیوگرافی۔

۲۔ اردو اداروں کی ڈائرکٹری یہ کب تک تیار ہو رہی ہے اس کی کچھ تفصیلات بتائیں تو اچھا رہے گا۔

۳۔ ترقی اردو بیورو کی سرگرمیوں سے واقفیت کرنے کے لیے آپ ہمیں اردو دنیا ہر ماہ بھیجا کریں۔ اور نیا تحقیقی رسالہ بھی بھیجئے گا اس کے علاوہ ایک مشورہ ہے کہ مطبوعات کی نمائش کانپور میں لگائیں۔ بہرحال آپ کا منصوبہ اور سرگرمیاں لائقِ تعریف ہیں۔

۴۔ فہرست کتب بھی ارسال کردیں۔

منتظر جواب۔ خورشید عالم

گرامی قدر محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم صاحبہ! ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۶۶

تسلیم

آج اچانک آپ کی زیر نظامت طبع شدہ یہ رسالہ نظر کے سامنے آگیا محوِ حیرت ہوں کہ میرا اور ادارے کا پتہ آپ تک کیسے پہنچا۔ بحرحال! یادآوری کا بے حد شکریہ!

اردو زبان کی ترویج و ترقی میں آپ کا ادارہ کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ "اردو دنیا" میں چند کتابوں کی معلومات پڑھ کر دل باغ باغ ہوا اور میرے دل کی آواز کہتی ہے کہ میں ایسی کتب کو ضرور پڑھوں۔ مذکورہ ادارے کے تحت ایک پبلک لائبریری کے قیام کی تجویز کے لیے تمام بنیادی باتوں کی منظوری حاصل کرچکا ہوں محض چیئرمین کمشنر صاحب سے اجازت کی دیر ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو ضلع میں ہم پہلی بار خطاطی کا مرکز کھولنے کی بھی پوری کوشش کریں گے۔ جہاں تک انفرادی طور پر اردو کی خدمت کا سوال ہے

میری نظر میں ایک عمومی قاری کی بڑی خدمت تو یہی ہے کہ وہ اردو ادب کی ہر سمت میں طبع ہونے والی کتابوں کو خود خرید کر پڑھے اور اردو کی ترقی میں عملی طور پر بھی حصہ لیتا ہے۔

جناب ابوالفیض سحر، اور شیخ سلیم احمد صاحب قابل مبارکباد ہیں، جن کی زیر ادارت ایسا خوبصورت اور خشک موزوں ہر ترتیب وتدوین کا کام رفتہ رفتہ آگے بڑھتا رہا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ بیورو کی زیر نگرانی شائع شدہ کتب کی ایک فہرست ضرور روانہ کریں تاکہ ادارے کو اجازت ملتے ہی لائبریری کے لیے جو کتب خریدی جائیں ان میں بیورو کی کتب بھی شامل ہوں۔ دیگر یہ بات معلوم نہ ہو سکی کہ کتب منگوانے کی صورت میں ڈاک کا خرچ کا معاملہ خریدار کی جانب ہوتا ہے یا بیورو برداشت کرتا ہے یہ ضرور لکھیں کم از کم "بچوں کے ادب" سے تعلق رکھنے والی کتب کی فہرست تو ضرور ہی روانہ فرمائیں نوازش ہو گی۔

والسلام

آپ کا

عطاء اللہ شیخ ۔ سیکریٹری ۔ ملک پور

ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی ۔ بمبئی

ہمشیرہ محترمہ عالی قدر ڈاکٹر فہمیدہ بیگم صاحبہ زید علمہٗ وقدرہٗ

سلام ونیاز

"اردو دنیا"، کے تین شمارے ارسال فرمانے پر تہہ دل سے ممنون ہوں۔ اردو دنیا کا مطالعہ نعمتِ عظمیٰ ہے۔

جس محنت وکاوش سے آپ دردمند افراد اردو کی خدمت انجام دے رہے ہیں اللہ رب العزت اس کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین۔

محمد رضی الدین معظم

چند اہم معلومات

روزگار سماچار

روزگار سماچار وزارت اطلاعات ونشریات کے شعبہ پبلی کیشن ڈویژن سے شائع ہونے والا یہ اردو ہفت روزہ اخبار ہے جس میں ملازمتوں سے متعلق سرکاری نیم سرکاری، اور حکومت کے خود مختار اداروں کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔ یہ واحد ہفت روزہ ہے جس میں اتنے وسیع پیمانے پر خالی اسامیوں کی اطلاع ہوتی ہے اس ہفت روزہ میں روزگار سے متعلق مفید اور معلوماتی مضامین اور رپورٹس بھی شائع ہوتی ہیں اردو داں حضرات کو اس اخبار سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ ان کی آسانی کے لیے ہم اس رسالہ کا پتہ ذیل میں شائع کر رہے ہیں۔

روزگار سماچار
ایسٹ بلاک ۴۔ لیول۔ ۷، آر۔ کے۔ پورم
نئی دلی۔ ۱۱۰۰۶۶

سائنس کی دنیا

سائنس کی دنیا کونسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کا سہ ماہی جریدہ ہے جو پچھلے آٹھ سال سے شائع ہو رہا ہے۔ اردو کا یہ واحد سائنسی رسالہ ہے جو کسی سرکاری ادارہ سے شائع ہوتا ہے۔ سائنس کے موضوعات پر اس میں مفید مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اردو داں حضرات بھی اس رسالہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ رسالہ کا چندہ بھی برائے نام ہے۔ مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

سائنس کی دنیا
اردو سہ ماہی دسی۔ ایس۔ آئی۔ آر، ہل سائیڈ روڈ
نئی دلی ۱۱۰۰۱۲

اردو ٹائپ رائٹر

یہ بات باعث مسرت ہے کہ اب اردو ٹائپ رائٹر ہندوستان میں بھی مہیا ہونے لگے ہیں ضرورتمند ادارے یا افراد یہ ٹائپ رائٹر حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں یہ ٹائپ رائٹر گودریج کمپنی نے بنایا ہے۔ کاروباری معلومات اس کمپنی کے کسی بھی آفس سے حاصل کی جا سکتی ہیں گودریج کمپنی کا ہیڈ آفس بمبئی میں ہے اور ہر بڑے شہر میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔

اردو دنیا کی اہم جھلکیاں

پٹنہ میں اردو بھون

۱۵ر جولائی ۱۹۸۴ء کو پٹنہ میں بہار کے وزیر اعلیٰ جناب چندر شیکھر سنگھ نے "اردو بھون" کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر اردو کے ممتاز شاعر و ادیب موجود تھے۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ کام کرنے پر یقین رکھتے ہیں انھوں نے یقین دلایا اردو بھون ۸۶-۱۹۸۵ء تک بن کر تیار ہو جائیگا انھوں نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ بہار کے جن اضلاع میں ساڑھے سات فیصد اردو بولنے والے ہیں وہاں دفتروں میں اردو کا چلن سرکاری طور پر ہوگا۔ اس موقع پر بہار اردو اکیڈمی کے نائب صدر جناب سید شہاب الدین دسنوی اور بہار انجمن ترقی اردو کے صدر جناب عبدالمغنی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اتر پردیش اردو اکیڈمی میں انڈیا آفس لائبریری لندن کے مخطوطات

یہ خبر اہل علم حضرات کے لیے مسرت کا باعث ہوگی کہ اتر پردیش اردو اکیڈمی لکھنؤ کی مرکزی لائبریری میں انڈیا آفس لائبریری لندن سے اردو مخطوطات کے مائیکرو فلمس محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ اسکالرس کے استفادہ کے لیے مائکرو فلم ریڈر کا بھی انتظام ہے۔ اکیڈمی کے خبرنامہ شمارہ جون ۸۴ء میں انڈیا آفس لائبریری سے حاصل کردہ مخطوطات کی ایک قسط بھی شائع کی ہے۔

اردو کی ترقی کیلئے مرکزی حکومت کے مختلف اقدامات

لکھنؤ میں اردو ٹریننگ و ریسرچ سینٹر کا افتتاح، شریمتی شیلا کول کی تقریر

مرکزی وزیر تعلیم شریمتی شیلا کول نے آج کہا کہ مرکزی حکومت اردو کی ترقی کے لیے سنجیدہ کوشش کر رہی ہے۔ اردو ٹریننگ و ریسرچ سینٹر کا افتتاح کرتے ہوئے مرکزی وزیر نے کہا کہ جدید سائنس و ٹکنالوجی

کے لیے اردو کو ایک اہم ذریعہ کی حیثیت سے فروغ دینے کے لیے حکومت مختلف اقدامات کر رہی ہے شریمتی شیلا کول نے کہا کہ ترقی اردو بورڈ جو درسی ادب کی تیاری کے لیے قایم کیا گیا ہے وہ بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ بورڈ فن خطاطی کی ترقی کے لیے بھی جو ایک روایتی فن ہے نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ فن روزگار کے لیے بہتر مواقع فراہم کر رہا ہے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ اردو کو ہندوستان میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ یہ ملک کی مشترکہ تہذیب کی آئینہ دار ہے۔ یہ زبان مختلف زبانوں کے بولنے والوں کی جانب سے استعمال کی جاتی ہے۔ جن کے مختلف عقیدے ہیں۔ اردو کے تلفظ لہجہ اور روایت کے لیے مختلف زبانوں نے اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ کوئی بھی شخص اس زبان میں علاقائی اور لسانی یکسانیت پاتا ہے۔ دس ریاستوں اور مرکزی زیر انتظام علاقوں میں عوام میں بولی اور لکھی جانے والی دوسری یا تیسری زبان ہے۔

انگلستان کے نصاب میں اردو بھی شامل

ایک عرصہ دراز سے انگلستان کی یونیورسٹیوں میں اردو کی درس و تدریس اور تحقیق کے سلسلہ میں قابل قدر کارنامے انجام دیئے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے لیکن اردو دنیا کے لیے یہ مزید مسرت کی بات ہے کہ پچھلے چند برسوں سے یہاں کے چند اسکولوں کے منتظمین نے فرانسیسی، جرمن اور دیگر یورپی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی تعلیم کا انتظام بھی کیا ہے ہندوستان، پاکستان اور چند افریقی ممالک کے علاوہ یورپین گھرانوں کے بچے بھی بڑی تعداد میں اردو سیکھ رہے ہیں۔ ان بچوں کی نصابی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے خاص طور پر درسی کتابیں تیار کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ ہندوستان سے باہر اردو کی ترقی و بقا کے بارے میں یہ خوش آئند قدم ہے۔

ساہتیہ اکیڈمی کی کتابوں کی نمائش

ساہتیہ اکیڈمی نئی دلی نے مورخہ ۲۹ دسمبر سے تمام ہندوستانی زبانوں میں اپنی مطبوعہ کتابوں کی ایک نمائش نئی دلی کے رویندر بھون میں لگائی جس میں ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اکیڈمی کی انعام یافتہ کتابیں خاص دلچسپی کا باعث تھیں۔

تعزیتی جلسے اور قرار دادیں

شریمتی اندرا گاندھی، راجندر سنگھ بیدی اور فیض احمد فیض کی رحلتوں پر ترقی اردو بیورو میں، ۲نومبر۸۴ ، ۱۲ نومبر۸۴ اور ۲۲ نومبر کو بالترتیب تعزیتی جلسے منعقد ہوئے ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ڈائرکٹر نے صدارت فرمائی، صدر جلسہ کے علاوہ اسٹاف کے اراکین نے اظہار خیال کیا اور دو منٹ کی خاموشی مناتے ہوئے مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں۔

شریمتی اندرا گاندھی

شریمتی اندرا گاندھی ہندوستان کی عظیم المرتبت وزیراعظم ہونے کے علاوہ ایک زبردست ہمت اور حوصلے کی خاتون بھی تھیں۔ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کے بعد شریمتی اندرا ہندوستان کی ہر دلعزیز اور بلند مقام رہنما تھیں۔ ان کے یادگار دور وزارت میں نہ صرف ہندوستان مستحکم ہوا بلکہ ہر شعبہ حیات میں اتنی ترقی ہوئی کہ ہندوستان دنیا کے ترقی پذیر ملکوں میں بہت نمایاں ہو گیا اور اس کا شمار دنیا کی اہم طاقتوں میں ہونے لگا۔ ناوابستہ ملکوں کی عظیم رہنما کی حیثیت سے بھی شریمتی اندرا گاندھی نے زبردست کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان کے دور کو تاریخ میں ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ شریمتی اندرا گاندھی امن پسندی انسان دوستی اور سیکولر روایات کی علمبردار تھیں۔ ہندوستان کے استحکام اس کی مادی اور معاشی ترقی سے انھیں گہری دلچسپی تھی۔ عصری سائنسی ترقیات پر بھی وہ خاص توجہ دیتی تھیں۔ وہ اقلیتوں کی بھی محافظ اور خیر خواہ تھیں اردو زبان سے بھی انھیں دلچسپی تھی اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے وہ ہر ممکن مدد کرنے کو تیار رہتی تھیں۔ ان کے دور میں ترقی اردو بورڈ کے ساتھ ساتھ ملک میں کئی ریاستی اردو اکیڈمیاں بھی قائم ہوئیں۔ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ ملا۔ یہ سب ان کی اردو دوستی اور جمہوریت اور انصاف پسندی کے ثبوت ہیں۔ ان کا اچانک ہم لوگوں سے اٹھ جانا ایک ایسا خلا ہے جو آسانی سے پر نہیں ہو سکتا۔

اس گہرے دکھ میں ان کے افراد اور خاندان اور سارے ملک کے عوام کے ساتھ ہم برابر کے شریک ہیں۔ ہم ان کی آتما کی شانتی اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا کرنے کی دعا کرتے ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی

جناب راجندر سنگھ بیدی اردو کے ممتاز ادیب اور افسانہ نگار تھے۔ وہ ایک عظیم فنکار ہونے کے علاوہ اپنی ذات سے عالی ظرف انسان بھی تھے۔ افسانوی ادب کی تخلیق کے ساتھ ساتھ طویل عرصہ تک ہندوستانی فلم انڈسٹری سے بھی وابستہ رہے اور قابل قدر خدمات انجام دیں۔ جناب راجندر سنگھ بیدی نے اپنی عملی زندگی میں سخت محنت کی اور ترقی کر کے اردو دنیا کے صفِ اول کے قلم کار بن گئے۔ ان کی تخلیقات اردو میں افسانوی ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں انھیں ساہتیہ اکیڈمی کے انعام اور پدم شری کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا تھا۔ بیدی نے ہمیشہ حقیقت پسندی سے کام لیا اور یہی ان کے فن کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی بیش قیمت تخلیقات اردو زبان و ادب کا حصہ بن کر محفوظ رہیں گی اور مرحوم کی یاد دلاتی رہیں گی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کی آتما کو شانتی ملے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا ہو۔

فیض احمد فیض

فیض، اردو کے اس قدر عظیم شاعر تھے کہ وہ علاقے اور زبان کی حدوں سے ماورا ہو کر ساری دنیا کی عظیم شاعری کی کہکشاں کا حصہ بن چکے تھے ان کے سحر انگیز کلام کے ترجمے نہ صرف ہندوستانی زبانوں بلکہ دنیا کی اہم زبانوں میں بھی ہوئے ہیں اور عالمی پیمانے پر بے پناہ قدر افزائی اور مقبولیت کی وجہ سے کثیر تعداد میں بار بار شائع ہوتے رہے ہیں۔ بلا شبہ فیض کی شاعری اردو زبان و ادب کا لافانی سرمایہ ہے۔ ان کا انتقال پر ملال ساری اردو دنیا کا نقصان ہے۔

اجالوں کے سفیر، فیض نے زندگی بھر ظلم، جبر اور ناانصافی کے اندھیروں سے نبرد آزمائی کی۔ بہتر انسانی سماج کی تعمیر، خوبصورت انسانی زندگی کے ارتقا اور زندگی کی شائستہ و اعلیٰ قدروں کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ فیض ترقی پسند تحریک کے بے بدل بانیوں اور رافرو ایشیائی ادیبوں کی

جدید عہد کے سرپرستوں اور سربراہوں میں سے تھے۔ متاع سخن کی آبرو، ان کی شاعری پروقار اور لطیف احساسات و جذبات اور مہذب روایات کی آئینہ دار ہے۔ معنی خیز انقلابی رومانیت شائستہ اور شگفتہ لب ولہجہ اس کے خاص جوہر ہیں۔ فیض نے اردو شاعری کو نئی بلندیوں اور عظمتوں سے روشناس کروایا اور دنیا کی عظیم شاعری کے دوش بدوش کھڑا کر دیا۔ فیض کی مثالی خدمت لوح وقلم کا سب سے بڑا اور قابل قدر کارنامہ ہے۔

ہم ان کے پسماندگان کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اظہار غم و ہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ فیض کی گراں قدر روایت کی نہ صرف یہ کہ ہمیشہ حفاظت ہوتی رہے بلکہ اس کے فروغ اور اس کی توسیع کا سلسلہ برابر جاری رہے۔

قومی ایکتا ہفتہ

وزارت داخلہ حکومت ہند کی جانب سے تمام سرکاری دفاتر میں ۱۹ نومبر سے ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء تک قومی ایکتا ہفتہ منایا گیا۔ اس تعلق سے بیورو میں مورخہ ۱۹ نومبر ۸۴ء کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت بیورو کی ڈائرکٹر فہمیدہ بیگم صاحبہ نے کی اور جس میں اراکین بیورو نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر وزارت کی جانب سے تجویز کردہ مندرجہ ذیل عہد اجتماعی طور پر دہرایا گیا:

"میں پورے اعتماد کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ دیش کی آزادی اور قوم کی حفاظت اور اس کو مضبوط بنانے میں پوری لگن سے کام کرتا رہوں گا۔

یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی تشدد کا استعمال نہیں کروں گا۔ میرا یہ یقین ہے کہ تمام مذہبی لسانی صوبائی اور دوسرے سیاسی و معاشی جھگڑوں کو پرامن اور دستوری طریقوں سے ہی سلجھایا جا سکتا ہے۔"

ترقی اردو بیورو کے اسٹاف کی ایک اجتماعی تصویر



بیٹھے ہوئے بائیں سے دائیں [illegible] ریسرچ آفیسر [illegible] ریسرچ آفیسر [illegible] اسسٹنٹ ڈائرکٹر [illegible]
اسسٹنٹ ڈائرکٹر [illegible] ریسرچ آفیسر [illegible] اسسٹنٹ [illegible]
درمیان میں کھڑے ہوئے [illegible]
اوپر کھڑے ہوئے [illegible]

		صفحات	قیمت
۱۔ اکبر الہ آبادی	صغرا مہدی	۶۰	۳ - ۲۵
۲۔ انوکھی کہانیاں	محمد قاسم صدیقی	۳۲	۲ - ۲۵
۳۔ انوہا اور کالا کنواں	صالحہ عابد حسین	۲۸	۳ - ۱۵
۴۔ اوڈیسی	ہومر، اطہر پرویز	۱۶۰	۷ — ۰۰
۵۔ ایلس حیرت نگر میں	عبدالحیٔ	۹۶	۸ — ۰۰
۶۔ بچوں کے حالی	صالحہ عابد حسین	۶۴	۳ — ۷۵
۷۔ خواجہ میر درد	ظہیر احمد صدیقی	۶۴	۴ — ۵۰
۸۔ دل چسپ کہانیاں	ڈاکٹر رام آسرا راز	۱۸۸	۸ — ۵۰
۹۔ فضائی اور خلائی اڑان	شادان پرویز	۴۸	۳ — ۲۵۰
۱۰۔ مصر اور شمالی افریقہ کی کہانیاں	محمد امین	۷۲	۹ — ۰۰
۱۱۔ پریم چند کی کہانیاں	مرتب: جوگندر پال	۲۴۰	۰ — ۰۰
۱۲۔ پودوں اور جانوروں کی دنیا	اطہر پرویز	۵۶	- ۵۰
۱۳۔ شاہنامے کی کہانیاں	ڈاکٹر آصف نعیم صدیقی	۹۵	- ۵۰
۱۴۔ کٹھ پتلی ایک تماشہ	سطوت رسول	۵۲	— ۰۰
۱۵۔ مولانا روم کی کہانیاں	مرتبہ: محمد حفیظ الدین	۴۰	— ۰۰

ملنے کا پتہ

بیورو فار پروموشن آف اردو
ویسٹ بلاک ۸ آر۔ کے۔ پورم
نئی دہلی۔ ۶۶ ۰۰